سلسلۂ دار المصنفین

نمبر ۸۷

اسلام اور عربی تمدن

یعنی

شام کے مشہور فاضل محمد کرد علی کی کتاب الاسلام والحضارۃ العربیۃ کا ترجمہ جس میں مذہب اسلام اور اسلامی تہذیب و تمدن پر علمائے مغرب کے اہم اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے اور یورپ پر اسلام اور مسلمانوں کے اخلاقی علمی اور تمدنی احسانات اور اس کے اثرات و نتائج کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور اس سلسلہ میں مسلمانوں کی علمی و تمدنی تاریخ پر اجمالی تبصرہ کیا گیا ہے

((از))

شاہ معین الدین احمد ندوی

باہتمام

مولانا مسعود علی ندوی

در مطبع معارف اعظم گڈھ طبع گردید

۱۳۷۱ھ ۱۹۵۲ء

فہرست مضامین

اسلام اور عربی تمدن

تیرہواں باب

جزیرۂ سسلی میں عربوں کا تمدن

چودہواں باب

مسلمان اور اہل یورپ جنگ صلیبی میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ مترجم

اہل یورپ کچھ تو ناواقفیت اور زیادہ تر مذہبی و سیاسی اسباب و مصالح کی بنا پر مذہب اسلام اور اسلامی تہذیب و تمدن پر مدتوں سے جو حملے اور اعتراضات کرتے چلے آرہے ہین، ان مین مذہبی تعصب کی کمی اور علم و تحقیق مین ترقی کے ساتھ بڑی کمی آگئی ہے، اور خود یورپ کے علماء و محققین نے اس کی تردید مین کتابین لکھی ہین، جن مین اسلام کی روحانی واخلاقی برکتون، مسلمانون کے تمدن کی عظمت و برتری اور دنیا پر اس کے احسانات کا پورا اعتراف کیا ہے، مگر اب بھی کبھی کبھی پرانی آواز کی صدائے بازگشت آتی رہتی ہے،

ان مین سے عیسائی مشنیرون کے پرانے طرز کے اعتراضون کے جوابات ہندوستان مین بھی بہت پہلے دیے جاچکے ہین، اور ان کی ابتدائی یورش کے زمانہ مین مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا کرامت علی جونپوری اور ڈاکٹر وزیر خان اکبرآبادی وغیرہ اس دور کے علما محققین نے عیسائیون کے ایک ایک اعتراض کے پرزے اڑادیے اور موجودہ عیسائیت کی کمزوریون کو اس طرح بے نقاب کیا کہ ہندوستان مین اس کا بڑھتا ہوا سیلاب رک گیا، مگر سب سے زیادہ خطرناک اور گمراہ کن وہ غلط بیانیان اور غلط فہمیان ہین جو مستشرقین نے علمی و تاریخی رنگ مین پھیلائی ہین جن کے فریب مین اپنے مذہب و تاریخ سے ناواقف جدید تعلیم یافتہ مسلمان بھی آجاتے ہین،

ان کی تردید کیجانب ہندوستان مین سب سے پہلے سر سید احمد خان، مولوی چراغ علی، مولانا شبلی اور سید امیر علی وغیرہ نے توجہ کی، اس کام مین اگرچہ اول الذکر دونون بزرگون سے غلطیان بھی ہوئین، مگر اپنی اپنی فہم و بصیرت کے مطابق ان سب نے اس فرض کو انجام دیا، اور مولانا شبلی نے تو اس کو مقصد زندگی بنا لیا، چنانچہ ان کی تمام علمی و تعلیمی جد وجہد اور تالیف و تصنیف کا مرکز و محور یہی دائرہ تھا، اور ان کی بیشتر تصانیف کسی نہ کسی پہلو سے اسی دائرہ مین آتی ہین، اس سے بھی بڑھکر ان کا کارنامہ یہ ہے کہ انھون نے اس کام کے لیے ایک مستقل مکتب فکر قائم کر دیا، جس کا مقصد یہ تھا کہ مذہب اسلام، اسلامی تمدن اور اسلامی تاریخ کو اس طرز سے اور ایسے محققانہ انداز مین پیش کیا جائے کہ خود بخود اس کی عظمت و برتری نمایان ہوجائے اور اس قسم کے اعتراضون کی گنجایش ہی باقی نہ رہے، اس طرح انھون نے اردو مین ایک نیا علم کلام پیدا کر دیا، اور ہندوستان مین اس راہ کے سارے راہرو، ان کی قائم کی ہوئی شاہراہ پر گامزن ہین،

دنیائے اسلام کے مختلف علماء و محققین نے بھی اس موضوع پر کتابین لکھی ہین، ان مین محمد کرد علی شامی کی کتاب "الاسلام والحضارۃ العربیہ" جامع اور مفید نظر آئی وہ شام کے نامور فاضل اور وسیع النظر محقق ہین، یورپ کی مختلف زبانون مین اسلام اور مسلمانون کی موافقت اور مخالفت مین جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب ان کی نگاہ مین ہے چنانچہ انھون نے ان تمام اعتراضون کا جائزہ لیا ہے، جو عموماً اسلام اور اسلامی تہذیب پر عموماً کیے جاتے ہین، اور ان کے شافی جوابات دیے ہین، اور اس سلسلہ مین مسلمانون کی اجمالی علمی و تمدنی تاریخ اور دنیا پر ان کے احسانات کی سرگذشت تحریر کر دی ہے، اسی کے ساتھ مغربی تہذیب کے تاریک رخون کو بے نقاب کیا ہے، اور یورپ کی پرفریب سیاست اور

اس کی وحشت و بربریت کا پردہ چاک کیا ہے، اس طرح اس کتاب مین وہ تمام مسائل
و مباحث موجود ہین جو اس موضوع کے لئے ضروری ہین، اس لیے اردو مین اس کا ترجمہ
کردینا مناسب ہوا،

مگر ان خوبیون کے ساتھ اس مین بعض خامیان بھی ہین، جن کی جانب اشارہ کردینا
ضروری ہے، اس زمانہ مین مغربی تہذیب اور اس کی مادی ترقیون کا ایسا رعب چھایا ہوا
ہے کہ اس کے ناقد بھی اس کے مادی مظاہر کے سامنے سپر ڈال دیتے ہین، اور یورپ کی
تہذیب کو معیار اور اس کے تمدنی نظریون کو مسلم مان کر اپنی تہذیب اور اپنے تمدنی نظریون
کو بھی اسی رنگ مین دکھانے کی کوشش کرتے ہین، یہ کمزوری اس کتاب مین بھی جابجا نظر آتی
ہے، اور اسلامیت کے ساتھ عربی قومیت و وطنیت کے جذبات بھی موجود ہین، مگر ان
خامیون کے مقابلہ مین خوبیان زیادہ ہین، اور مجموعی حیثیت سے یہ کتاب مفید ہے، اسلیے
اس کے فوائد کے مقابلہ مین معمولی خامیون کو گوارا کر لیا گیا، مگر جہان جہان مصنف کا
نقطۂ نظر اور ان کی رائے صحیح نہین معلوم ہوئی وہان حاشیہ مین اختلاف ظاہر کرکے اسکی
تصحیح کردی گئی ہے، اور بعض ٹکڑے جو غیر ضروری تھے، حذف بھی کردیے گئے ہین،
مگر ایسے مقامات دو چار سے زیادہ نہین ہین۔

یہ کتاب آج سے پچیس چھبیس سال پہلے لکھی گئی تھی، اس مدت مین دنیا کی سیاست
مین بڑا انقلاب ہوگیا ہے، اور دوسری جنگ عظیم کے بعد سے دنیا کا نقشہ ہی بدل گیا
ہے، اور بعض پرانی باتین اب قصۂ پارینہ ہوگئی ہین، چنانچہ یورپ کی استعماری سیاست
کی تاریخ کا باب اسی قسم کا ہے، اس لیے کہ بعض وہ ملک جو اس وقت غلام تھے، اب
آزاد ہوگئے ہین، مگر اس کو اس لیے رہنے دیا گیا ہے کہ اس سے یورپ کی پرفریب سیاست

بے نقاب ہوتی تھی، دو باب، ایک "اسلام سے پہلے عربوں کی حالت" دوسرا عربی ملکوں مین مغربی تہذیب کے اثرات"، جو غیر ضروری تھے، نکال دیے گئے ہین، اور پہلے باب کو مقدمہ بنا دیا گیا ہے،

ترجمہ حتی الامکان سلیس اردو مین کیا گیا ہے، مگر اس کتاب مین یورپین مصنفین کی تصانیف کے بکثرت اور طویل اقتباسات ہین، جن کی عبارتین کہین کہین پیچیدہ ہین، حتی الامکان ان کے ترجمہ مین بھی سلاست قائم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، بیشتر حوالے فرنچ جرمن، اطالوی اور ہسپانی مصنفین اور ان کی کتابون کے ہین، جن کے نام زیادہ تر اصل زبانون مین رومن مین لکھے گئے ہین، مگر کہین کہین ان کا عربی ترجمہ لکھ دیا ہے، ان کو بجنسہ نقل کر دیا گیا ہے، مگر حتی الامکان نامون کے تلفظ کی تصحیح کی کوشش کی گئی ہے،

فقیر معین الدین احمد ندوی

۳۰ شعبان المعظم مطابق ۲۵ مئی ۱۹۵۴ء

دار المصنفین اعظم گڈھ

مقدمہ

مخالفین اور ان کی مخالفت کے اسباب

اسلام اور عربون کے ساتھ انصاف

اہل مغرب کو سترہوین صدی سے فکر و وجدان کی آزادی حاصل ہے، اور ان مین علماء کا ایسا طبقہ پیدا ہو گیا ہے جس کو فضیلت کے بہت سے وسائل حاصل ہین، اور جو چیزین ان کے مشاہدہ اور تحقیق سے ثابت ہوئین ان کو انھون نے پسند کیا، اور ان لوگون کی پوری تردید کی جنھون نے عرب اور اسلام کے بارہ مین ناانصافی سے کام لیا ہے، اور گذشتہ زمانہ مین سچائی کے چہرہ پر جو پردے پڑ گئے تھے، انکو چاک کر کے اصل حقیقت ظاہر کی چنانچہ یورپ کے بعض اعتدال پسند مصنفین کو محض اس لئے طعن و طنز کا ہدف بننا پڑا کہ انھون نے اپنے پیشرو مصنفین کے خیالات کی تائید نہین کی، اور پرانے طریقہ کو چھوڑ کر مخالفین کے ساتھ بھی انصاف سے کام لیا، اور ان کے اس عزم سے ان کو کسی کی تنقید اور طنز نہ روک سکا اور وہ برابر ان لوگون کا مذاق اڑاتے رہے، جو محض انکی امانت و دیانتداری

کی وجہ سے ان کو متہم کرتے تھے، انھون نے جس بات کو حق سمجھا اس کو برملا ظاہر کیا، اس لیے اسلامی تہذیب اور اسلامی دعوت کے حامیون کو ان مصنفین کا شکر گذار ہونا چاہیے، مگر ان لوگون کی علانیہ مذمت کرنا چاہیے جو دوسرون کی چیزون کو اس نظر سے نہین دیکھتے جس نظر سے اپنی چیزون کو دیکھتے ہین، ہماری سوسائٹی کے جیسے مظاہر یورپ مین بھی ہین، فرق یہ ہے کہ وہان انھون نے جدید تہذیب کے اثر سے خوبصورت اور دیدہ زیب لباس پہن لیا ہے، اور ہمارے یہان تمدنی زوال کے پیدا کردہ انحطاط کی وجہ سے اپنی پرانی سادگی پر قائم ہین، درحقیقت طاقتورون کی برائیان بھی کوتاہ بینون کی نظر مین بھلائیان معلوم ہوتی ہین، یا کم از کم ان کو ایسے معنی پہنائے جاتے ہین جن کو کوتاہ نظر آیات بینات شمار کرتے ہین، اور کمزور مین خواہ کتنی ہی خوبیان ہون، ظاہر نہین ہونے پاتین، بلکہ بعض اوقات وہ برائیان بن جاتی ہین، اس لیے کہ دنیا ہمیشہ طاقت کی غلام رہی ہے،

ایسے مسائل مین جو ہمارے عقیدہ کے بھی خلاف ہون، تربیت و عادت کے بھی خلاف ہون، قومیت و ماحول کے بھی خلاف ہون، ہمارا فرض ہونا چاہیے کہ ان سے قریب ہونے اور ان کے بارہ مین صحیح رائے قائم کرنے کی کوشش کرین، ہم اس اعتدال پسند مخالف کو معذور سمجھتے ہین کہ وہ جو کچھ کہتا ہے اس پر یقین بھی رکھتا ہے، اور اس انصاف پسند موافق کے شکر گذار ہین جو اذعان و یقین کے ساتھ اپنی رائے ظاہر کرتا ہے، مگر اسے فراموش نہ کرنا چاہیے کہ ہماری سوسائٹی ہر دور مین اور اپنے طور طریقون مین عدل و انصاف اور رواداری سے متصف نہین رہی ہے، اور ہم مین ایسی جماعتین برابر موجود رہی ہین، جنھون نے ہمیشہ ان لوگون کا درجہ گھٹانے کی انتہائی کوشش کی جو ان کے خیالات کے مخالف تھے، اور اس مین انھون نے ہر ممکن کوشش صرف کر دی، اس طریقہ سے انھون نے تہذیب کی راہ مین روڑے

الٹا کر اس کو نقصان پہنچایا،

ہم اپنے مخالف کے قول سے بھی فائدہ اٹھاتے ہین، اس لیے کہ کبھی کھلے دشمنون کی تنقید بھی کجی کی درستی اور خرابی کی اصلاح کر دیتی ہے، اور بہت سے مسائل ہین طویل مشقت پورے غور و تامل اور نرمی و ملاطفت کے بعد کھرے کھوٹے کے درمیان تمیز ہوتی ہے، ان مین عموماً ان کے موجد کے وہم اور سوء فہم یا علم اور بغیر علم کے عمداً کسی مسئلہ کو بگاڑنے کے لیے پیچیدگی پیدا کی جاتی ہے، جس سے عقلون مین کمزوری سرایت کر جاتی ہے، اور وہ زمانہ گیا تھا راسخ ہو جاتی ہے، اور جب گمراہی ایک مرتبہ جڑ پکڑ لیتی ہے تو پھر اس کو دور کرنے کے لیے بڑی طویل مشقت درکار اور جب حق کے ساتھ باطل گوشت پوست کی طرح مل جاتا ہے تو اس مین تفریق و امتیاز پیدا کرنے کے لیے بڑی ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے یہی صورت تاریخ اسلام کے ساتھ پیش آئی، اہل یورپ زمانہ قدیم سے اس کے متعلق ایک فیصلہ کرتے چلے آتے ہین، اور اس مین انھون نے دانستہ یا نادانستہ جو غلطیان کی ہین وہ صدیون مین دور ہو سکی ہین، اور اب ان پر اصل حقیقت پوری طرح ظاہر ہو گئی ہے، اور جن لوگون نے ہمارے بارہ مین انصاف سے کام لیا ہے، ان کی نیت قابل تعریف ہے، عدل و انصاف قریب کے لوگون سے خوش آیند اور دور کے لوگون سے خوش آیندتر ہوتا ہے، جو شخص ایک مسئلہ مین ہماری مخالفت اور بہت سے مسائل مین موافقت کرتا ہے وہ حزم و احتیاط سے زیادہ قریب ہے،

اہل مغرب کی ناانصافیون کے اسباب

اس مسئلہ مین تمدنی عقدے بھی ہین، اگر تمدنی عقدے کے حل ہین آسانی بھی پیدا ہوتی ہے، تو مذہبی عقدے حل نہین ہوتے، یہ اتنے سخت اور دشوار ہوتے ہین کہ خواہ کتنی ہی کوشش کیجائے اور عقل و خرد سے کتنا ہی کام لیا جائے ان سے عہدہ برآ ہونا دشوار ہوتا ہے، اس لیے عربون کے بارہ مین اہل یورپ کے

غیر منصفانہ فیصلون کا سبب درحقیقت دونون کے عقیدون کا اختلاف وتضاد ہے، عقیدۂ تسلیم و رضا کا نام ہے، اور دوسرے کے عقیدہ کے ساتھ دشمنی ایک ایسی فطرت بنجاتی ہے جس سے انسان کسی حالت مین بھی نجات حاصل نہین کرسکتا، اس لیے جو عقائد وخیالات انسانون مین زمانہ دراز سے راسخ ہوچکے ہین ان کو بالکل مٹادینا بہت مشکل ہے، مگر عاقل وہی ہے جو اپنے نفس کے مقابلہ مین بھی دوسرے کے ساتھ انصاف سے کام لیتا ہے،

ہجرت کی ابتدائی صدیون سے اہل یورپ اور مشرقیون کے درمیان ظلم وناانصافی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اسلام پوری انسانی کائنات کے لیے ہدایت بنکر آیا تھا، اسلیے جہان جہان اس کی حکومت قائم ہوئی اس نے بت پرستی کو مٹایا، اور صابی، یعقوبی، نسطوری مجوسی اور یہودی وغیرہ کی بہت بڑی تعداد نے اسلام قبول کرلیا، اس سے عیسائی یورپ کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ یہ سیلاب بڑھتا ہوا اس کے ملک مین نہ پہنچ جائے، اس لیے یورپ کی تمام حکمران اور دینی پیشوا اس سے جنگ کرنے کے لیے متحد ہوگئے، اور اسلام کی دعوت اندلس، سسلی اور اس کے ملحقہ علاقون تک پہنچکر رک گئی، اس کے بعد جنگ صلیبی چھڑ گئی اور کامل دو صدیون تک اس کا سلسلہ جاری رہا جس مین یورپ مصر وشام پر فوجکشی کرتا رہا، مگر آخر مین شام مین غلبہ اسلام ہی کا رہا،

ظاہر ہے کہ اتنے طویل بغض وعداوت خصوصاً آخری زمانہ مین ایک عرصہ دراز تک دولت عثمانیہ کے یورپ پر کاری ضرب لگانے کے بعد جس نے اس کو بالکل کمزور کردیا تھا، ایک دشمن کا اپنے دشمن کے متعلق ایسی باتین کہنا جو اس کے مرتبہ کو گھٹائین کوئی تعجب انگیز بات نہین ہے، اس کے علاوہ اس زمانہ مین یورپ مین جہالت عام تھی، اور ان کے مروجہ مذہب نے ہر عالم ومحقق کا گلا دبا رکھا تھا، اور اس نئے زمانہ مین بھی ایک ہی واقعہ

کے متعلق اکثر مورخین کی رایون مین جو ہر دو عرض کا اختلاف ہو جاتا ہے، اور قومی دھڑے بندی
کا اتنا غلبہ ہے جس کی مثال گذشتہ تاریخ مین نہین ملتی، اس کے بعد جب قرون وسطیٰ کے آخری
دور کی صبح نمودار ہوئی، اور یورپ مین ترقی کا آغاز ہوا، اس وقت علما نے حقایق
کی تحقیقات کے بعد عربون پر ناروا حملون اور ان کے مذہب اور تمدن کی مذمت
کرنے مین کمی کی، اس کے بعد جب شروع شروع مین مشرق مین عیسائیت کی تبلیغ
کے لیے یورپ کی بعض یونیورسٹیون مین اسلامی زبانون کی (جس مین عربی کو اولیت کا درجہ
حاصل تھا) تعلیم شروع ہوئی جس نے بعد مین علمی و عقلی نقطۂ نظر سے عربی تہذیب اور اسلام
کے درس و مطالعہ کی شکل اختیار کرلی، اس وقت سے اسلام سے یورپ کی واقفیت
بڑھ گئی، اور پھر ان تمام بحثون کا آخری مقصد تجارت اور ملک گیری کے لیے اسلام اور
اسلامی ملکون کے اندرونی حالات سے واقفیت پیدا کرنا قرار پایا،

قاسم امین کا بیان ہے کہ اہل مشرق و مغرب کے درمیان پرانی عداوت کا سبب
جو کئی پشتون تک رہی، دین و ملت کا اختلاف تھا، اور جو ابتک ایک دوسرے کے حالات
سے ناواقفیت اور بدگمانی کا سبب بنا ہوا ہے، اور ان کے عقل و دماغ کو اتنا
متاثر کرچکا ہے کہ ان کو ہر چیز کی حقیقت الٹی نظر آتی ہے، انسان کے لیے کسی چیز کی حقیقت
تک پہنچنے مین سب سے بڑا عائق یہ ہے کہ اس پر بحث و نظر کے وقت وہ کسی خواہش کا محکوم ہو،
اس صورت مین اگر وہ مخلص اور حقیقت کا بھی جویا ہوگا، جو شاذ و نادر ہوتا ہے تب بھی
اس کی خواہش اس کی رائے پر اثر انداز ہوگی، اور جو چیز اس کی خواہش کے مطابق ہوگی وہ
اسے زیادہ پسندیدہ نظر آئے گی، اور اپنی طرف مائل کرے گی، اور اگر اس کے دل مین
حق و صداقت کی وقعت نہ ہوگی (اور بڑی تعداد ایسے ہی لوگون کی ہوتی ہے) تو وہ اپنی

خواہش کے مطابق حقیقت کے چہرہ پر جھوٹ، بہتان، اوہام اور گمراہیون کے اتنے پردے ڈال دے گا کہ دلون تک سچائی کی شاہراہ پہنچنے کا کوئی راستہ باقی نہ رہے گا۔

تاریخ کے مطالعہ کی دشواریان

ایک شہر کی تاریخ پر کماحقہ بحث ونظر آسان نہین ہے، چہ جائیکہ عربون کی جیسی عظیم الشان قوم کی تاریخ پر بحث کرنا، جن کا ملک دور دور تک پھیلا ہوا ہے، اس لیے اس زمانہ مین جب علم اتنا ترقی کرچکا ہے اور اس کی بہت سی شاخین پیدا ہوگئی ہین، یورپ نے اس کو بہت سی قسمون مین تقسیم کر دیا ہے، چنانچہ جو لوگ صرف ایک صدی یا ایک قوم کی چند صدیون کی تاریخ کی تحقیقات کرتے ہین، وہ دوسرے دورون کی تاریخ کی جانب قدم نہین بڑھاتے، اور جو شخص ایک ملک یا ایک شہر کی تاریخ پر کام کرتا ہے وہ دوسرے ملک اور دوسرے شہر کی تاریخ سے بالکل ہاتھ روک لیتا ہے۔ اور جو شخص روما کی تاریخ کے کسی پہلو کا ماہر ہے اس کے لیے جدید دور کی تاریخ مین پوری مہارت حاصل کرنا دشوار ہو جاتا ہے، اسی طرح جس شخص کو کسی مشرقی قوم کے حالات کی تحقیقات سے دلچسپی ہوتی ہے تو مغرب کی تاریخ پر اسکی تصانیف معیاری نہین شمار کیجاتین، اس لیے ایسی کتابون مین جن کے موضوع اور مقاصد مختلف اور متنوع ہون تنہا ایک شخص کی تالیف کی قدر وقیمت عموماً کم ہوتی ہے، اسی لیے انسائیکلوپیڈیا وغیرہ عام معلومات کی کتابون کو سیکڑون بلکہ کبھی کبھی ہزارون علما مل کر لکھتے ہین، اور تاریخ، جغرافیہ، اور ادب وغیرہ کی کتابون کی تالیف مین بیسیون مورخین ادیبون اور علماے جغرافیہ کی کوششین شریک ہوتی ہین، ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر کسی قوم مین اس کام کیلیے کافی آدمی نہین ہوتے تو وہ اپنے سے ترقی یافتہ قومون کے آدمیون سے مدد لیتی ہے،

اس زمانہ مین تاریخ کا فن اپنے اغراض و مقاصد کے تنوع کی وجہ سے بہت زیادہ دشوار ہو گیا ہے، اس لیے جو شخص عربون کی تاریخ کی صرف چند کتابین پڑھکر ان کے تمدن کے بارہ مین کوئی فیصلہ کر دیتا ہے، اس پر کس طرح اعتماد کیا جا سکتا ہے، اس قسم کی کتابون کی حیثیت ان کی بے مایگی کی وجہ سے عوامی کتابون سے زیادہ نہین ہو سکتی، اسی طرح جو شخص کسی معاملہ کے متعلق پہلے سے ایک رائے رکھتا ہے، اس معاملہ کے متعلق اس کے فیصلہ کی کیا وقعت ہو سکتی ہے، رینان کا قول ہے کہ "تاریخ ظنون و اوہام کا مجموعہ اور ایسا چھوٹا علم ہے جس کا تانا بانا بعید مفروضات مین ہے"، کچھ لوگون کی رائے ہے کہ "ایسے اسناد اور ماخذون کی کمی کی وجہ سے جو علم و نظر کی کسوٹی پر پورے اتر سکین، مورخین تاریخ مین مخفی گوشون سے اپنے افکار و خیالات شامل اور ایک حقیقت کا تصور قائم کر کے اس کو گڑھکر کھڑی کر دیتے ہین اور وہ ایسے نظریون کو زندہ کرتے ہین جن کی بنیاد خود دوسرے نظریون پر ہوتی ہے اور اپنے اندر ایسے اشخاص کی روح پیدا کرنا چاہتے ہین جن کے قومی مزاج، موروثی تربیت کے اثرات اور افکار و تصورات سے ناواقف ہوتے ہین"، اس لیے کسی شخص یا کسی عہد کی تاریخ لکھنا سخت دشوار ہے، اور انسان "توسیڈیڈ" اور "ہیروڈٹس" کے زمانے سے لیکر اب تک برابر تاریخ لکھنا چاہتا ہے، مگر ضروری مواد و معلومات کی کمی کی وجہ سے بہت کم حقیقت تک پہنچتا ہے، وہ صرف اس لیے واقعات و حوادث کی تشریح و تفسیر کرنا ان کو جاننا، اور یاد رکھنا چاہتا ہے کہ دنیائے قدیم نے اس کے متعلق جو مواد چھوڑا ہے اس کے تھوڑے سے خیالی اجزا، کو تاریخ مین شامل کر سکے، "تاسیٹ" اپنے کو واقعات و حوادث سے بلند رکھکر اس کے متعلق فیصلہ کرنا چاہتا تھا، اور "مونٹسکیو" اور "ہرڈر" تاریخی تصریحات سے اسکا فلسفہ مرتب کرنا چاہتے تھے، اور رینان مختلف واقعات مین تطبیق دینا

ممکن حد تک ان کے اسرار کی پردہ کشائی کرنا اور ان کو مرتب کرکے وحدت کی شکل مین پیش کرنا چاہتا تھا، غرض ہر مورخ کا اپنا مخصوص طریقہ رہا ہے، کارلائل کا قول ہے کہ "تاریخ مختلف شائع شدہ چیزون کے مجموعے کا نام ہے"۔ والٹیر کہتا ہے کہ "تاریخ پرانے دقیانوسی انسانون کا مجموعہ ہے، جسے کمزور لوگون نے قبول کرلیا ہے"۔

لیبان لکھتا ہے کہ "زمانہ قدیم سے تاریخ نگاری مین عدل وانصاف مورخین کا جوہری وصف سمجھا جاتا ہے، اور ٹاسیٹس کے زمانہ سے مورخین تاریخ نگاری مین ذاتی اغراض ورجحانات سے احتراز کی تاکید کرتے چلے آئے ہین، لیکن ایک مورخ واقعات کو بالکل اسی نظر سے دیکھتا ہے جس نظر سے ایک مصور کسی منظر کو اپنی مزاجی خلقی اور قومی روح کی روشنی مین دیکھتا ہے، اسی لیے ہر مصور کی تصویر دوسرے مصور سے مختلف ہوتی ہے، بعض مصوران تفصیلات کو ضروری سمجھتے ہین جن کو دوسرے نے چھوڑ دیا تھا، اور اس حیثیت سے کہ ہر مصور کی تصویر ایک خاص قسم کی تاثیر کو ظاہر کرتی ہے، اپنے مصور کی مخصوص شکل کی بھی مصوری کردیتی ہے، یہی حال اہل قلم کا بھی ہے، اس لیے ایک مصور کی طرح ایک مورخ کے لیے بھی تمام تر انصاف پر قائم رہنا بہت دشوار ہے، البتہ آجکل کے دستور کے مطابق تمام اسناد اور حوالون کو کام مین لانا ضروری ہے، مگر جب ان اسناد پر زیادہ زمانہ گذر جائے مثلاً انقلاب فرانس جسکے حالات کے احاطہ کے لیے ایک شخص کی زندگی کافی نہین ہے تو ایسی صورت مین اس کے خلاصہ، مغز اور جوہر پر اکتفا کرنا چاہیے، مورخین اکثر دانستہ یا نادانستہ ایسے مواد کو جو ان کے سیاسی، مذہبی اور اخلاقی خواہشون کے مطابق ہوتا ہے، لے لیتے ہین، اسلیے تاریخ مین ایسی کتاب کا لکھنا بہت دشوار ہے جس مین پورے عدل وانصاف سے کام

لیا گیا ہو، اور یہ صرف اس صورت مین ممکن ہے جب ایک واقعہ کو ایک ہی وقت
مین صرف ایک سطر مین لکھا جائے جو مولفین کی طاقت سے باہر ہے، آج تاریخ کے
فرقہ بندی کے جذبات سے پاک ہونے کے دعویٰ کے باوجود بعض تکلیف دہ باتین پیدا ہوگئی
ہین، اور اس سے بڑھکر تکلیف دہ بات کیا ہوسکتی ہے کہ اگر ان باتون کی جانب رجوع
کیا جائے تو کسی زمانہ کی تاریخ بھی سمجھ مین نہین آسکتی،

تاریخ کے بارہ مین بعض لوگون کی یہ رائے ہے کہ "وہ ایک افسانہ ہے جس کو ہر لکھنے
والا اپنے تخیل سے پیدا کرتا ہے اور لوگون کے حالات اور گذشتہ واقعات سے اس کے
لیے نام بھی گڑھ لیتا ہے" کسی روایت پر تمام مورخین کا اتفاق بھی اس مین شک وشبہ اور
اس کے قبول کرنے مین تردد پیدا کر دیتا ہے، کیونکہ اتفاق اس کا ثبوت ہے کہ اس کو
بحث ونظر کے بغیر بے چون وچرا مان لیا گیا ہے، اور اگر اختلاف ہو، یعنی کسی کی تعریف
ومذمت مین مورخین کی رائین مختلف ہون تو پڑھنے والا مفروضات اور راویون کے اختلا
کی وجہ سے سخت ذہنی انتشار اور شک وشبہ کی گمراہیون مین مبتلا ہوجاتا ہے، ایک
مورخ کے لیے شہادت، سند اور ثبوت وغیرہ ان تمام چیزون کی ضرورت ہوتی
ہے جس کی ایک جج کو ضرورت ہوتی ہے، مگر اکثر واقعات مین ان چیزون کی کمی ہوتی
ہے، کیونکہ ہر تاریخی واقعہ کے اجزاء، شخصیتین، خبرین، مصلحتین، اور رائین ہوتی ہین اور
ان مین سے ہر چیز کو کھوٹ اور شبہات وغیرہ کی آفتین لاحق ہوتی ہین، شخصیتون مین دوستی
وعداوت اور ترغیب وترہیب وغیرہ کے جذبات شامل ہوجاتے ہین، اور ان کی نگاہ
مین بعض روایتین ظاہر اور بعض مخفی رہتی ہین، خبرون مین جھوٹ اور سچ، اور سمجھنے اور
نہ سمجھنے کا احتمال رہتا ہے، بعض خبرین صاف اور واضح ہوتی ہین، اور بعض مین خفا ہوتا ہے

واقعات کبھی مصلحتون کے موافق ہوتے ہین اور کبھی مخالف، یہی حال مصلحتون کا ہے، وہ کبھی اصل حقیقت کے موافق ہوتی ہین، کبھی اس کے مخالف، اس لیے وہ واقعات کو بالقصد یا بلاقصد ایسے رنگ مین رنگ دیتی ہین کہ ایک ہی چیز دو شخصون کو دو مختلف رنگون مین نظر آنے لگتی ہے، اور رآئے علم و نظر، مذاق کے اختلاف اور ہر اس چیز سے متاثر ہوتی ہے جس کو اس کے بنانے اور فیصلہ کرنے مین دخل ہوتا ہے، اگر کسی مورخ کو ایسے اسباب و وسائل حاصل بھی ہوجائین جن کی بنیاد پر وہ ظاہری باتون کا فیصلہ کرسکے، جب بھی اندرونی نیتون اور مخفی محرکات اور دبون مین چھپے ہوئے ان موثرات کی وجہ سے جن کے بارہ مین اس کا ضمیر مغالطہ دیتا رہتا ہے، صحیح فیصلہ کرنے سے اسباب میسر نہین آتے، اور اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ جو شہادتین اسنادین اور ثبوت ایک جج کو حاصل ہوتے ہین وہ ایک مورخ کو بھی حاصل ہوجائین تب بھی کیا جج غلطی، فہم کی کجی، ہوائے نفس اور ان ذہنی پریشانیون سے جو اہم مقدمات کے فیصلہ مین پیش آتی ہین، بالکل محفوظ رہ سکتا ہے، لیکن معمولی مقدمات مین ایک جج خواہ صحیح فیصلہ کرے یا غلط تاریخی واقعہ یا ججمنٹ کی تاریخ کے واقعہ کی حیثیت سے اس کی کوئی اہمیت نہین ہوتی،

عرب اور اسلام کے معترضین کے اقوال پر لیبان کی تنقید

لیبان نے اپنی کتاب تمدن عرب مین بہت خوب لکھا ہے کہ "اگر کسی قوم کے اخلاق پر مذاہب کا اثر اسی قدر ہوتا ہے جیسا کہ عموماً سمجھا جاتا ہے، (اگرچہ مجھکو اس سے اتفاق نہین ہے) تو اسلام اور دوسرے مذاہب مین جن کو اس کے مقابلہ مین برتری کا دعویٰ (اس سے مراد عیسائیت ہے) ہے، بہت دلچسپ موازنہ ہوسکتا ہے، ایک بڑا مذہبی عالم بارتھیلمی سینٹ ہیلر ایک کتاب مین لکھتا ہے کہ "عربون کے ساتھ میل جول اور ربط و ضبط کے اثر سے قرون وسطیٰ کے

بدخو اور درشت مزاج سرداروں کے مزاج مین نرمی اور شائستگی پیدا ہوگئی، اور ان کی بہادری مین کسی قسم کا فرق آئے بغیر ان مین انسانیت کا نہایت اعلیٰ و ارفع اور لطیف شعور پیدا ہوگیا، اور یہ امر نہایت مشکوک ہے کہ تنہا عیسائیت نے خواہ وہ کتنی ہی مفید کیون نہ ہو، ان مین ایسے اوصاف پیدا کر دیے ہون، اس حقیقت کے علم کے بعد شاید ناظرین یہ سوال کرین کہ پھر آج وہ علما بھی جن کی آزاد خیالی مشہور ہے، اور جن مین بظاہر مذہبی تعصب بھی نہین ہے، عربون کی خوبیون اور ان کے احسانات کا کیون انکار کرتے ہین، یہ سوال خود مین نے اپنے دل سے بھی کیا ہے، اس کا جواب صرف یہ ہے کہ درحقیقت ہماری رائے کی آزادی حقیقی سے زیادہ محض ظاہری ہے اور بعض مسائل مین ہم جب آزادی سے چاہتے ہین غور نہین کر سکتے، اس لیے ہم مین دو قسم کے آدمی ہین، ایک جدید تہذیب کے آفریدہ نئے لوگ جن کی نشو و نما علمی ماحول مین ہوئی ہے، دوسرے قدیم جنکی پیدایش ہر زمانہ مین پرانے خمیر سے ہوتی ہے، یہی روح غیر شعوری طور پر بیشتر لوگون مین مختلف شکلون مین بولتی رہتی ہے، ان کے پرانے معتقدات بھی اسکے موید ہوتے ہین، اس لیے وہ ان ہی کے زیر اثر رائے قائم کرتے ہین، مگر چونکہ ان رائیون کو انتہائی آزاد خیالی کے روپ مین ظاہر کیا جاتا ہے، اس لیے وہ احترام کی مستحق سمجھی جاتی ہین،

گذشتہ کئی صدیون سے یورپ کے سب سے زیادہ خطرناک دشمن پیروان محمد سمجھے جاتے ہین، وہ چارلس مارٹل کے عہد اور صلیبی لڑائیون کے زمانہ مین اپنے اسلحہ سے یورپ کو ڈرا کر اور آستانہ پر قبضہ کے بعد اپنے بلند و برتر تمدن سے ہم کو ذلیل و خوار کرتے رہے، اور ابھی چند دنون پہلے تک ہم کو ان سے نجات نہین ملی تھی اسلیے چند صدیون تک ہم پر یہ موروثی اوہام مسلط رہے، اور اسلام اور مسلمانون کی دشمنی اس طرح سے چھائی رہی کہ ہمارے

نظام کا جزبن گئی تھی اور یہ اوہام ہماری فطرت مین اس طرح راسخ تھے جس طرح عیسائیون کے دل کی گہرائیون مین یہودیون کی دائمی عداوت مخفی رہتی ہے،

جب ہم اپنے موروثی اوہام مین مسلمانون کی فضیلت وبرتری سے انکار کے اس دعویٰ کو بھی شامل کرلین کہ ہم کو تمام علوم وآداب یونانیون اور لاطینیون سے حاصل ہوئے ہین، اور یہ وہم ہماری قابل نفرت تعلیم کے اثر سے ہماری ہر نسل مین برابر بڑھتا جاتا ہے تو ہم کو آسانی سے اندازہ ہوجائے گا کہ یورپ کی تمدنی تاریخ مین عربون کے غیر معمولی اثرات سے ناواقفیت عام ہے، اور بعض مفکرین کے نزدیک تو یہ تصور انتہائی اہانت آمیز ہے کہ عیسائی یورپ دور وحشت سے نکلنے مین اپنے دشمنانِ دین کا رہین منت ہے، مگر یہ واقعہ کتنا ہی ناخوشگوار کیون نہ ہو، بہرحال حقیقت ہے کہ ساری دنیا پر اسلامی تہذیب کا اثر پڑا، اور یہ تاثیر نہ صرف عربون کے طفیل مین تکمیل کو پہنچی بلکہ اس مین ان تمام قومون کی کوششین شریک تھین جو دائرۂ اسلام مین داخل ہوئین، اور ان کے علمی اثر سے وہ بربری قبائل بھی مہذب بن گئے جنھون نے رومن امپائر کا خاتمہ کیا تھا، اور عربون نے اپنے عقلی اثر سے یورپ پر ان علوم ومعارف کے دروازے کھول دیے جن سے وہ ناواقف تھا، اس طرح عرب چھ صدیون تک تہذیب وتمدن مین ہمارے استاد رہے"۔

اس فصل کے خاتمہ مین لیبان لکھتا ہے کہ "جب کسی انسان مین موروثی وتمدنی اوہام راسخ ہوجاتے ہین تو وہ علم ونظر کی وسعت کے باوجود مسائل کے اسرار سمجھنے مین اندھا ہوجاتا ہے، اور اس مین دو طرح کے بغض جمع ہوجاتے ہین، ایک ماضی کے آفریدہ پرانے آدمی کا بغض، دوسرے ذاتی تجربہ ومشاہدہ رکھنے والے انسان کی عداوت، اور یہ بغض وعداوت، افکار وخیالات کی ایسی تعبیر کرتی ہے جو تناقض وتضاد کا عجیب وغریب نمونہ

ہوتی ہے، اس کی مثال رینان جیسے فاضل اور صاحب تصنیف کا وہ خطبہ ہے جو اس نے سار بن یونیورسٹی میں اسلام پر دیا تھا، اس میں اس نے علم و تمدن سے عربون کا عجز ثابت کرنے کی کوشش میں اپنے تمام اوہام اور مفروضات صرف کر دیے ہیں، مثلاً پہلے وہ کہتا ہے کہ "چھ صدیون تک علم کی ترقی عربون کے طفیل میں ہوئی" پھر یہ بھی کہتا ہے کہ "اسلام میں پوری طرح تعصب کا ظہور اس وقت ہوا جب عربون کی جانشین بربر اور ترک جیسی پست اور گری ہوئی قومیں ہوئیں"، اس کے بعد لکھتا ہے کہ "اسلام ہمیشہ علم و فلسفہ کو پامال کرتا رہا، اور مفتوحہ ملکون کی عقلیں سلب کر لیں"، مگر رینان جیسا ذہین اور محقق ایسی رائے پر مستقل قائم نہیں رہ سکتا تھا، جو ظاہری تاریخ کے بالکل خلاف ہو، اس لیے جب اس کے اوہام دور ہو جاتے ہیں، دنیا اس کو پوری طرح نظر آنے لگتی ہے اور اسکی نگاہ اندلس کی ان علمی ترقیون پر پڑتی ہے جو مسلمانون کے زیر سایہ ان کے عہد حکومت میں ہوئیں تو وہ قرونِ وسطیٰ میں عربون کے اثر کے اعتراف پر مجبور ہو جاتا ہے، مگر افسوس یہ ہے کہ جب وہ غیر شعوری طور پر اوہام کا شکار ہو جاتا ہے تو بڑے پر زور طریقہ سے کہتا ہے کہ "عرب علماء نسلاً عرب نہیں بلکہ وہ سمرقند، قرطبہ اور اشبیلیہ وغیرہ کی قومون کا مجموعہ تھے"، مگر جو کارنامے عربون کے اصول و طریقون کے بدولت ظہور پذیر ہوئے ان سے اختلاف آسان نہیں ہے، کیا علمائے فرانس کے کارنامون کا محض اس لیے انکار کیا جا سکتا ہے کہ ان کی تکمیل نارمن اور سلیٹی وغیرہ مختلف قومون کے علما کے ہاتھون ہوئی، جو فرانسیسیون میں خلط ملط ہو کر فرانسیسی بن گئے تھے، کبھی کبھی یہ مصنف عربون کی مدت پر خلافِ عادت مناسبت بھی ہوتا ہے، اور جدید و قدیم انسان کی اس کشمکش (یعنی رینان کے متضاد خیالات) کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ اپنے مسلمان نہ ہونے پر ان الفاظ میں افسوس

ظاہر کرتا ہے کہ "جب بھی مین کسی مسجد مین داخل ہوتا ہون تو مجھ پر خضوع وخشوع طاری ہو جاتا ہے، اور مجھکو اس کا افسوس ہوتا ہے کہ مین مسلمان کیون نہ ہوا"

تاریخ کی تنقید اور اسکی وحدت | لیبان نے اپنی آخری تصنیف "فلسفہ تاریخ کی علمی بنیادین" مین ایک باب تاریخی تنقید پر لکھا ہے اسمین لکھتا ہو کہ "گذشتہ ابواب مین ہم نے ان شکوک وشبہات پر بحث کی ہے جو عموماً تاریخی واقعات حتی کہ مشہور واقعات تک کو پیش آتے ہین، اس لیے ان کے بارہ مین فیصلہ کرنے مین قومی، مذہبی اور سیاسی ان تمام اثرات سے خالی ہونا چاہیے جو کسی معاملہ کے فیصلہ پر اثر انداز ہوتے ہین، اسی لیے مختلف ملکون کے بارہ مین جو کتابین لکھی گئی ہین، ان مین متضاد رائین پائی جاتی ہین، اور اس کے باوجود کہ موخین یہ سمجھتے ہین کہ وہ مذہبی اوہام کے اثر سے آزاد ہو گئے ہین، ان پر انکی حکومت اسی طرح قائم ہے، اور یہ اوہام اکثر مصنفین کو اسلامی تمدن کی فضیلت کے بارہ مین ایسی راے قائم کرنے پر مجبور کرتے ہین، جو راہ صواب سے بہت دور ہوتی ہے، چنانچہ دنیاے اسلام پر حملون کی پرانی تشنہ آجتک اسی طرح قائم ہے، اس لیے قرون وسطیٰ کی تاریخ کے ان تمام اجزاء پر دوبارہ نظر ڈالنا ضروری ہے، جن کا تعلق قدیم تمدن کے دور جدید مین منتقل ہونے کی تاریخ سے ہے،

اس انتہائی منصفانہ اور دانشمندانہ رائے کے بعد اور کسی راے کیجانب توجہ کرنے کی ضرورت باقی نہین رہتی، درحقیقت آج تک یورپین مصنفین جب بھی اسلام کا ذکر کرتے ہین تو اس رنگ مین اس کو پیش کرتے ہین جس سے اس کا درجہ گھٹے اور جب وہ عربی تمدن کیجانب اشارہ کرنے پر مجبور ہوتے ہین تو زبان حال سے اس کو جابر کا[1] علم قرار دیتے ہین جسکو پڑھکر

---

[1] اس سے مراد ایسے مجذوب صوفی کی بڑ ہے جس مین تضاد وتناقض اور رطب ویابس اور سنجیدہ و خرافات ہر قسم کی باتین پائی جاتی ہون۔

آدمی خوش ہوتا ہے، مگر جب اس کو آزماتا ہے تو متاسف ہوتا ہے، نہ اس کے علم سے کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہوا ور نہ لاعلمی سے نقصان پہنچتا ہے، مالکس فورڈ لکھتا ہے کہ "ہماری نگاہ مین بعض لوگون کا درجہ ان کے بارہ مین محض مصنفون کی تحریرون سے بلند ہو جاتا ہی" اور بہت سے لوگ ادنی درجہ کے سیاحون سے اسی طرح متاثر ہوتے ہین جس طرح بڑے بڑے فاتحین اور مصلحین سے ایسے بہت سے لوگ جن کا درجہ ان کی قوم کی نگاہ مین بہت بلند ہے مگر دوسری قومون مین وہ بالکل ناقابل ذکر سمجھے جاتے ہین، انسانی انقلاب مین بعض زلزلون اور آتش زدگیون کو لڑائیون سے زیادہ دخل رہا ہے، اس کے باوجود مورخین نے لڑائیون کے واقعات کو تو مبالغہ سے بیان کیا ہے، مگر زلزلون اور آتش زدگیون کا ذکر معمولی طریقہ سے کر دیا ہے"،

جیسا کہ تاریخ کی کانگریس کے صدر نے لندن مین کہا ہے کہ "آج بہترین کام دنیا کی تاریخ مین وحدت پیدا کرنا اور ان تمام چیزون مین کمی کرنا ہے جن سے قومون مین بغض وکینہ پیدا ہوتا ہے، اور اب سے چند سال پیشتر اٹلی کے ایک بڑے عالم نے روم مین اس پر عمل کرنے کی تاکید کی ہے، اور یورپ کے عقلاء ومفکرین کی ایک جماعت نے ان تمام چیزون کو ترک کر دیا ہے جن سے بغض وکینہ کے جذبات ابھرتے ہین، باہم بدگمانی پیدا ہوتی ہے، اور الفت ومحبت کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے، ایسی سوسائٹی مشرق ومغرب کے حقیقی تعاون ہی سے وجود مین آسکتی ہے، جس کی بنیاد ایک دوسرے کے احترام، مصلحت کے اشتراک اور ناقابلِ تقسیم عدل وانصاف پر ہو، آج انسانیت کا مقصد ان مخالفتون اور مناقشون سے بہت بلند ہے، جو گذشتہ صدیون مین مسلسل پیدا ہوتے رہے اور ابتک قائم ہین، اور جنھون نے لوگون مین عداوت پیدا کی، اب اس زمانہ مین اس کا موقع ہی

نہین رہ گیا ہے جس مین لوگ ایسے کامون مین مشغول ہوسکین جو دور وحشت وجہالت مین تو جائز ہوسکتے تھے، مگر آج ان کی کوئی گنجایش نہین ہے، اور اب جبکہ انسانون کے تعلقات کے وسائل اور ان کے افکار وخیالات مین بڑی قربت پیدا ہوگئی ہے، ان مین باہمی تعارف، لطف ومدارات اور ایک دوسرے کے ساتھ عدل وانصاف کی بڑی ضرورت ہے تاکہ امن وسلامتی کی بنیاد پر دنیا کا نظام قائم ہوسکے،

پہلا باب

ناقدون اور نکتہ چینون کے مقاصد

امریکن مورخ کی تنقید اور مذہبی خونریزیون پر گفتگو

تقریباً دو صدیوں سے اہل یورپ اسلام پر مختلف مقاصد کے تحت مختلف طریقوں اور پہلوؤں سے اعتراضات کرتے ہیں، ان میں سے بعض کا ذہن اتنا صاف اور ہوائے نفس سے خالی نہیں ہے کہ وہ عیب بینی اور مخفی اثرات سے پاک ہو کر عرب اور ان کے تمدن کے بارہ میں صحیح رائے قائم کر سکیں، تاہم فی الجملہ وہ تنقید کرنے میں مخلص ہیں، بعض کو علم و تحقیق کا وہ درجہ حاصل نہیں ہے جس سے وہ چیزون کو انصاف کے ترازو میں تول سکیں، وہ اپنے نزدیک ایک بات کو صحیح سمجھکر کہہ دیتے ہیں جس کو سچائی سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا، بعض لوگ جن کی بصیرت اور ظاہری بینائی دونون کو مذہبی تعصب نے اندھا کر دیا ہے، یہ باطل کو پیمانہ بناتے ہیں، حق و باطل میں امتیاز نہیں کرتے، اور علم و تحقیق کے پردہ میں بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں، ایسے لوگ کیسی ہی قسمیں کھا کر اپنے اخلاص اور بے لوثی کا یقین دلائیں، ہرگز لائقِ اعتبار نہیں، یہ لوگ صحیح تاریخ اور علم و تحقیق پر ظلم کرتے ہیں، اور انھوں نے جہالت اور عداوت کو اپنا شعار بنا لیا ہے، تاہم ان میں سے جو لوگ ان دشوار گذار راہوں میں پڑے ہیں ان میں سے جو جس درجہ کا نظر آئے اس کو وہ درجہ دیا جا سکتا ہے،

جو مصنفین محض اٹکل سے باتیں کہہ دیتے ہیں، ان کو اس سے غرض نہیں ہوتی کہ وہ صحیح ہیں یا

یا غلط۔ ان میں سے واشنگٹن یونیورسٹی کے استاد گوئن کے یہ خرافات بھی ہیں[۱] کہ "اسلامی شریعت جسکے دو سو بتیس ملین[۲] انسان متبع ہیں اور اس کو مقدس سمجھتے ہیں، وہ اپنے اندر ایسے اجتماعی شر و فساد رکھتی ہیں جن سے انسانیت چیخ اٹھی ہے، اس کے باوجود شریعت نے ان کو مذہب کے نام سے مقدس بنا دیا ہے،

یہ ایک ایسے شخص کا دعویٰ ہے جس نے عمر بھر کسی مسلمان کی صورت نہیں دیکھی اور نہ مسلمانوں کی کوئی مستند کتاب اس کی نظر سے گذری، اس نے جان بوجھ کر کسی خاص جذبہ و مقصد کے تحت یہ خیالات ظاہر کیے ہیں یا اس کا مقصد محض اعجوبہ نگاری ہے، کیوں نہ ہو امریکہ عجائبات کا گہوارہ ہے، لطف یہ ہے کہ اتنی بڑی بات اس طرح کہہ دی گویا بالکل بدیہی ہے، جس کی شرح و تفصیل کی بھی ضرورت نہیں، اگر مصنف میں انصاف ہوتا، تو اس کو چاہیے تھا کہ وہ اس شر و فساد کی جس سے اس نے اسلامی شریعت کو متہم کیا ہے، اور جس سے اس کے بقول انسانیت چیخ اٹھی ہے، تفصیل بھی بیان کر دیتا، امریکہ کے سفید فام وہاں کے جبشیوں کے ساتھ جو سلوک کرتے ہیں ان سے انسانیت نہیں چیخ اٹھی ہے، الفرڈ فوئلے کا بیان ہے کہ

صوبہ جات متحدہ امریکہ میں ایسے واقعات ہوتے ہیں جو اہل امریکہ کے لیے کسی طرح لائق فخر نہیں کہے جاسکتے، وہاں کے جبشی سفید فام عورتوں سے بڑی محبت کرتے ہیں، یہانتک کہ ان سے جبریہ خواہش پوری کرنے میں بھی انکو باک نہیں ہوتا ایسے مجرموں کے لیے لنچ کا قانون ہے یعنی ان پر تارکول مل کر ان کو موم کی بتی کی طرح جلا دیا جائے اور حکومت مقام جرم کے جبشیوں کو مجبور کرتی ہے کہ وہ بھی اپنے ہم جنس کے جلنے کا تماشا دیکھیں[۳]

[۱] Herbert. H. Gowen: Histoire de l' Asie

[۲] یہ اعداد صحیح نہیں ہیں مسلمانوں کی مجموعی تعداد چالیس کروڑ سے بھی زیادہ ہے (م)

[۳] Alfred Fouillee Temperament et Caractere

انسانیت ان مذہبی لڑائیوں سے نہیں چھٹی ہے، جن میں نویں صدی کے وسط میں تنہا ملکہ تھیوڈورا نے ایک لاکھ جرمنوں کو ہلاک کرادیا، رومن کیتھلک نے ایک لاکھ پروٹسٹنٹ کو سینٹ بارتھلمیو کی بھینٹ چڑھادیا[1]، انسانیت اندلس کے محکمہ احتساب و تفتیش دینی سے گویا خوش تھی جس میں رینانخ کے بیان کے مطابق کم سے کم ایک لاکھ انسان قتل کیے گئے[2]، انسانیت ان بڑی بڑی قتل گاہوں سے خوش تھی، جو یورپ میں پاپائیت کی خواہشات کی تکمیل اور ملحدوں کے قتل کے لیے قائم کی گئی تھیں، جنھوں نے پورے پورے ملک ویران کر دیے، پوپ انوسینٹ سوم کی جنگ نے ۱۲۰۸ء میں پورا جنوبی فرانس ویران کر دیا[3]، اور اس کے بہت سے شہر کو کسون اور نبرہ وغیرہ تباہ کر دیے، رومن کیتھلک نے انتہا پسند پروٹسٹنٹ کی جنگ میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار پروٹسٹنٹ قتل کیے، پاپائے اعظم نے ۸۸۰۰ آدمیوں کو آگ میں جلانے اور ۹۶۵۰۰ کو دوسری سزائیں دینے کا حکم دیا تھا، ٹورکماڈا ڈومنیکی اسپینی (۱۴۲۰ تا ۱۴۹۸ء) نے اس کی تعمیل میں چھ ہزار انسانوں کو زندہ آگ میں جلادیا، اور اس کار خیر کے صلہ میں پاپائے مقدس سے کارڈینال کے منصب کا طالب ہوا، حکومت کی جانب سے اس کی حفاظت کے لیے پچاس سوار اور دوسو پیادہ فوج مقرر تھی، مذہبی عقائد کے پاسبانوں کی نگاہ میں انسانی جان کی کوئی قیمت ہی نہیں رہ گئی تھی، وہ سنگدلی اور شقاوت کو کار ثواب سمجھتے تھے، اور مومن صادق وہی سمجھا جاتا تھا جس کی آتش غضب اس دین کی حمایت میں کبھی ٹھنڈی نہ ہو، جس کو وہ اپنے تخیل میں اصلی مذہب سمجھتا تھا، اگر فرانس کا انقلاب عظیم ان خونخواریوں کو جو صدیوں مذہب کے غلط نام سے جاری رہیں خاتمہ نہ کر دیتا تو یورپ میں مذہبی طبقہ کی حکومت اب تک قائم رہتی، اور تمدن کی ترقی اس سے بھی زیادہ سست

---

[1] Jules Simon: Liberté de Conscience

[2] Reinach: Histoire des religions

[3] حیاۃ الحقائق لیبان

پڑ جاتی جتنی ارباب کلیسا، امراء اور جاگیرداروں اور بادشاہوں کے کرتوت سے ست پڑگئی تھی

رینان اور جانو کی تردید | اسلام کے بعض ناقدین وہ ہیں جو ایک واقعہ سے عام حکم لگا دیتے ہیں، جو صحیح نہیں ہے، ان ناقدین کو اگر زمانہ موقع دیتا تو وہ اپنے خیالات سے خود رجوع کر لیتے اور انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، اس کو مٹا دیتے، مثلاً گذشتہ صدی میں جب رینان جزیرہ اردا ڈ گیا تو وہاں کے بعض باشندے اس کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئے، اس سے متاثر ہو کر اس نے اس جزیرے کے باشندوں کے ساتھ، پورے اہل شام بلکہ سارے مسلمانوں کی ہجو کر ڈالی کہ "شامیوں کی بداخلاقی کا سبب ان کے غلط افکار و تصورات ہیں اور اسکے ساتھ اروادیوں کی مخالفت کا سبب علم سے وہ بغض و عداوت ہے جو ہر مسلمان کے دل میں جاگزیں ہے"۔ ایک دوسرے موقع پر لکھتا ہے کہ "دنیائے اسلام کا امتیازی وصف مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ علمی بحث و نظریے کا بیچ ہے اور کفر کی جانب لیجاتی ہے"، اس مصنف نے ایک چھوٹے سے جزیرہ کے ادنیٰ درجہ کے ماہی گیروں کی پستی کو دیکھکر، عام مسلمانوں پر یہ حکم لگا دیا کہ ہر مسلمان فطرۃً علم و بحث کا دشمن ہے، جو کسی حیثیت سے بھی صحیح اور جس کو عقل و منطق سے کوئی علاقہ نہیں، اگر آج وہ اسلامی ملکوں کو دیکھتا تو اسکی یہ رائے بدل جاتی، اور اس کو نظر آتا کہ عام مسلمانوں کی بڑی تعداد اندھے تعصب سے کتنی آزاد اور علم کی مختلف شاخوں اور اصناف کی جانب کتنی مائل ہے،

اسی قسم کا مغالطہ ایک مشہور عالم اثریات ڈاکٹر موجانو کو بھی ہوا، جس نے لکھا ہے کہ "عربی تمدن محض ایک پر فریب لفظ ہے، عربی فتوحات کی پیدا کردہ بربادیوں کے علاوہ اس کا کوئی وجود نہیں، جس کے ہاتھوں یونان و روما کی آخری روشنی بھی گل ہو گئی، اسکے باوجود وہ محترم سمجھا جاتا ہے، اور وہ اسلام ہے"۔ گو مصنف علم الآثار کا بڑا ممتاز اور بلند پایہ

عالم ہے، لیکن اس کا یہ بیان نہایت لغو اور تاریخی حقائق سے اس کی جہالت کا پردہ فاش کرتا ہے، غالباً اس پر یہ بات شاق گذری اور اس کو وہ برداشت نہیں کرسکا کہ یونان اور روما کے جو آثار مٹ رہے تھے، ان کو عربوں نے زندہ رکھا، اس لیے مصنف نے عربوں کا جو تمدن کی خدمت میں برابر کے شریک تھے، پورا حق چھین لیا، اور ان کو تخریب میں فن لینڈ والوں کے برابر کردیا، لیکن یہ سب جذباتی باتیں ہیں، جن کو عقل و خرد سے علاقہ نہیں، مصنف نے فراموش کردیا کہ اس کے محبوب یونانی آثار، ارضی و سماوی عوامل و آفات سے برباد ہوئے ان کی بربادی کا سبب جیسا کہ دینی تعصب کا صور پھونکنے والوں کا خیال ہے، اسلام نہیں ہے، وہ اسی کو بار بار دہراتے رہتے ہیں کہ بابل، آشوریہ، ایشیائے کوچک، شام اور فینیقیہ کے فن تعمیر اور سنگ تراشی وغیرہ کے قیمتی آثار کی بربادی کا سبب اسلام ہے، اگر جالو زندہ ہوتا تو ہم اسی کے ایک ہم وطن مصنف کی اس تحریر کی جانب اس کو توجہ دلاتے کہ "فرنگی اب تک تمام بربادیوں کو جن کے آثار وہ ان ملکوں میں پاتے ہیں جن پر عرب حملہ آور ہوئے عربوں کی جانب منسوب کردیتے ہیں، حالانکہ ان تمام لڑائیوں میں جن میں وہ فتحیاب ہوئے ان کا طرز عمل نہایت لطف آمیز تھا، اس کا سبب وہ خوف و نفرت ہے جو ان کے دلوں میں عربوں کی جانب سے جاگزیں ہے، اس نفرت کا سبب یہ ہے کہ عربوں کے چہرے آفتاب کی تمازت سے تپے ہوئے اور ان کی آنکھیں خوفناک تھیں، ان کے گھوڑے بڑے تیز رفتار اور ان کے لباس عجیب و غریب تھے، ان کو تلوار کی میان تک میسر نہ تھے، ان کی زبان ان ممالک کے باشندوں سے مختلف تھی جس کے ذریعہ وہ ان عیسائیوں میں جن کے دل اسقفوں کی تعلیمات سے بھرے ہوئے تھے، اپنے مذہب کی اشاعت کرتے تھے، یہ لوگ ہمیشہ ایسے الفاظ استعمال کرتے تھے جن سے الوہیت مسیح کے منکر عربوں کی

عداوت اور بغض ظاہر ہوتا تھا۔[ل]

درحقیقت اثریات کا ایک عالم عربوں اور اسلام کی تاریخ سمجھ بھی کیسے سکتا ہے۔ لیبان کا خیال ہے کہ "بڑے بڑے مصنفوں کو اس کے سمجھنے کی توفیق نہیں ہوئی، اور وہ برابر اس تمدن کا انکار کرتے رہے جسے مذہب نے پیدا کیا تھا" اگر یہ عالم اثریات تاریخ سے واقف ہوتا تو اس سے یہ سوال ہو سکتا تھا کہ وہ ان برائیوں کو بتائے جن کے عرب اپنی فتوحات میں مرتکب ہوئے، ان کی جانب جو بڑی سے بڑی برائی منسوب کی جاتی ہے وہ بھی موجودہ جنگی قانون کی رو سے جائز ہے لیکن رومن نے جو مصنف کے نزدیک متمدن حکومت کا مثالی نمونہ تھے، چند برسوں کے اندر جیسے انواع واقسام کے مظالم کیے اور مخلوق خدا کو جس طرح غلام بنایا ویسے مظالم عرب چار صدیوں کے اندر بھی اپنی وسیع اور عظیم الشان حکومت کے باوجود نہیں کر سکے۔

مغربی مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ اندلس میں گاتھوں کی فتوحات کے مقابلہ میں عربوں کی فتوحات رحمت تھیں، یورپ میں نصرانیت کی اشاعت کے لیے مذہبی لڑائیوں کی بربادیاں بت پرستی کے گناہ سے کسی طرح نہیں، وہاں دین کی حمایت و مدافعت کے لیے صدیوں فتنہ وفساد برپا رہا، یہ ساری خونریزیاں عربوں کی مزعومہ خونریزیوں سے کہیں بڑھکر تھیں، اس قسم کے علمائے آثار تو اینٹوں اور پتھروں کے پجاری ہو جاتے ہیں، ان کے نزدیک کسی قوم میں کوئی خوبی پیدا نہیں ہو سکتی جب تک وہ پہاڑوں اور ٹیلوں کا انبار نہ تعمیر کرے، خواہ اس کے ذرائع کیسے ہی ہوں، مثلاً اگر معبد، قلعے، نہانے کے حوض، محراب سڑک، اسٹیج یا کھیل کے میدان، یا حماموں کے تعمیر میں ہزاروں آدمی کام آجائیں تو ان کو اس کی کوئی پروا نہیں۔

[ل] Sedillot: Histoire Generale des Arabes

عربوں کے آثار قدیمہ کی کمی کا سبب | رومن نے سات صدیوں تک شام میں حکومت کی اور وہاں سے نکل بھی گئے، لیکن بعلبک کے ہیکل آفتاب کی ایک عمارت کو بھی وہ تکمیل نہ کر سکے، حالانکہ بے شمار مخلوق انھوں نے اس کی تعمیر میں لگا دی تھی، اسلامی شریعت میں سنگتراشی (مراد بت تراشی) ممنوع ہے، اور عمارتیں زیادہ تر سلاطین و خلفاء اور امراء اور اصحابِ خیر نے تعمیر کیں، اس لیے ان کے زمانہ میں اجتماعی کاموں کے بجائے انفرادی کام زیادہ انجام پائے، اور دنیا کی ہر قوم اپنے حالات و اسباب کی پابند ہوتی ہے، جس کے قیود سے وہ نہیں چھوٹ سکتی، اور کوئی جماعت اپنے قوانین کے دائرہ سے نہیں نکل سکتی، وہ اپنی عادتوں کی پروردہ اور اس کی روح اور فطرت کی پابند ہوتی ہے، اس لیے مسلمان کس طرح اپنی مذہبی تعلیم کو چھوڑ سکتے تھے، ابن خلدون[1] لکھتا ہے کہ بڑی بڑی عظیم الشان عمارتیں کو تنہا ایک حکومت نہیں بناتی، اور عربوں کی حکومت کا زمانہ قبطیوں کے آماد، نبطیوں، روم اور عرب اولیٰ عاد و ثمود اور عمالقہ اور تبابعہ کی حکومت کے جیسا طویل نہیں تھا اسی لیے وہ اہرام مصر، سد مارب اور ایوان کسریٰ کی جیسی عظیم الشان عمارتیں نہ بنا سکے، جو ان کے بادشاہوں کی یاد ہمیشہ قائم رکھتیں، اور جن سے صناعی میں ان کے تفنن کا پتہ چلتا[2]، اس لیے مسلمانوں کو دوسری قوموں کی بنائی ہوئی جو عمارتیں ملیں ان پر اکتفا کیا اور جن عمارتوں کی ضرورت ان کو محسوس ہوئی اس کو شرعی حدود کے اندر رہ کر تعمیر کیا، اس کے باوجود انھوں نے تھوڑی مدت میں ایسی ایسی نادر عمارتیں بنائیں جن کی ندرت وجدت اول نظر میں معلوم ہو جاتی

---

[1] مقدمہ ابن خلدون [2] غالباً اس سے مراد رومن کی جیسی دیوہیکل عمارتیں اور اس کی صناعیاں ہیں، ورنہ مطلق تعمیری کمالات اور ان کی صناعیوں سے تو کوئی اسلامی ملک خالی نہیں ہے، اندلس کے محلات الحمراء اور الزہراء کی صناعیاں تو پرانی باتیں ہیں خود ہندوستان کی اسلامی عمارتیں ان کے تعمیری کمالات کی شاہد ہیں، (مترجم)

ہیں اور ان سے پہلے ایسے نمونے نظر نہیں آتے، اسی سلسلہ میں یہ پہلو بھی قابل لحاظ ہے کہ عربوں کی بعض عمارتیں ٹھوس پتھروں کی نہیں ہیں، بلکہ بیشتر میں اینٹ، لکڑی اور مٹی استعمال کی گئی ہے، اسلیے ان پر پتھر کی عمارتوں کے مقابلہ میں طبعی عوامل کا اثر زیادہ ظاہر ہوا، سکریٹن کا بیان ہے کہ جب سے اہل مغرب نے عمارتوں کی تعمیر میں لکڑی کے بجائے پتھر کا استعمال شروع کیا، اس وقت سے ان کے شہروں اور عمارتوں کا طرز ہی بدل گیا، اور مشرقی ملک زلزلوں کے خوف سے پتھر کی تعمیرات میں پیچھے رہ گئے، [1]

اس سے کسی کو انکار نہیں کہ دوسری قوموں کے مقابلہ میں رومن ایسی عجیب وغریب عمارتوں کے بنانے میں ممتاز اور منفرد تھے، جن پر کلرموٹن، جاموتی اور رومن کے مجد و شرف کی وارث یورپین قومیں فریفتہ ہیں، لیکن اس سے اس کا انکار لازم نہیں آتا کہ رومن بھی یونانیوں کی طرح اپنے دشمنوں کے ساتھ ہر وحشت و درندگی جائز سمجھتے تھے [2]، اور غیر مسلح آدمیوں کے قتل کرنے، جنگی قیدیوں کو غلام کی طرح بیچنے، شہروں کو لوٹنے اور دیہاتوں کو جلانے میں ان کو باک نہیں تھا، جس کے مرتکب تاتاری اور شمال کے بربر بھی نہیں ہوئے، یونان و روما کی عمارتوں اور ان کی بت تراشی کے نمونوں کو دیکھکر ان کے عدل و انصاف کا راگ الاپنے والے حق و باطل ہر طریقے اور ہر حیثیت سے ان کی عظمت و برتری ثابت کرنا چاہتے ہیں، حتیٰ کہ ان کے جور و ستم کی بھی تاویل کرتے ہیں، اور ان کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ وہ انسانیت کا اعلیٰ مثالی نمونہ تھے، اور ان سے کبھی کوئی چھوٹا گناہ بھی سرزد نہیں ہوا، ورنہ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو دنیا کی کوئی قوم بھی اچھائیوں اور برائیوں سے خالی

---

[1] Henri Secretan: La Population et les moeurs

[2] Bluntschli: La Politique

نہیں ہے، اس میں نئی پرانی اور چھوٹی بڑی تمام قومیں برابر ہیں۔

کتب خانہ اسکندریہ جلانے کی تہمت

ایک مدت دراز سے متعصب گروہ کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کی تہمت عمر بن الخطاب پر رکھتا چلا آتا ہے، حالانکہ خود ان کے علماء پر بھی یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اسکندریہ کا کتب خانہ اسلام سے صدیوں پہلے جل چکا تھا[1] لیکن اس بارہ میں حق ظاہر ہو جانے اور اس کی عام شہرت کے بعد بھی کچھ لوگ اس خیال سے کہ اس تہمت تراشی سے خلیفہ ثانی کا درجہ گھٹتا ہے، ہر موقع پر اس کو دہراتے رہتے ہیں کہ اس سے خلیفہ کی جہالت، ان کا جمود، افکار کی درشتی اور گذشتہ قوموں کے علوم سے اخذ و استفادہ سے انکار ثابت ہوتا ہے۔

اسکندریہ کا کتب خانہ قیصر تھیوڈوسیوس اور یوسٹنیانوس کے حکم سے ایک مرتبہ سے زیادہ جلایا گیا، آخری بار ہجرت نبوی سے دو سو برس پہلے جلا تھا، گبن تاریخ زوال روما میں لکھتا ہے کہ "مسلمانوں پر یہ تہمت ابو الفرج بن عبری نے اسلام کے چھ سو برس بعد تاریخ مختصر الدول میں تراشی ہے، اس سے پہلے کسی مورخ نے اس کا ذکر نہیں کیا تھا، حتی کہ اسکندریہ کے بطریق افتیکیوس بھی جس نے مصر پر مسلمانوں کے قبضہ کے تفصیلی حالات لکھے ہیں عمرو بن العاص کے کتب خانہ جلانے کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں تحریر کیا، ارنج، کرسٹن اور فیلین وغیرہ کا بیان ہے کہ" اس بارہ میں اسلام اور مسلمانوں کی برائیوں کی جو تشہیر کیجاتی ہے اس کا مختصر الدول کے لاطینی ترجمہ سے پہلے کوئی وجود نہیں تھا، اس زمانہ سے اہل مغرب نے مسلمانوں سے بغض رکھنا اور ان کی تحقیر شروع کی،

علماے فرانس میں جن علماء نے اس روایت کی تردید کی ہے ان میں آرنسٹ اور دلیوسیم ہیں، رینان ایک خطبہ میں جو اس نے فرانس کی علمی اکیڈمی میں دیا تھا، کہتا ہے کہ

[1] رسالۃ المقتبس م ا و ۲ میں اس پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے، معارف۔ علامہ شبلی مرحوم نے بھی اسکی مفصل تردید کی ہے،

"گو علم اور مذہب اسلام ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے، اس کے باوجود اس کو اس کا یقین نہیں کہ عمرؓ نے کتب خانہ اسکندریہ جلایا تھا، وہ اس سے مدتوں پہلے جل چکا تھا۔" البر سیم نے ۱۴ اگست ۱۹۰۳ء میں ایک خط میں تحریر کیا تھا کہ "ایک عرصہ تک عمرؓ اور کتب خانہ اسکندریہ کے بارہ میں ایک تاریخی وہم بہ شدت سے قائم رہا لیکن اب وہ ختم ہو رہا ہے اور مجھے اس کی تحقیق کا موقع ملا ہے اور میں اس وہم کا مقابلہ کر رہا ہوں اور دلائل سے ثابت کروں گا کہ میرا ہی خیال حقیقت ہے۔" اس کے علاوہ اپنی کتاب (de. Livre) میں لکھتا ہے کہ "کتب خانہ اسکندریہ کو جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس میں سات لاکھ کتابیں تھیں، نہ خلیفہ عمرؓ نے اس کو جلایا اور نہ ان کے حکم سے جلایا گیا، جیسا کہ بعض کتابوں میں ہے، یہ دعویٰ تاریخ کی بڑی غلطیوں میں سے ہے، عربوں کے اسکندریہ فتح کرنے کے زمانہ ۶۴۰ء میں اس کتب خانہ کا کوئی نشان ہی باقی نہیں رہ گیا تھا، اور بطلیموس ہی کے زمانہ میں اس کتب خانہ کی حالت ابتر ہو گئی تھی، اور وہ دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا، اور دو علیحدہ علیحدہ دو جگہوں میں تھے، ایک حصہ ۴۸ سال قبل مسیح قیصر جولیس کے اسکندریہ پر قبضہ کے وقت قضا و قدر سے جل گیا، دوسرا حصہ جو سیرا پیس کے معبد میں تھا، وہ اس واقعہ کے چار سو برس بعد تھیوڈسیوس کے حکم پر کہ بت پرستی کے سارے معبد مسمار کر دیے جائیں، سراپیس کے معبد کے ساتھ اسقف تیوفیل کے ہاتھوں برباد ہوا۔

فوٹ[1] اور اہلو پلیر اپنی کتاب "اہل مغرب کے جرائم" میں لکھتے ہیں کہ "تیوفیل ہی نے اسکندریہ کا کتب خانہ جلایا تھا مسلمانوں نے نہیں، مذہب اسلام کتابوں کے جلانے کی اجازت نہیں دیتا۔" مسٹر گ اپنی کتاب "جھوٹے دعاوی" میں تحریر کرتا ہے کہ "فرنگی وہ ہیں جنھوں نے

[1] رسالہ نبراس مباحث علم تنز

اسکندریہ کا کتب خانہ جلایا، اور مسلمان وہ ہیں جنھوں نے یورپ میں علم کی اشاعت کی"۔ استیفونس اپنی کتاب "التفکر والادیان" میں لکھتا ہے کہ "جاہلوں کے ہاتھوں اسکندریہ کا کتب خانہ جلایا گیا، یہ بڑا اہم کتب خانہ تھا، اس کے ضائع ہونے سے علم کمزور پڑ گیا، اور یورپ جہالت کی تاریکی میں بھٹکتا رہا، تاآنکہ مسلمانوں نے اپنے علم سے اس کو روشن کیا"۔

اٹالین مستشرق گریفن کا بیان ہے کہ "عمرو بن العاص کے اسکندریہ فتح کرنے کے بعد سے کامل چھ سو برس تک کسی مسلم اور غیر مسلم مورخ نے کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کی تہمت عمرو بن العاص پر نہیں رکھی، سیاست میں عمرو بن العاص کی نرمی اور رواداری کی شہرت سے بھی اسکی تردید ہوتی ہے، جس کی شہادت اس زمانہ کے مشہور عیسائی مورخین تک دیتے ہیں، مثلاً یوحنا نیو قوسی اپنی کتاب "تاریخ مصر" میں جو قدیم حبشی زبان میں ہے عمرو بن العاص کی نرمی کا مداح ہے"۔[1]

بونٹ موری کا بیان ہے کہ "اس غلطی کی اصلاح جس کی شہرت پورے قرون وسطی میں رہی ہمارا فرض ہے وہ یہ کہ عربوں نے خلیفہ عمرؓ کے حکم سے اسکندریہ کا کتب خانہ جلایا تھا، حالانکہ اس زمانہ میں عربوں کو یونان کے علوم و فنون سے جو شغف تھا، اس کے لحاظ سے وہ ایسا م کرہی نہیں سکتے تھے، یہ معلوم ہے کہ اس کتب خانہ کا ایک حصہ اسکندریہ والوں کی اس شورش کے دوران میں جس میں جولیس قیصر کا بحری بیڑا تباہ ہوا تھا، اور دوسرا حصہ عیسائیوں نے چھٹی صدی عیسوی میں جلا دیا، یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ عربوں نے اپنے قیام کے لیے فسطاط کا شہر الگ آباد کیا تھا، اور ممفس کو قبطیوں کے لیے چھوڑ دیا تھا، ان کے مذہب، رسم و رواج میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی، اور بطریق کے انتخاب، کنیسوں کی تعمیر اور ان کے انتظام میں ان کو بالکل آزاد چھوڑ دیا تھا، اور عمرو بن العاص نے ان کے پرانے رسوم میں صرف اس رسم

[1] رسالہ المجمع العلمی العربی م ۴

کو بند کیا تھا کہ وہ ہر سال دریائے نیل سے پانی حاصل کرنے کے لیئے ایک نوجوان لڑکی اس کی بھینٹ چڑھاتے تھے!![1]

گو بہت سے مصنفوں نے عمر بن الخطاب پر کتب خانہ اسکندریہ جلانے کی تہمت کی تردید کی ہے، پھر بھی اکابر اسلام کا درجہ گھٹانے کے لیے ایک جماعت اپنی رائے پر اڑی ہوئی ہے اور متعصب گروہ اس سے یہ فائدہ اٹھانا چاہتا ہے کہ وہ یہ ثابت کر سکے کہ مسلمان جس شخص پر فخر کرتے ہیں وہ کتنا پست درجہ کا انسان تھا، اس کے لیے وہ اس کتب خانہ کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ باقی رہتا تو دنیا کا رخ بدل جاتا، لیکن خود ان کی قوم نے اس قسم کے جو جرائم کیے ہیں، مثلاً کارڈنیال کسیمنس نے مسلمانوں کا غرناطہ کا کتب خانہ جلا دیا، جس میں خود انہی کے مورخین کے قول کے مطابق اسی ہزار کتابیں تھیں، اس کے علاوہ اسپین کے بہت سے کتب خانے جلائے گئے، اس داغ کو دھونے کے لیے یہ لوگ ان کتبخانوں کی اہمیت گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں، اسپین میں نصف صدی تک مسلمانوں کے ایک ایک نشان کو مٹانے کی کوشش کی گئی، اگر عربی کتابوں کے لاتینی اور عبرانی ترجمے باقی نہ رہ گئے ہوتے تو اس تمدن کا نشان ہی مٹ جاتا، جو آٹھ صدیوں تک اسپین میں چھایا رہا۔[2]

ہم نے بھی یورپ کے بعض نقادوں کی تحریریں پڑھی ہیں، جن میں انھوں نے چھٹی صدی کی ابتدا میں طرابلس پر صلیبیوں کے حملہ اور ان کے افعال شنیعہ اور صنجیل کے معرکہ میں دار العلم کی کتابوں کے جلانے کی مذمت کی ہے جس میں ایک لاکھ سے زیادہ کتابیں تھیں،

مسیحی اور اسلام و عیسائیت میں اتحاد کی دعوت | مسلمانوں کی تاریخ کا سب سے زیادہ مذاق اڑانے والے اور

---

[1] G. Bonet Maury: L'Islamisme et le christianisme en Afrique

[2] اسپین اور عرب آبادی کا باب ۔

تہذیب و تمدن مین عربون کے سب سے بڑے منکر عیسائی مبلغین ہین، انھون نے کھلی ہوئی حقیقتون
کی عیب گیری اور مذمت کو تبلیغ کا سب سے بڑا مقصد بنایا ہے، حتی کہ بدیہیات مین جھگڑتے ہیں
اور اپنی تحریرون مین طرح طرح کی افترا پردازی سے کام لیتے ہیں، اور تبلیغ کے لیے نئے پہلو
اور طریقے ایجاد کیے ہین، لطف یہ ہے کہ یہ پر فخر کارنامے انجام دینے والے ہمارے ہی ملک
کے ہین[۱] ان کے دل مین ان عادتون کے چھوڑنے کا کبھی خیال بھی نہین آتا، وہ اس کو بھول جاتے
ہین کہ ان کی حیثیت اس ملک مین نوآباد کی ہے، جہان ہمیشہ اسلامی حکومت کا غلبہ رہا،
اسکے باوجود اس ملک نے ان کی پذیرائی کی اور ان کے اصلی وطنون کی طرح جہان سے
وہ نکالے گئے، ان پر اپنی سرزمین تنگ نہین کی، اس کا بدلہ انھون نے یہ دیا کہ وہ اسلام کی
دشمنی مین اپنے دل کے پھپھولے پھوڑتے ہیں، اور دین اسلام، اس کے نبی اور اس کے
تمدن کی شان مین نہایت ناروا الفاظ استعمال کرتے ہین، اس گروہ کا سرخیل لامنس ہے،
اس نے اسلامی تاریخ کی مخالفت اور عربون کی تحقیر و مذمت کو اپنا شعار بنالیا ہے، اسکے
جرائم کی چند مثالین پیش کی جاتی ہین، ان سے علم و تحقیق پر اس کے ظلم کا اندازہ ہوگا، اسکی
خرافات نگاری کے سامنے بے حیائی کی نگاہین بھی نیچی ہو جاتی ہیں،

ان اہم کتابون میں جو جرمن، فرنچ اور انگریزی زبانون مین بار بار شائع ہو چکی ہے
ایک انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ہے، اس کو بڑے بڑے علمائے مشرقیات کی سند تصدیق حاصل
ہے، اس لیے وہ اسلام اور مسلمانون کے متعلق معلومات و مسائل پر بڑی جامع کتاب اور ہر طرح
کے نقص و عیب سے پاک علمی کارنامہ تصور کی جاتی ہے، لیکن دشمن اسلام لامنس کی باطل آمیزی
نے اس کے حسین چہرہ کو بھی داغدار بنادیا ہے، اور اس خیال سے کہ انسائیکلوپیڈیا بھی مذہبی

---

[۱] اس سے مراد شام کے عیسائی مبلغین ہین، "م"

پروپیگنڈے کا ذریعہ ہے، اور ایک مبلغ و داعی کے لیے خواہ اس کو اپنے فرض کی ادائیگی میں خیانت ہی کرنا پڑے، اس موقع سے فائدہ اٹھانے میں نہ چوکنا چاہیے۔ لامنس نے اپنے مقالات مین حقائق پر بڑا ظلم کیا ہے،

افسوس ہے کہ لامنس اور اس کی ہم مشرب جماعت، ان ضروری امور کا بھی لحاظ نہیں رکھتی جن کو علمی کام کرنے والون کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، اس نے علمی امانت کا فرض بالکل بھلادیا ہے، جب سے اس کی توجہ مشرق کی جانب ہوئی ہے، قرآن کی آیات مین تحریف کرتی ہے، اسلامی کتابون سے ان باتون کو بالکل نظرانداز کردیتی ہے جو اس کے گون کی نہین ہین، آیتون کو شعر سے خلط ملط کردیتی ہے، احادیث نبوی کو بھی عام انسانون کے کلام کی طرح سمجھتی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مین ایسے الفاظ کے استعمال سے پرہیز کرتی ہے جن سے اس کے خیال مین آپ کی عظمت بڑھتی ہو، یہ جماعت اپنے مقصد کے مطابق عمارت تعمیر کرنے کے لیے کسی طویل عبارت کا ایک فقرہ لے لیتی ہے، ضعیف روایتون کے نقل کردہ خرافات اور جھوٹ گڑھنے والوں اور افسانہ طرازون کی کتابون سے بھی اخذ و استفادہ مین ان کو تامل نہین ہوتا، اس کے ساتھ یہ دعویٰ بھی ہوتا ہے کہ ان کے خرافات معتبر اور مستند کتابون سے منقول ہین، ایسے لوگون کو بعض مستشرقین نے متنبہ بھی کیا اور ایسی کتابون کے ناشرین کو بھی مشورہ دیا کہ وہ عرب مصنفین کی اصل عبارتون مین تحریف نہ کریں، کیونکہ جو لوگ ان کے اصل خیالات سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ ان مختصرات کو پڑھنا پسند نہین کرتے، جو ناشرین کی رائے اور خیال کے مؤید ہوں اور جنکو توڑ مروڑ کر بیان کیا گیا ہو،

لامنس نے شام کی مختصر تاریخ لکھی ہے اور ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ مین اسلام اور مسلمانون کی ایک خوبی کا بھی ذکر نہین کیا ہے نہایت مضحکہ انگیز باتین لکھی ہین کہ عربون کی فتوحات

سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بزدل اور فوجی اوصاف میں کمزور تھے، لڑائیوں مین ان کے پیش نظر صرف مال غنیمت رہتا تھا، وہ جیسے رسول اللہ صلعم کے زمانہ مین معمولی درجہ کے جنگ آزما اور لوٹنے مین مستعد تھے ویسے ہی آج بھی ہین، خطرہ کے سامنے سے ہمیشہ ہٹ جاتے ہیں، انھون نے مفتوحہ ملکوں کا پرانا عدالتی اور شہری نظام کسی رواداری کی بنا پر ملک کے باشندوں کے ہاتھوں مین نہین رہنے دیا، اور نہ اس بنا پر ان کی زبان قائم رکھی، بلکہ اس کے سنبھالنے کی ان مین اہلیت ہی نہین تھی، عربون مین لوازم تمدن مین سے کسی چیز کی بھی صلاحیت نہیں تھی، اس کی فضیلت کا سہرا فارس، عراق، شام و مصر اور ان ملکون کے اصلی باشندون کے سر ہے جو عربون نے فتح کیے تھے، اور صلیبی لڑائیان شجاعت و بہادری کے عظیم الشان معرکے تھے اور ان میں صلیبیون کا نظم حیرت انگیز تھا؛

معلوم ہوتا ہے مصنف نے ان صلیبی مصنفین کے بیانات سے بھی آنکھین بند کرلی ہین جنھوں نے صلیبیون کے فسق و فجور، خبث اور چوری تک کا ذکر کیا ہے،

"اسی مصنف کا یہ دعوی بھی ہے کہ صلاح الدین کے جو محاسن بیان کیے جاتے ہین وہ درحقیقت اسکے عجز و درماندگی اور خوف کا نتیجہ تھے" یعنی بیت المقدس کے فتح کے دن صلیبیوں کا زندہ باقی رکھنا اس کی کمزوری کا نتیجہ تھا، اور اس نے بھی اپنے مفتوحون کے ساتھ وہی معاملہ کیوں نہیں کیا جو صلیبیون نے بیت المقدس پر قبضہ کے وقت مسلمانون کیساتھ کیا تھا، اور ان کو انتہائی شقاوت اور سنگدلی سے طرح طرح کی اذیتین دیکر ہلاک کیا"۔ اس مصنف نے صلاح الدین ایوبی کے دور حکومت کی بھی بڑی مذمت کی ہے کہ "اس میں کوئی رونق بھی نہین تھی، اور وہ بڑا لالچی تھا" حالانکہ تاریخ اس کی شاہد ہے کہ اس لالچی نے اتنی بڑی بڑی فتوحات اور مال غنیمت کے بعد بھی اپنے مرنے کے بعد کو کسی قسم کی املاک بھی جمع کر

اپنا گھر تک نہین چھوڑا، اور شام و مصر مین بہت سے مدرسے، خانقاہین، جامع مسجدین اور دوسری پبلک عمارتین بنوائین جن مین سے بعض ابتک موجود ہین، اور ان کو اپنی جانب منسوب کرنا بھی پسند نہین کیا، اور اپنے فوجی افسرون اور علماؤن کی جانب منسوب کیا، اور اس کے ارکانِ حکومت اپنی دولت اس خوف سے اس سے چھپاتے تھے کہ وہ ان کو ملکی ضروریات اور دوسرے کار خیر مین صرف کر دیگا۔

مصنف کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ "صلیبی لڑائیون میں یہودیوں کے ساتھ صلیبیون کا برتاؤ بہت اچھا تھا، اور ان کو وطنیت کے پورے حقوق و فوائد حاصل تھے"، حالانکہ ان غریبون پر صلیبیوں کی تلواریں برابر بے نیام رہین، اور ان کی دولت پر قبضہ جمانے کے لیے ان کو طرح طرح کی تکلیفین اور سزائین دیگئین، جس کا اعتراف گونڈ ریناخ سیڈیلیو اور ڈی کاسٹری وغیرہ مغربی مصنفین تک نے کیا ہے، ان کا بیان ہے کہ "صلیبی لڑائیون کے زمانہ مین عیسائی جس شہر مین بھی داخل ہوتے تھے، وہان کے مسلمان اور یہود دونون کو بے دریغ قتل کرتے تھے"۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہودی کے لیے جائے پناہ صرف اسلام تھا، جو یہود آج تک سرزمین مغرب مین باقی ہین وہ مسلمانون کی نرمی اور حسن سلوک کا نتیجہ ہے۔

اس گمراہ مصنف نے عربون اور اسلام کا درجہ گھٹانے کی بڑی کوشش کی ہے، اور ان کو ان کے شرف سے محروم کرنے مین اپنی پوری قوت صرف کردی ہے، اس نے کہا ہے کہ "عربون کی فوجی صلاحیت معمولی تھی، لیکن ان ہی معمولی عربون نے ایسے ایسے اور اتنے ملک فتح کیے جن سے بڑی بڑی بہادر اور بڑے ساز و سامان رکھنے والی قومین تک عاجز رہین، اس کا کہنا ہی کہ "عربون مین تمدن کے کسی جز کی بھی صلاحیت نہین تھی، حالانکہ تاریخ اس کی شاہد ہے کہ وہ دنیاے قدیم کے معلم تھے، اور انھون نے اس کو وہ چیزین دین جن سے وہ بالکل ناواقف تھی

اور ایسے ایسے مفید کام انجام دیے جن کا اعتراف اس مصنف کے علاوہ مسلمانون کے بڑے بڑے دشمنون تک کو ہے، لیکن اس کی نگاہ مین ان کی کوئی خوبی ہی نہین آتی، اس کے ایک ہم مذہب عالم دین نے اس کے بارہ مین خوب کہا ہے کہ "مشرقیات کے علم مین وہ جنگ صلیبی کے مشہور پٹیر راہب کی طرح ہے اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ صلیبی جوش و قوت کے ساتھ علمی حربہ سے اس طرح اسلام کو پچھاڑ دے کہ پھر وہ سنبھل نہ سکے"۔ ورنگم اپنی کتاب حیات محمد مین لکھتا ہے کہ "پادری لامنس کی بلند پایہ تصانیف کی خوبیون کو اس بات نے بدنما بنا دیا ہے کہ اس مین اسلام اور اس کے رسول کا ذکر نہایت ناپسندیدہ طریقہ سے کیا گیا ہے، اور تنقید کا نہایت مبالغہ آمیز طریقہ اختیار کیا گیا ہے، بعض مصنف محض نصرانیت کے عیوب سے چشم پوشی کی بنا پر اس قسم کا طریقہ اختیار کرتے ہین، ہم نے بھی اس متعصب مصنف کی عربی اور فرنچ تصانیف پڑھی ہین، اس نے کسی ایک مقام پر بھی عرب اور ان کے تمدن کے ساتھ انصاف نہین کیا ہے، اور ان کی ادنیٰ سے ادنیٰ خوبی کا بھی اقرار نہین کیا ہے، اگر وہ سوڈان کے حبشیون کے متعلق بھی کچھ لکھتا تو بھی اس کو شرم آتی اور ان کی کسی نہ کسی اچھی خصلت یا رسم کا ضرور تذکرہ کرتا"۔

لامنس ہی کے بھائی بندون مین لوئس بھی ہے، وہ بھی ساری عمر ایک ہی راگ الاپتا رہا، اور اپنی تمام تصانیف مین پوری قوت سے یہی ثابت کرنے کی کوشش کرتا رہا کہ اسلام سے پہلے اور اس کے بعد کسی زمانہ مین بھی تہذیب و تمدن مین عربون کا کوئی درجہ نہین رہا، وہان اگر کوئی تہذیب تھی بھی تو وہ عیسائی عربون کی کوششون کا نتیجہ تھی، اس موضوع پر اس نے لمبی چوڑی کتاب[۱] بھی لکھ ماری ہے، کہ اسلام سے پہلے کے اکثر عرب شعرا، عیسائی تھے، اور اس کے ثبوت مین اس نے جو دلائل دیے ہین وہ تار عنکبوت سے زیادہ وقعت نہین رکھتے، اسلام اور اسلامی

---

[۱] النصرانیۃ وآدابہا بین العرب الجاہلیۃ لوئیس شیخو

تمدن کا دشمن ایک اور گروہ بھی ہے، اس نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ بظاہر اسلام اور نصرانیت دونون پر چوٹ کرتا ہے، لیکن اس کا اصلی مقصد صرف اسلام کو گھٹانا ہوتا ہے، چند سال ہوئے جرمن عالم پروفیسر مارٹن ہورتمان نے ہمارے پاس لکھا تھا کہ اسلام اور نصرانیت دونون نے اس کی کوشش کی تھی[۱] کہ وہ دینی اساس پر ایک معاشرہ کی تعمیر کرین، تاکہ ان کے ماننے والے دوسرے تمام اہل مذاہب پر غالب آجائین لیکن اس مین ان کو ناکامی ہوئی" ان ہی خرافات کے سلسلہ مین لکھتا ہے کہ "چینی قوم پر اسلام کی برتری کا دعویٰ محض خیال خام ہے، اور اس کا نتیجہ مسلمانون کی تباہی کے سوا کچھ نہیں، اگر حالات کی مساعدت سے غیر متوقع طور پر چین مین مسلمانون کی آرزوئین عارضی طور سے پوری بھی ہوجائین تو اس سے چین کو بڑا نقصان پہنچے گا، اس لیے کہ اسلام تہذیب و تمدن کا مذہب نہیں ہے، وہ سب چیزون سے پہلے فرنگی تہذیب کا دشمن ہے، چینیون کی فلاح مغربی تہذیب اختیار کرنے مین ہے[۲]" ہورتمان نے بھی لامنس ہی کی طرح اسلام کے مقابلہ کے لیے اپنی زندگی وقف اور اپنے اشہب فکر کی لگام باطل خیالات اور دلی بغض و کینہ کے حوالہ کردی ہے،

عرب اور اسلام کے ناقدین کی یہ چند مثالین ہم نے اس لیے نقل کی ہین کہ انھون نے سیدھے سادھے لوگوں کے دلون مین مسلمانون کے خلاف دینی تعصب کا کوہ آتش فشان بھڑکا کر حقیقت کے چہرہ کو داغدار بنایا ہے، اور ان فرقون کے لوگون مین پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی ہے، جو صدیوں سے ایک ساتھ میل جول سے رہتے چلے آئے تھے، اور جن مین برادرانہ الفت و محبت قائم تھی، اور حاکم مذہب (اسلام) کی رواداری سے محکوم فرقے (عیسائی) آزادی کی نعمت سے پوری طرح تمتع تھے، یہ کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ

[۱] رسالہ المقتبس م ۳ [۲] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لفظ چین،

آج بھی جبکہ ہم جہالت کے زمانہ سے کس قدر دور علم کی دولت سے بہرہ ور اور تہذیب کے زیور سے آراستہ ہوتے جاتے ہین. جدید تہذیب مذہبی روح کو بھڑکا کر، ایک دوسرے کیساتھ نفرت پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے،

ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ دنیا کی تمام قومون مین صرف عرب سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور متمدن تھے. لیکن اس زمانہ مین بھی انھون نے اپنے مخالفین کی مقدس چیزون کی توہین نہین کی، بلکہ ان کا احترام قائم رکھا، اور ان کے ماننے والون کے ساتھ سلوک و احسان کا برتاؤ کیا، ذمیون کے بارہ مین خلفائے راشدین اور اموی اور عباسی خلفا کی جو وصیتین موجود ہین وہ آج بھی فتنہ گروں کی زبانین خاموش اور ان کی عیب بیں آنکھوں کو خیرہ کرنے کے لیے کافی نہین ہین، اگر مسلمان بھی متعصب اہل مغرب کی طرح ہوتے تو مشرق قریب مین اسلام کے مخالف کوئی دین باقی نہ رہتا اور نہ کسی عبادت گاہ سے کلمۂ شہادت کے علاوہ کوئی دوسری آواز سنائی دیتی،

محمد عبدہ کی رائے مطابق اب وہ وقت ہے کہ اس زمانہ کے عقلاء کا یہ مقصد ہونا چاہیے کہ دو بڑے مذہب اسلام اور نصرانیت ایک دوسرے کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا کر محبت سے گلے مل جائین جو دونون کی اس طویل کشمکش اور جنگ کے خاتمہ کے لیے ضروری ہے، جس نے دونون کو تھکا دیا،

دوسرا باب

مشرق و مغرب مین شعوبیت

شعوبیہ کی تعریف اور انکے مقاصد شعوبیہ وہ جماعت کہلاتی ہے جو عجمیون کو عربون پر فضیلت دیتی ہے یہ خلفاے راشدین کے ایک زمانہ بعد اس وقت پیدا ہوئی جب ایرانی، ترک اور نبطی قومین اسلامی حکومت کی خدمت مین شریک ہوئین، اس سے عربون اور ان عجمی عمال حکومت مین مخالفت شروع ہوگئی، جنھون نے اسلام قبول کیا تھا، اور عربون اور عجمیون کی طرح، عدنانی اور قحطانی عربون مین بھی اپنی فضیلت و برتری کی مسابقت شروع ہوگئی، پھر اس سے بھی آگے بڑھکر قیس اور یمنی قبائل مین عداوت پیدا ہوگئی، حالانکہ اسلام کی تعلیم تو یہ تھی،

جَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ	ہم نے تم کو خاندانون اور قبائل میں اسلیے تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے سے پہچانے جاسکو ورنہ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے (زیادہ پرہیزگار ہے)۔
إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوْا بَيْنَ إِخْوَتِكُمْ	سب مسلمان بھائی بھائی ہیں، پس اپنے بھائیون کے درمیان مین اصلاح کرو،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع مین فرمایا تھا کہ

" اسلام نے تم سے جاہلیت کے غرور، اور آباو اجداد پر فخر کرنے کو مٹادیا، کسی عجمی پر کسی

عربی کو فضیلت نہین مگر تقویٰ کی بنا پر، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔"
ان تعلیمات سے ظاہر ہے کہ اسلام قومیت اور رنگ ونسل کے امتیازات کو مٹانے کیلیے آیا تھا لیکن عربون کے عروج کے زمانہ مین لوگون کو جو آزادی حاصل تھی اس سے انھون نے غلط فائدہ اٹھا کر پھر اسی پرانی آواز کو بلند کرنا چاہا، اور شعوبیون نے عربون کی تحقیر و مذمت اور عجمیون کی فضیلت و برتری پر رسالے اور کتابیں لکھیں اور خطبے اور داستانین تصنیف کین اور مدح اور ہجو کا ایک بازار گرم ہو گیا، لیکن عربون نے مدبر قومون کی طرح جو ہمیشہ اپنی تعداد بڑھانے اور دلون مین اپنی محبت پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہین، دوسری قومون کی مقدس خیر و طاقت کا مضحکہ اڑانے کے بجائے اتحاد اور تالیف قلب کی پالیسی اختیار کی اور اس نرمی و ملاطفت سے عجمیون کے خیالات کی تردید کی کہ وہ بھڑکنے نہ پائین،
ہم نے اس کتاب مین شعوبیت کی اصطلاح ان تمام لوگون کے لیے استعمال کی ہے جنھون نے خاص اغراض کے ماتحت عربون کی تہذیب و تاریخ کی تنقیص کو اپنا شعار بنالیا ہے، انھون نے عربون کا مرتبہ گھٹانے کے لیے عجیب و غریب طریقے اختیار کیے ہین، اور اسمین ان تمام مسائل کو شامل کر لیا ہے جن سے بلاواسطہ یا بالواسطہ عربون کے ان مخصوص فضائل و خصوصیات کی جن مین ان کی انفرادیت مسلم ہے تحقیر کی جا سکتی ہو، اگر شعوبیہ مین انصاف ہوتا تو وہ ثابت شدہ مسلمات کے انکار اور رد کردہ خرافات کے اثبات کے مرتکب نہ ہوتے، ان کے سامنے جب ان ہی کے بڑے اور نامور علماء کے اقوال کو دلیل مین پیش کیا جاتا ہے تو اس سے ان کا انکار و عناد اور بڑھتا ہے، اور ان مین اتنی شدت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ان مسائل اور موضوعات کی دانفیت مین بھی جنکو آجکل کی ترجمہ اور نشر و اشاعت کی سہولتون کی وجہ سے بہت آسانی سے معلوم کیا جا سکتا ہے، اپنی جماعت کے اعتدال پسند علما کو کم علم کہہ دیتے ہین،

ان سطور کی تحریر کے وقت ایک شعوبی کا عجیب و غریب دعوی پڑھنے مین آیا کہ ڈیان کو عربی زبان مین عبور حاصل نہین تھا، اور ڈُین اور لامار ٹین عربی سے بالکل ناواقف تھے، اس لیے عربون کے بارہ مین ان کی تحقیقات صحیح نہین ہے، اس متعصب شعوبی کو صرف اس لیے یہ کہنا پڑا کہ اس پر یہ شاق گذرا کہ ان علمار نے عربون کے ساتھ تھوڑا سا انصاف کیا ہے اس لیے اس نے عربی ہی سے ان کی واقفیت کا انکار کر دیا، حالانکہ کسی تمدن کے متعلق رائے قائم کرنے کے لیے اس کی زبان کا جاننا مطلق ضروری نہین ہے، اگر اس شرط کو مان لیا جائے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یونان کے تمدن کی تحقیقات کے لیے یونانی رومن کے لیے لاطینی فراعنہ کے لیے ہیروگریفی کا پڑھنا ضروری ہے، اسی طرح ہندوستان، چین، جاپان اور دنیا کی دوسری قومون کے حالات کے مطالعہ اور ان کے متعلق رائے قائم کرنے کے لیے ان قومون کی زبانون مین مہارت حاصل کرنا ضروری ہوگی، اس مصنف نے یہ فراموش کر دیا کہ اہم عربی کتابون کی بڑی تعداد کا تمام یورپین زبانون، خصوصاً بڑی زبانون مین ترجمہ ہو چکا ہے، اور کوئی ایسا ماخذ نہین ہے جس کی عربی تمدن اور اسلام کے متعلق تحقیقات مین ضرورت ہو اور اس کا ترجمہ نہ ہو چکا ہو،

اگر کسی قوم کی تہذیب کے بارہ مین تحقیقات کے لیے اس کی زبان سے کامل واقفیت ضروری مان لیجائے تو ایک شخص تنہا جو مختلف قومون کی تاریخ جاننا چاہتا ہے، بیسیون زبانین کس طرح سیکھ سکتا ہے، عربون نے پوری واقفیت حاصل کرنے کے لیے وہ کتابین کافی ہیں، جن کے ترجمے تمام ترقی یافتہ زبانون مین ہو چکے ہین اور ان کی خاصی تعداد ہے اور وہ ہر متمدن قوم کے کتب خانون مین موجود ہین، ہم نے "حاضر العالم الاسلامی" کے مصنف سے پوچھا تھا کہ عربی زبان سے ناواقفیت کے باوجود تاریخ اسلام سے اتنی اچھی واقفیت ان کو کہان سے حاصل ہوئی، جواب دیا کہ انھون نے اپنے استاد سے جو تاریخ اسلام کے پروفیسر تھے، دس سال تک

اسلامی تاریخ پڑھی، وہ عربی سے پوری طرح واقف تھے، اور تاریخ اسلام کے لیے جن معلومات کی ضرورت پڑتی ان کو وہ عربی ماخذوں سے حاصل کر لیتے تھے، انھوں نے ان ہی کے وسیع معلومات کا خلاصہ لے لیا ہے، اور اسلام اور عرب کے متعلق رائے قائم کرنے کے لیے ان کو عربی زبان کی تحصیل کی ضرورت نہیں پیش آئی، لیکن اس شعوبی نے محض اس لیے چار نامور فرانسیسی علماء کا درجہ گھٹانے میں باک نہیں کیا کہ اس سے اس کے نزدیک دنیا کی ایک بڑی قوم کی تہذیب کا جس کو وہ گرانا چاہتا تھا، درجہ گھٹ جاتا تھا، نیز اس لیے کہ اس قوم کی جانب قدیم عہد اور جدید دور کسی زمانہ میں بھی کوئی اچھی صفت منسوب نہ ہونے پائے جس سے دنیا کی کوئی قوم بھی جس کی قومیت، مذہب اور تصورات کچھ بھی ہوں، بہت کم خالی ہوتی ہے۔

شعوبیوں کی نقل کردہ حکایات پر مغربی علماء کی تنقید

ہم نے اوپر جن باتوں کی تردید کی ہے وہ شعوبی لامنس کی رائے ہے جس کو بعض علمائے مغرب نے "بے حیا مورخ" کا لقب دیا ہے، وہ ہمیشہ طبری، بلاذری، ابن سعد، اصفہانی، ابن اثیر، ابن خلدون اور ابوالفداء جیسے نامور عربی مورخین کی تضعیف اور داستان گویوں اور جھوٹے قصے گڑھنے والوں کی توثیق کرتا رہا، لامنس تو ان معتبر و مستند مورخین کی کمان زہ کرنا چاہتا ہے، اور سوئزرلینڈ کا مورخ ہیس[1] مسلمانوں کے اس تساہل پر افسوس ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی نادر اسلامی تہذیب کے مطالعہ کی جانب توجہ نہیں کرتے جس کے علماء مشرقیات فریفتہ ہیں اور اس کے آثار یاقوت، بیرونی، خوارزمی، اور ابن خلدون میں نظر آتے ہیں، مسلمان اپنی تہذیب کو محض اس لیے چھوڑ دیتے ہیں تاکہ وہ ان تعلیم گاہوں میں جہاں تاریخ، جغرافیہ اور دوسرے علوم میں ان کے اسلاف کے علمی ترکہ کی عظمت کی تعلیم کا بہت کم اہتمام ہوتا ہے، اپنے کو یورپین نما ظاہر کر سکیں۔

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو رسالہ المجمع العلمی العربی ج ۳

لانس عرب مورخین کی شان بھی اسی طرح گھٹاتا ہے، جس طرح علماے مغرب کا درجہ گھٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ انگریز مورخ براؤن کا بیان ہے کہ تاریخ میں عربون کی تصانیف میں بڑی وسعت و دقت نظر ہوتی ہے، اور ان کی بعض تاریخی کتابون کے طرز پر یورپ میں بھی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی[1]، وہ ابن خلدون، ابن اثیر، طبری اور الفخری پر تعجب کا اظہار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ علم، فلسفہ اور اخلاق مین عربون کی تصانیف کی مثال دوسری زبانون مین نہین مل سکتی۔

شعوبی عرب مصنفین اور ان یورپین مولفین کی کتابون پر بھی نکتہ چینی کرتے ہین، جنھون نے عربون کے ساتھ انصاف برتا ہے، مگر جب وہ فتنہ کی آگ بھڑکاتے ہین تو علماے محققین معتبر اسناد سے ان کی تردید کرکے ان متعصبون کی تفرقہ انگیز آواز کو بے اثر اور ان دجالون کی آرزوؤن کو خاک مین ملا دیتے ہین، ایک شعوبی لکھتا ہے کہ "اسلام کی فطرت فنا پذیر ہے، وہ ایک عمارت تو بناتا ہے لیکن اس کی حفاظت کرنا نہین جانتا، اس کے احساسات متحرک ہین، اس کے باوجود صدیان گذر جانے کے بعد بھی وہ پرانی بدوی زندگی کی بندشون کی حفاظت اور تمدن سے گریز کرتا ہے، مگر نئے آلات و ایجادات سے بھی فائدہ اٹھاتا ہے، اسلام نے ہم مغربیون کے دل مین مختلف قسم کے جذبات و مقاصد پیدا کیے ہین[2]"، ایک مدت تک مشہور فرانسیسی ادیب لوتی کا مسلمانون کی جانب بڑا میلان رہا، اس نے اپنی تصانیف اور روزمرہ کی زندگی مین ان کے متعلق نہایت اچھے خیالات ظاہر کیے ہین، اور ترکون کی جانب سے مدافعت بھی کی ہے، اینہارڈ پر اسلام کا اتنا اثر تھا کہ وہ قریب قریب مسلمان ہوگیا تھا، لیکن پھر جب اس نے فرانس کے نامور ادبا، تھارو ڈیرا درس کی کتابین پڑھین تو اس کے خیالات بدل گئے، یہ دونون فرانسیسی ادیب بھی ایک زمانہ تک اسلام کے بڑے حامی رہے اور اپنی تصانیف "عربی عبد"، "اشقودرہ (البانیہ) میں جنگ"، "دمشق کا راستہ"

[1] رسالہ المقتبس ج ۲ ھ ۲ [2] La Revue mondiale.

رباط فتح یا چند گھنٹے مراکش میں، "رباط اور مراکش"، فاس اور شہری اسلام میں"، میں اسلام کے متعلق بڑے اچھے خیالات ظاہر کیے ہیں، ابنہارڈ کا بیان ہے کہ "مقارہ وڈیر اور س بیس سال سے اسلام پر جو کتابیں لکھ رہے تھے، اس کے مقابلہ میں ان کی آخری تصنیف میں ان کے خیالات بدلے نظر آتے ہیں اور وہ کبھی کبھی اسلامی تہذیب کے عیوب و نقائص کو دیکھ کر ان پر تنقید کرنے اور ان کا مضحکہ اڑانے لگے"، پھر کہتا ہے کہ "اسلام ایک گرم خطہ میں پیدا ہوا اس لیے وہ شعور و خیال اور جمود و تعطل کا مذہب ہے، وہ موجود جلد حاصل ہونے والی اور زوال پذیر چیزوں سے لطف اندوزی اور بقا، و دوام کے مقصد سے ناواقف اور قضا و قدر کے عقیدہ میں مشہور رہے، ان عقائد نے اس کو ایک خوفناک تباہ کن مذہب بنا دیا ہے[1]، ایک عربی کا تصور ذہن میں اس بچہ کی شکل میں آتا ہے جو دریا کے کنارے ریت کا گھروندا بناتا ہے، یا اس نقاش کی طرح جو اندھیرے کمرے کی تزئین و آرائش میں اپنی آنکھیں پھوڑتا ہے، یا اس زرباف کی طرح ہے جو سنہرے اور روپہلے تاروں سے ایسا ٹکڑا بنتا ہے جس کی کوئی قیمت نہیں۔

یہ شعوبی اسلام پر تعصب اور عدم رواداری کی تہمت لگاتا ہے کہ "ایک مسلمان اپنے مذہب کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں سے مانوس نہیں ہوتا اور وہ مغربی تہذیب کا دشمن ہے"، یہ باتیں اغراض نفسانی کی بنا پر کہی گئی ہیں، ان جھوٹے دعووں کے ثبوت میں کوئی دلیل نہیں دی ہے، یہ فریب آمیز اور غیر ذمہ دارانہ باتیں ہیں، اور ان میں بدیہیات کا انکار کیا گیا ہے، فرانس کا سب سے بڑا شخص لیوتی جو واقعی مشرق کا واقفکار ہے، اپنے ایک مقالہ[2] کے آخر میں لکھتا ہے کہ "ایک گروہ

[1] اسلام کے متعلق یہ خیالات تو اسلامی تعلیمات کے بالکل ضد ہیں، اس کی تو خاص تعلیم یہی ہے کہ مادی زوال پذیر اور فانی چیزوں کی کوئی حقیقت نہیں، اور ان سے صرف بقدر ضرورت تعلق رکھنا چاہیے ان کو مقصد زندگی نہ بنانا چاہیے، اصل مقصد دائمی اور باقی رہنے والی آخرت کی زندگی ہے۔ [2] رسالہ مارش دی فرانس

کا اپنے خاص اغراض کی بنا پر یہ گمان ہے کہ اسلام تخریب و بربادی، انتشار و بدنظمی اور تعصب کی تعلیم دیتا ہے۔ لیکن میں نے اسلام کے متعلق محض کتابی معلومات پر اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ مشرق میں ایک مدت تک مسلمانوں کے ساتھ رہ چکا ہوں اور اپنے تجربہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ ان خیالی باتوں میں کوئی صداقت نہیں ہے۔

اگر اس بے عقل، متعصب اور جامد شعوبی کا یہ دعویٰ صحیح ہوتا کہ اسلام اپنے مخالفوں کے ساتھ برا برتاؤ کرتا ہے، اور کسی اجنبی سے مانوس نہیں ہوتا تو اسکے وہ کارنامے جو اظہر من الشمس ہیں، نہ انجام پا سکتے، اگر وہ جامد اور متعصب ہوتا تو کم سے کم یہ کرتا کہ اپنے خلاف عقیدہ رکھنے والوں کو باقی نہ رہنے دیتا، اہل یورپ کے شدید دینی تعصب کے کارنامے ہماری نگاہوں کے بھی سامنے ہیں جنھوں نے ایک پوری قوم کی بڑی تعداد کے متعلق یہ فیصلہ کیا تھا کہ یا وہ سواد اعظم کا مذہب (عیسائیت) قبول کرے، ورنہ اس کو جلاوطن کر دیا جائے، اسپین میں عیسائیوں کی محکومیت قبول کر لینے کے بعد بھی مسلمانوں کو یا عیسائی بنا لیا گیا یا جلاوطن کر دیا گیا، اور اسپین بالکل ویران ہو گیا، مسلمانوں ہی پر موقوف نہیں، بلکہ دینی تعصب کی شدت کے زمانہ میں اسی طرح پروٹسٹنٹ عیسائی فرانس سے انگلستان، ہالینڈ اور جرمنی میں جلاوطن کیے گئے، جس سے ملک ہزاروں ذہین اور عالی دماغ آدمیوں سے محروم ہو گیا اور مخالف مذہبی اسباب کی بنا پر ہزاروں آدمی انگلستان سے شمالی امریکہ ہجرت کر گئے، ان کے مقابلہ میں اسلام کا طرز عمل اپنے دور عروج کے بڑے حصہ میں اس کے برعکس رہا، وہ اپنے مخالفوں کے ساتھ بھی احسان و سلوک سے پیش آتا تھا، اور انکو اپنے قریب لانے کی کوشش کرتا تھا، اور خود ان سے فائدہ اٹھاتا تھا، اور ان کے ساتھ ان کے ہم قوم سلاطین قیصر و کسریٰ سے زیادہ انصاف کرتا تھا، اسلام کی سرزمین میں ان معمولی واقعات کے علاوہ جو عموماً دو مخالفوں میں ہو جایا کرتے ہیں، کبھی ایسی مذہبی جنگ نہیں ہوئی جس کا مقصد

اپنے مخالفوں کو مٹا رہا ہو، اور ان معمولی واقعات کو بھی حکام نے فوراً ختم کر دیا، اور رعایا کے حقوق اور ان کی آزادی پوری طرح برقرار رکھی گئی، ابن عساکر نے ابن فاتک کی سیرت میں جو جنگ صلیبی کے زمانہ میں دمشق کے فتح کرنے میں شریک تھے، لکھا ہے کہ دمشق پر مسلمانوں کے قبضہ کے بعد جب شہر کے باشندوں میں مکانوں کی تقسیم کی خدمت ان کے سپرد کی گئی تھی، تو ذمیوں کی حفاظت میں اتنا اہتمام کیا گیا کہ ان کو دمشق کے بالائی حصہ میں کر دیا گیا اور مسلمانوں کو زیریں حصہ میں کر دیا گیا، تاکہ وہ ذمیوں کو نقصان نہ پہنچا سکیں، کیا یہ اس قوم کا طرز عمل ہو سکتا ہے جو اپنے مخالفوں کے ساتھ برائی سے پیش آتی ہے، شعوبی اس قسم کے واقعات کو مسلمانوں کی قوت کی کمزوری کا نتیجہ قرار دیتے ہیں، لیکن جس زمانہ میں یہ طرز عمل اختیار کیا گیا، اس زمانہ میں مشرق و مغرب کے کسی مذہب کے ماننے والوں اور مسلمانوں کی قوت کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔

شام کی معرکہ آرائی کے زمانہ میں جب حمص وغیرہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا، اور جب ہرقل نے ان کے مقابلہ کے لیے دوبارہ اپنی قوت جمع کی اور مسلمانوں نے دیکھا کہ وہ اس وقت حمص کی حفاظت نہیں کر سکتے، تو انھوں نے وہ خراج جو ان سے وصول کر چکے تھے، واپس کر دیا اور کہا کہ اس وقت ہم تمھاری حفاظت نہیں کر سکتے، تم خود اپنا انتظام کرو، ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم جس ظلم و ستم کا شکار تھے، ان کے مقابلہ میں تمھاری حکومت اور تمھارا انصاف ہمارے لیے رحمت ہے، اس لیے ہم بھی تمھارے حاکم کے ساتھ مل کر ہرقل کی فوجوں کا مقابلہ کریں گے، یہودیون نے توراۃ کی قسم کھا کر کہا کہ جب تک ہم مغلوب نہ ہو جائیں، اس وقت تک ہرقل کے حکام شہر داخل نہیں ہو سکتے۔[1]

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کسی شخص کے دروازے کے سامنے سے گذرے، وہاں ایک ضعیف

---

[1] فتوح البلدان و کتاب الخراج امام ابو یوسف

نابینا ذمی بھیک مانگ رہا تھا، عمرؓ نے اس سے پوچھا تم کس اہل کتاب سے تعلق رکھتے ہو، اس نے کہا، یہودی ہے۔ پوچھا بھیک کیوں مانگتے ہو، کہا جزیہ ادا کرنے اور اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے، یہ سنکر حضرت عمرؓ اس کو اپنے گھر لائے اور اسے کچھ دیا لیا اور بیت المال کے خزانچی کو لکھ بھیجا کہ آیندہ سے اس یہودی اور اس کے جیسے دوسرے نادار ذمیوں کا خیال رکھو، خدا کی قسم یہ انصاف نہیں ہے کہ ان کے شباب اور توانائی سے تو ہم فائدہ اٹھائیں اور جب وہ بوڑھے اور ناکارہ ہو جائیں تو ان کو چھوڑ دیں، کلام مجید کے اس حکم "اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ" میں فقراء سے مراد مسلمان اور مساکین سے اہل کتاب ہیں، اور اس یہودی اور اس کے جیسے تمام دوسرے ضعیف و نادار ذمیوں کا جزیہ ختم کر دیا۔[1]

ایک مرتبہ لبنان کے کچھ ذمیوں نے عباسی خلیفہ سے بغاوت کی، یہاں کے حاکم یا فوجی افسر صالح بن علی عباس نے بغاوت فرو کرنے میں ناکردہ گناہ لوگوں پر بھی زیادتیاں کیں، اس پر امام اوزاعی نے ان کو لکھ بھیجا کہ "لبنان کے جن ذمیوں کو جلا وطن کیا گیا ہے، اس میں ایسے لوگ بھی ہیں جو باغیوں کے ساتھ نہیں تھے، اصل باغیوں میں سے کچھ لوگوں کو تم نے قتل کیا اور کچھ کو ان کے دیہاتوں میں پھر آباد کیا ہے، ایسی حالت میں مجرموں کی جرم کے بدلہ میں عام ناکردہ گناہ نہیں پکڑے جا سکتے، اور ان کو ان کے وطن اور مال و متاع سے محروم نہیں کیا جا سکتا، خدا کا حکم ہے کہ ایک کا بار دوسرے پر نہیں ڈالا جا سکتا، اور خدا کے احکام کی پابندی ہم پر فرض اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کا لحاظ رکھنا ہمارے لیے ضروری ہے، آپ نے فرمایا ہے کہ "جو شخص کسی معاہد (ذمی) پر ظلم کرے گا یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بار ڈالے گا، تو قیامت کے دن میں اس کا حامی و وکیل ہوں گا۔"[2]

---

[1] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف [2] فتوح البلدان بلاذری

حافظ نے لکھا ہے کہ مسلمان یہودیوں کی بہ نسبت عیسائیوں پر زیادہ مہربان تھے، اس لیے کہ عیسائی لباس، سواری اور کھیل کود سب چیزوں میں مسلمانوں کی تقلید کرتے تھے حتیٰ کہ حسن، حسین، عباس اور علی جیسے نام اور ایسی ہی کنیتیں رکھتے تھے، اس لیے مسلمان ان کی جانب زیادہ مائل ہوئے، اور عیسائیوں نے زنار باندھنا چھوڑ دیا، جو لوگ باندھتے بھی تھے، وہ کپڑے کے نیچے، ان میں سے بہتیرے ذی مرتبہ اور صاحب مقدور عیسائیوں نے جزیہ دینا تک چھوڑ دیا تھا، اور جن کو مسلمان برا کہتے تھے، ان کو وہ بھی برا کہتے تھے، اور جن کو وہ مارتے تھے، ان کو یہ بھی مارتے تھے عیسائی مسلمانوں کیساتھ اسقدر رل مل اور ان کے رنگ میں رنگ گئے تھے اور مسلمان کو ان سے اتنا لگاؤ ہو گیا تھا کہ ہمارے قضاۃ اور عوام، جاثیق، اسقف اور مطران[1] کا خون حضرت علی، عباس اور حمزہ علیہم السلام کے خون کے برابر سمجھتے تھے، سلاطین کے بہت سے کاتب بادشاہوں کے فراش اور اشراف و معززین کے طبیب عیسائی تھے۔

مسلمانوں کے دور عروج میں ان کی رواداری کے اس قسم کے واقعات میں شعوبی محض ضد کی وجہ سے شک کرتے ہیں، حالانکہ کسی قوم نے اپنے شباب و عروج کے زمانہ میں اس تحقیق سے جو عربوں کا خاص حصہ ہے، موافق اور مخالف دونوں پہلو نہیں تحریر کیے ہیں، معلوم نہیں الجزائر یونیورسٹی کے استاذ گوتھر کی اس تحریر کے متعلق ان شعوبیوں کی کیا رائے ہے کہ "یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ عرب فاتحین میں رواداری کی فضیلت بدرجۂ اتم موجود تھی، جس کی امید ایک نئے مذہب کے حاملوں سے نہیں کیجا سکتی، عربوں نے اس دین پر انتہائی سختی سے عمل کے زمانہ میں بھی کبھی خون سے اپنے مذہب کے حریف دین کو بجھانے کا تصور نہیں کیا"[2] ایک اور ممتاز اور روادار عالم کا اس سے بھی زیادہ عجیب یہ بیان ہے کہ "سب سے زیادہ حیرت انگیز یہ امر ہے کہ اسلامی حکومتوں میں بڑے بڑے غیر مسلم عہدہ داروں کی کثرت تھی، اس کی مثالیں بھی موجود ہیں کہ اسلامی ملکوں اور شہروں میں عیسائی عہدہ دار حکومت

[1] عیسائیوں کے مذہبی پیشوا اور مذہبی عہدے [2] (Gaulier: Moeurs et coutumes des musulmans)

کرتے تھے، تیسری صدی ہجری میں دو مرتبہ عیسائی وزیر جنگ تک ہوئے، اور فوجی افسرون کا جو دین کے محافظ تھے، وزیر جنگ کی دست بوسی کرنا، اور اسکے احکام ماننا فرض تھا، اور دفاتر میں تو عیسائی منشی اور کلرک چھائے ہوئے تھے،

ذمیون کے ساتھ خلفاء راشدین اموی اور عباسی خلفاء، اور عام مسلمانوں کا یہی طرز عمل تھا، ان تمام ملکون کے خلفاء و امراء کا جہان اسلام کا علم نصب تھا، ذمیون کے ساتھ یہی سلوک تھا، وہ خلفاء تک جو مذہبی تعصب مین مشہور تھے، ذمیون کو اپنا رازدار بناتے تھے، اور اپنے دل کی باتین تک ان پر ظاہر کر دیتے تھے، مہمات امور ان کے سپرد کرتے تھے، اپنی حرم تک کے بارہ میں ان پر اعتماد کرتے تھے، ان کے مدارج بڑھاتے تھے، ان پر احسانات کی بارش کرتے تھے، ایسی رواداری و مسامحت یورپ کے بعض ملکون میں مدتون کی جنگ اور ایک مخلوق کی انتہائی خونریزی کے بعد اب جاکر کچھ دنون سے پیدا ہوئی ہے،

جب مامون نے بغداد میں علم و فن کی اشاعت کا ارادہ کیا تو ہر مذہب و ملت کے تین سو علماء کو جمع کرکے یہ ہدایت کی کہ وہ اپنے اجتماع میں، خواہ وہ مسلمانوں کا ہو یا غیر مسلمون کا، قرآن کی آیات اور انجیل و توراۃ کو دلیل میں نہ پیش کیا کریں، اور نہ اپنے مناظرون میں کسی مذہب سے بحث کریں[1]" اس کے قبل ہارون رشید نے تمام مدارس کا نگران یوحنا بن ماسویہ عیسائی کو بنایا تھا، دولت عباسیہ کے دوسرے شہرون مین مدارس کا انتظام کبھی یہودیوں اور کبھی نسطوریوں کے سپرد رہا، ڈریپر کے بیان کے مطابق، قرطبہ، غرناطہ اور اندلس کے دوسرے بڑے شہرون کی یونیورسٹیوں کا انتظام زیادہ تر یہودیوں کے ہاتھون میں تھا، چوتھی صدی ہجری مین بغداد کی تباہی کے بعد جب عضد الدولہ دیلمی نے دوبارہ اس کو آباد کیا تو اپنے عیسائی وزیر

[1] اس لیے کہ اس قسم کے مناظرون سے اختلاف، تفرقہ اور بدامنی پیدا ہوتی ہے،

نصر بن ہارون کو عیسائیون کے گرجون اور ان کی خانقاہون کی تعمیر اور ان میں مقیم فقراء و مشائخ مین روپیہ تقسیم کرنے کا حکم دیا، اتنی مثالون کے بعد اس باطل کے بارہ مین کیا کہا جائے گا جس سے مخالفین حق کو پامال کرنا چاہتے ہین،

پچھلے قریبی دور مین بڑی بڑی مغربی قومون کی زبانون مین انسانی مذاہب کے موضوع پر چند کتابین شائع ہوئی ہین، ان مین سے بیشتر کتابون میں علانیہ یا مخفی طور سے اسلام پر نکتہ چینی کی گئی ہے، حیرت ہے کہ اس بیسوین صدی مین بھی تہذیب ترقی نہ کر سکی، اس کے مقابلہ مین مسلمانون کا یہ حال تھا کہ ابو ریحان بیرونی پانچوین صدی ہجری مین ہندوستان کے مذاہب پر ایک کتاب[1] لکھتا ہے اور کسی مذہب کے ماننے والے کے جذبات کو ٹھیس نہین لگاتا، اور جب کسی مذہب کے بارہ مین لکھتا ہے تو ان کے شعائر دینی کا اس طرح ذکر کرتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے وہ خود ان کا پیرو ہے، اور ہمارے زمانہ کے مغربی علماء اپنی تحریرون مین دوسرے اہل مذاہب کے بارہ مین حقیقت سے کس قدر دور ہٹ جاتے اور کتنی غلط بیانی سے کام لیتے ہین، اور تنہا سواد اعظم کے دین (عیسائیت) کا راگ گاتے ہین، افسوس ہے کہ اس زمانہ کی تہذیب و ترقی بھی دلون کا کھوٹ نہ دور کر سکی، اور مسلمان اکابر اور ان کے واجب التعظیم بزرگون تک کا تذکرہ بھی بڑی نفرت و کراہت سے کیا جاتا ہے، اور جب مسلمان قوم پر گفتگو ہوتی ہے تو محض وہم و خیال سے ان کی تصویر بنائی جاتی ہے، اس کے مقابلہ میں مسلمانون کے دور عروج کے عرب مصنفین بھی اپنے مخالفون کا تذکرہ پورے احترام کے ساتھ کرتے ہیں، ابن ابی اصیبعہ کی طبقات الاطباء، ابن قفطی کی تاریخ حکمائے اسلام اور ابن الساعی کی الجامع المختصر، مسلمانون کی رواداری کی نہایت روشن مثال ہین، ان مصنفون نے صابی، یہودی، سامری، مجوسی اور یعقوبی علماء کے حالات اسی طرح

[1] کتاب الہند

لکھے ہیں، جس طرح مسلمان علماء کے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی ملت کے فرزند ہین، اس کے مقابلہ میں اس ترقی اور روشن خیالی کے دور مین جو اپنی رواداری کے لحاظ سے بہترین زمانہ تصور کیا جاتا ہے، جب رومن کیتھلک یا پروٹسٹنٹ تک ایک دوسرے کے حالات لکھتے ہیں تو وہ دوسرے کی مخالفت اور عیب نمائی کرتے ہین، حالانکہ دونون ایک ہی سرچشمہ کی سوت اور ایک ہی کتاب کے ماننے والے ہیں۔

دو بے عقل شامی اور مصری شعوبی ان شعوبیوں میں شام کا ایک مسخرہ اور خیال پرست شعوبی ہے، جو شامیوں کو تعلیم دیتا ہے کہ "وہ اپنی نیتین صاف کرین اور اپنے اجداد کے مفاخر اور اسلامی حکومتون کو بھول جائین جن کی عظمت و بزرگی کے ترانے وہ گایا کرتے ہین" آجتک کسی عاقل نے کسی قوم کو اپنی تاریخ بھلانے کی تعلیم نہیں دی، بلکہ ہر قوم اپنی تاریخ کو خواہ وہ کتنی طویل ہو، پڑھتی اور یاد رکھتی ہے، کیونکہ تاریخ قوت عمل کے لیے مہمیز کا کام دیتی اور اپنے اجداد کے ناتمام کامون کی تکمیل پر ابھارتی ہے، اور ان کی اچھی باتون کو اختیار اور بری باتون کو ترک کیا جاتا ہے مغربی امریکہ کی بعض جمہوریتون نے خاص اس غرض سے اپنی تاریخ مرتب کی ہے، کہ اس سے اسکی ترقی میں مدد ملیگی اگر اس مصنوعی فلسفی سے کہا جائے کہ وہ اپنی جماعت سے ہمارے لیے کوئی نمونۂ عمل شخصیت پیش کرے، جس کی ہم پیروی کریں، تو وہ نہیں پیش کر سکتا، اور صرف اس جواب پر اکتفا کرے گا کہ اسلام میں کوئی قابل ذکر شخصیت پیدا نہیں ہوئی، اور ان شخصیتون پر بھی بہتان طرازی کرے گا جن کی خوبیون پر تمام قومون کا اتفاق ہے، مثلاً صلاح الدین ایوبی شوقی نے ایسے ہی لوگون کے لیے کہا ہے

مثل القوم نسوا تاریخھم کلقیط عی من الناس انتسابا

اس قوم کی مثال جو اپنی تاریخ کو بھلا دیتی ہے اس لقیط کی طرح جو کسی کی جانب اپنے کو منسوب نہین کر سکتا۔

ان شعوبیون مین ایک مصری بھی ہے، اس کا خیال ہے کہ" اسلام ایک بدوی مذہب ہے،
تعیش سے کراہت اور توحید کے عقیدہ مین شدت اس کی خاص خصوصیت ہے، موجودہ
وہابی اس کا صحیح نمونہ ہین، ابتدا مین عربون نے اپنا واسطہ صرف قرآن تک محدود رکھا تھا،
یونانی ادب کی کوئی چیز ترجمہ نہین کی، ان مین بدوی روح اس قدر سرایت کیے ہوئے تھی کہ
فنون لطیفہ سے بالکل بے تعلق رہے، کیونکہ بدوی تعیش اور تہذیب وتمدن کی تمام چیزون کو
فطرۃً ناپسند کرتا ہے، وہ صحرا مین زندگی بسر کرتا ہے، جہان تعمیر، مصوری اور نقاشی وغیرہ تمدنی
فنون کی ضرورت نہین پڑتی، اس لیے اسلام مین بت تراشی کے ساتھ مصوری بھی حرام کردی گئی،
اور موسیقی صرف مدہوشون کی دلچسپی کا مشغلہ رہ گیا، مصوری سے ذوق جمال کو فائدہ پہنچتا ہے،
اور ڈرامہ سے اجتماعی زندگی کی تنقید کا سلیقہ پیدا ہوتا ہے، اصلاح کا شعلہ روشن رہتا ہے،
اور قوم مین ترقی اور آگے بڑھنے کا ولولہ پیدا ہوتا ہے، ہم کو مشرق کے ساتھ جو عصبیت
ہے وہ درحقیقت مشرق سے زیادہ قدامت کے ساتھ ہے، اور قدامت کے ساتھ یہ وابستگی
محض اس بنا پر ہے کہ ہم کو یہ سننا گوارا نہیں کہ ہماری تہذیب یورپ کی تہذیب کے مقابلہ
مین پست ہے"

یہی شعوبی کہتا ہے کہ" ہم کو عربوں سے کوئی تعلق نہین اور نہ ہم کو انکے تمدن کے مطالعہ کی
ضرورت ہے، وہ ہماری قوت شباب کو کمزور کرتا اور عربون کی قوت کو ابھارتا ہے، اسیلیے
ہمیں عربوں کو بھی قدیم عربی طرز تحریر کے بجائے نئے مصری اسلوب کا عادی بنانا چاہیے
اور قدیم فصیح عربی کو اسی حیثیت سے پڑھنا چاہیے، جس حیثیت سے ہم آشوری اور بابلی وغیرہ
قدیم زبانون کو پڑھتے ہیں، اور نابغہ اور متنبی کی زبان کو اسی نظر سے دیکھنا چاہیے، جس نظر سے

لے (باقی حاشیہ ص ۲۳) لقیط وہ مولود بچہ جو راستہ میں پڑا ہوا ملے اور اس کے ماں باپ کا پتہ نہ ہو۔

رومی اور اطالوی زبانوں کو دیکھتے ہیں، عربی نہ ہماری زبان ہے اور نہ اس سے ہم کو کوئی فائدہ پہنچا، ہم نے صرف عربوں کے الفاظ لیے ہیں، ان کی زبان نہیں لی، بلکہ الفاظ بھی سب نہیں بلکہ تھوڑے سے لیے ہیں، جن لوگوں کو اس زبان کا تجربہ ہے وہ قاسم امین اور لطفی سید کے اس مشورہ کو بالکل صحیح سمجھیں گے کہ قدیم فصیح عربی کے بجائے عامی مصری زبان استعمال کرنا چاہیے"

اس شعوبی کا یہ بھی خیال ہے کہ "مشرقیت کا تعلق اور مذہب کا رابطہ لغو اور مہمل ہے، صحیح اور حقیقی رابطہ یہ ہے کہ ہم یورپین تمدن میں ضم ہو جائیں، اسی کے طور طریقے اختیار کریں، اپنی لڑکیاں ان سے بیاہیں، اور ان کی لڑکیوں سے ہم شادیاں کریں، اور ان کی ہر چیز کی نقل و تقلید کریں اگر ہمارا مصر، ایشیا، مشرق اور عربی تاریخ سے گلو خلاصی چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ فرعونی وطنیت اختیار کرے، جو مصر اور اس کی تاریخ کے اندر محدود ہو، اس کو فرعونی تمدن کا مطالعہ کرنا چاہیے جو اسکے لیے عرب تمدن سے زیادہ مفید ہے، عربی آثار کا اسی حیثیت سے ہم کو مطالعہ کرنا چاہیے، جیسے فنیقی آثار کا، جنھوں نے ترقی یافتہ قوموں کے حالات کا مطالعہ کیا ہے، وہ اس کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں دنیا کی کوئی قوم خواہ وہ ایشیائی ہو یا غیر ایشیائی، اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک وہ اپنے قدیم اور ماضی سے تعلق منقطع نہ کرلے"۔ یہ اس مصنوعی فلسفی کے خیالات کا خلاصہ ہے، لیکن اگر ہم اس سے یہ مطالبہ کریں کہ وہ خود اپنے تعمیری عناصر، اور اپنی مقدس چیزوں کو جن سے وہ بے تعلقی ظاہر کرتا ہے، چھوڑ دے تو بڑی سختی سے انکار کرے گا اور ان کو سینے سے چمٹائے رہے گا۔

یہ مصری شعوبی ناصح مشفق کی طرح سواد اعظم کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ اپنا دین چھوڑ دیں کیونکہ وہ خوش حالی کو پسند نہیں کرتا، مگر وہ یہ کہتے وقت عربوں کی خوش حالی وغیرہ کے ان کارناموں کو بھول جاتا ہے جس سے تاریخ کے صفحات بھرے ہوئے ہیں، وہ فنون لطیفہ میں عربوں

کی توجہ سے صرف اس لیے انکار کرتا ہے کہ صحرا مین ان کو اس کی ضرورت نہین تھی، اور اسکو وہ فراموش کر دیتا ہے کہ عرب سب کے سب بادیہ نشین نہین ہیں، عرب اور اعراب (بدوی عرب) دونون مین فرق ہے، انتہائی جاہلیت کے زمانہ مین بھی عرب کی دو قسمین تھین، ایک بادیہ نشین دوسرے شہری، دمشق، بغداد، فسطاط، قرطبہ اور غرناطہ کے عربی تمدن کو بادیہ نشینون نے نہین، بلکہ شہری عربون نے بنایا تھا، اور ان کے زمانہ کے حالات اور ان کے مذہبی عقائد نے جس حد تک ان کو اجازت دی اس حد تک انھون نے تمدنی فنون کی خدمت مین بھی کمی نہین کی، گو عربون مین ڈرامہ نہین تھا لیکن ان کی اجتماعی زندگی مین ہمیشہ تنقید کی روح موجود رہی، اور ہر زمانہ مین ایسے بلند پایہ نقاد تھے، جو زندگی کے ہر شعبہ کی بغیر کسی تعصب اور بدنیت کے تنقید کرتے رہے،

یہ مشورہ کہ عرب اپنی تاریخ بھلا دیں اور ایشیا کا خیال چھوڑ کر زندگی کے ہر شعبہ میں اہل یورپ کی نقالی کریں، نہایت لغو اور مہمل ہے، دنیا کی کسی قوم نے بھی آجتک یہ طریقہ اختیار نہین کیا حتی کہ جاپان تک نے جس کی یورپ زدگی کو بطور مثال کے پیش کیا جاتا ہے، اپنی بت پرستی تک کو نہیں چھوڑا، اور یورپ کے صرف مادی اصولون کو اختیار کیا ہے، باقی اپنے اور تمام رسوم و روایات محفوظ رکھے ہین، عربون سے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی اصل زبان چھوڑ کر عوام کی زبان اختیار کرین، اس مشورہ کا مقصد صرف یہ ہے کہ ان کے سیاسی رابطہ کی طرح لسانی رابطہ بھی توڑ کر انکا شیرازہ منتشر کر دیا جائے، مشرق کی اسلامی حکومتون[1] اور مغرب کی عیسائی سلطنتون نے عربون پر جتنی سختیان بھی کی ہین، اس پوری مدت مین صرف قرآن ہی کی زبان نے ان کو بچایا ہے، اس

---

[1] اس سے مراد غالباً ترک ہین، ترکون کے علاوہ بھی بعض حکومتون نے عربون کے حقوق کی پامالی کی ہے، خود عباسی خلافت کے دور میں جو عرب تھی، اس کے عجمی حکام کے ہاتھون عربون پر زیادتیان ہوتی رہین۔ مترجم

شعوبی نے اپنی تائید مین ان دو آدمیون[1] کی رائے پیش کی ہے، جس سے اس کے گمان مین اس کی تائید ہوتی ہے، حالانکہ ان دونون نے خود اپنی کتابین فصیح عربی مین لکھی ہین، اگر وہ عامی زبان مین لکھتے تو وہ تصنیف ہونے کے ساتھ ہی مرجاتین، اسی طرح ہمارے ایک فاضل کا یہ دعویٰ ہے کہ جمال الدین افغانی نے اس سے کہا تھا کہ اگر عرب علم، فلسفہ اور صنائع کی کتابون کا ترجمہ کرنے کے بجائے صرف ہومر کی الیڈ کے ترجمہ پر اکتفا کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا، اس بیان مین یقیناً کوئی نہ کوئی تدلیس ہے، جمال الدین افغانی کے یہ خیالات نہین ہو سکتے،

مازنی اپنے ایک مضمون مین لکھتے ہین کہ ''عوامی زبان کا سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ اس کے قواعد منضبط و مستحکم نہین ہین، اور وہ کوئی مستقل زبان نہین ہوتی حتی کہ مصر تک مین وہ ایک زبان نہین ہے، بلکہ مختلف مقامات اور وہان کے باشندون کے حالات، ان کی شہریت و بدویت کے لحاظ سے عوامی بولی بدلتی رہتی ہے، اور ایک دوسرے سے مختلف ہو جاتی ہے، اور تعلیم کی جتنی اشاعت اور فصیح زبان سے جتنی واقفیت ہوتی جاتی ہے، اتنی ہی عوامی بولی فصیح زبان سے قریب تر ہوتی جاتی ہے، اور طلبہ جو زبان بولتے ہین وہ فصیح عربی زبان سے زیادہ مشابہ اور اسکے قریب ہوتی ہے، اور حرکات و اعراب کے علاوہ اس مین اور کوئی نقص نہین ہوتا، یہ کس قدر احمقانہ بات ہوگی کہ ایسی عوامی زبان کو جس کے نہ قواعد منضبط ہین، نہ اس کو کوئی ثبات و قرار ہے، اور نہ اس کی کوئی تاریخ ہے، فصیح زبان پر ترجیح دیجائے۔

اس شعوبی کی رائے یہ کہ '' تمام مشرقی اور مذہبی رشتے ختم کر دیئے جائیں، اور اصلی رشتہ یہ ہے کہ ہم یورپ مین فنا ہو جائین، فرعونی تمدن کو اپنائین، عربی تمدن سے زیادہ اسکا مطالعہ کرین اور عربی زبان اور عربی تہذیب کو آشوری تہذیب اور اطالوی اور روسی زبان کے درجہ

---

[1] اس سے مراد قاسم امین اور لطفی سید ہین جنکی رائین اوپر گذر چکی ہین [2] الیڈ کے مترجم سلیمان بستانی

مین کردین،" ہذیان سے زیادہ وقعت نہین رکھتی، اگر اس قسم کی باتین ابتدائی مدرسہ کے بچون کے
کے سامنے کہی جائین تو وہ بھی ان کو سنکر ہنس دینگے، اور اس کو لغو اور خرافات سمجھین گے، ہم اس
فرعونی مصری اور اس کے ہمنواؤن کے اس قبیل کے خیالات کو خرافات سے زیادہ وقعت نہین
دیتے، فرعونی دعوت شروع ہونے کے ساتھ ہی ختم ہوگئی، جو لوگ ہر چیز مین تجدید اور ہر قدیم اور
مفید چیز کو مٹانے کی دعوت دیتے ہین، وہ قومون کے طبائع اور ان کی ترقی کی تاریخ سے ناواقف ہین،
اور خود بھی گمراہ ہین اور دوسرون کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہین، اس مضحکہ انگیز بنے ہوئے لبنانی فلسفی
کے دعوون کا بھی یہی حال ہے، ایسے لوگ محض اس لیے اس قسم کی باتین کہتے ہین تاکہ وہ عرب کے
بجائے مغربی کہلائین، اور اس لیے ایسی تنقیدین کرتے ہین کہ ناقد اور جدت طراز سمجھے جائین، اگر
وہ اپنے نفس کا محاسبہ کرین اور عقل کو حکم بنائین تو ان کی جھوٹی، باطل اور نفرت انگیز باتون پر
ان کو خود ہنسی آجائے گی، ان کی باتین بظاہر بہت میٹھی اور پسندیدہ لیکن درحقیقت نہایت تلخ
ہوتی ہین،

تیسرا باب

متعصب شعوبی اور منصف مزاج اشخاص

مخالفین کے بیانات پر تنقید اور مختلف قوموں پر بحث

بعض لوگوں کی فطرت اس قسم کی ہوتی ہے کہ اگر ان کو کسی شخص سے بغض ہوتا ہے تو اس کے تمام اوصاف حتی کہ بعض مسلمہ صفتوں کے بھی منکر ہوجاتے ہین، بعض کی فطرت ایسی ہوتی ہے کہ اگر وہ کسی ایک فرد یا چند افراد سے ناراض ہوتے ہین، تو اس کی پوری قوم سے برہم ہوجاتے ہین، بعض وہ ہوتے ہین کہ اگر ان کو کسی ایک شخص سے شکایت ہوتی ہے تو اس کے پورے اہل ملک کو برا کہنے لگتے ہین، بعض وہ ہوتے ہین جو کسی چیز کی محض اسلیے تحقیر کرتے ہین کہ وہ ان کے طریق عمل کے دائرہ مین داخل نہین ہوتی، یا ان کا ذوق اس کے اسرار کا ادراک نہین کرسکتا، اور اس کے حقایق تک وہ نہین پہنچ سکتے، اس لیے وہ اس کے بارہ مین اپنے ہی مسلک کو صحیح اور درست، اور دوسرون کی عقل نے جو باتین پیدا کی ہین، ان کو وہ بالکل بے حقیقت سمجھتے ہین، یہ پرانی مثل ہے کہ "جو شخص خود کسی چیز سے ناواقف ہوتا ہے تو اسکا دشمن بنجاتا ہے، اور کسی چیز کی محبت اندھا اور گونگا بنا دیتی ہے"۔ تمام انسانون کی فطرت خواہ کسی سرزمین سے ہون تقریباً یکسان ہے، اور غالباً وہ آیندہ بھی ذاتی جذبات وخواہشات کے پھندے سے آزاد نہ ہوسکین گے، بجز اس صورت کے کہ خدا انسانون کی خلقت بدل دے تو شاید ان کی روحین اور ان کی خواہشون کے محرکات بدل جائین۔

ابھی پچھلے دور میں ایک شعوبی نے مفکرین اسلام پر ایک کتاب لکھی ہے[1]، جس میں اپنی محدود معلومات کے مطابق مسلمان اکابر کا حال تحریر کیا ہے، اس موضوع پر یا تو اس کی معلومات بہت محدود ہیں یا اس نے صرف اپنے مطلب کی باتیں لے لی ہیں اور باقی کو چھوڑ دیا ہے، اس نے مسلمانوں کی تہذیب کا سہرا دوسری قوموں یا جو لوگ منافقانہ مسلمان بنے تھے، یا غیر مسلموں یا ان ملحدوں کے جو اسلامی جماعت سے نکل گئے تھے، سر باندھا ہے، اور کتاب کے خاتمہ میں اس کا اعتراف کیا ہے کہ عربوں میں بھی اچھی خصوصیات تھیں، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ ان کی سرزمین کے اثرات کا نتیجہ ہیں، اسلام کی تاثیر کو اس میں کوئی دخل نہیں، چنانچہ سلسلہ تحریر میں وہ لکھتا ہے کہ "اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض خصوصیات مرز بوم کے اثر سے پیدا ہوتی ہیں، مذہب کو ان سے تعلق نہیں ہوتا، مثلاً قضا و قدر کا عقیدہ، غور و فکر کا مادہ، شعر و فلسفہ کا مذاق، فنی احساسات کی لطافت، راحت و سکون کی جانب میلان، قانونی استعداد، فصلِ مقدمات میں ذہانت و ذکاوت وغیرہ اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں، ان میں سے بہت سی چیزیں اب مغرب میں بھی مقبول ہو رہی ہیں، اس مشینی دور، اس کے شور و غوغا، حرکت و اضطراب اور اس سے پیدا شدہ بےچینی کو ہر شخص پسند نہیں کرتا، اس قسم کا تصور مادی مذہب اور کسبِ دولت میں ہمارے اہل ملک کے انتہائی انہماک کے بارہ میں بھی ہے، اور ہم میں سے بہتیرے ان چیزوں سے گھبرا گئے ہیں اور ہماری روح ایک ایسی سادہ زندگی کی متلاشی ہے، جس میں انسان سکون و سلامتی کی دولت سے متمتع ہو سکے، محض حرکت و اضطراب اور دائمی کشمکش انسانی سعادت کا ذریعہ نہیں ہے، ہمارے علمی درجہ نے مشرق پر ہمارے کچھ حقوق قائم کر دیے ہیں، لیکن ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ اس استحقاق کی بنا پر ہم اپنے مطالبات میں حدود سے آگے نہ بڑھیں، اور مشرقی قوموں کی اچھی

[1] Carra de Vaux: Les Penseurs de l'Islam

خصوصیات اور اس کے اعلیٰ نمونون کا انکار نہ کرین، اور ان کے ملکون کے حسن و جمال، انکے سکون اور شانتی اور ان کی رونق کو جس مین اگرچہ کچھ سیاہ دھبے بھی ہین، ان کے لیے چھوڑ دین، گو ہم مادی قوت اور علوم و فنون کے ذریعہ مشرق کو مغلوب کر سکتے ہین، لیکن اگر ہم ان کے ساتھ عاقلانہ روش اور حسن معاملت کا طریقہ اختیار کرین تو اس مین ہمارا کوئی نقصان نہین ہی"۔

یہ باتین معقول ہین اور ان مین کسی قدر انصاف سے کام لیا گیا ہے، لیکن مصنف نے عربون کی امتیازی خصوصیات کو تنہا سرزمین کی جانب منسوب کرنے مین غلطی کی ہے، اسلام کی جانب اس کا انتساب اس پر شاق گذرا، اس کا یہ بیان بھی غلط ہے کہ مسلمانون کے تمدن کا بڑا حصہ غیر عربی عناصر کا پیدا کردہ ہے، اس نے اس نکتہ کو فراموش کر دیا کہ ایرانی قبطی، سریانی اور رومی قومون کے جو لوگ مسلمان ہوئے، انھون نے عربی درسگاہون مین تعلیم پائی، اور ان ہی کی زبان، انھی کا مذہب، کلچر اور عادات و اطوار سیکھے، اس لیے اگرچہ ابن سینا، غزالی، بیرونی اور رازی وغیرہ علما، نسلاً عجمی تھے، لیکن اپنی تعلیم و تربیت اور نشو و نما اور کلچر مین عرب تھے، اسی طریقہ سے جاحظ، ابن رشد، ابن خلدون اور ابن ازہر وغیرہ گو نسل اور کلچر کے اعتبار سے عرب تھے، لیکن اپنے مرتبہ اور دنیاوی دولت و وجاہت مین مذکورۂ بالا علما سے کم نہ تھے، جزیرۃ العرب جیسے کم آبادی رکھنے والے ملک مین دنیا کے بڑے بڑے فاتح اور حاملین شریعت پیدا ہوئے جن کے وسیع مفتوحہ ملکون کا نظام چلانے کے لیے لاکھوں آدمیون اور بہت سے علوم کی ضرورت تھی، اس لیے عربون نے جو حکمران قوم سے تھے اپنے کو امور مملکت کے لیے مخصوص کر لیا، اور عجمیون نے علم و تہذیب کی اشاعت مین ان کی مدد کی،

آج یورپ مین کوئی قوم ایسی نہین ہے جو خالص ایک ہی نسل کے آدمیون پر مشتمل ہو، فرانسیسی قوم مین خالص فرانسیسیون کے علاوہ بہت سے پولش، اطالوی، انگریز اور جرمن نسل کے آدمی

بھی ہین، اسی طریقہ سے ان مین سے ہر قوم دوسری نسل کے آدمیون سے مخلوط ہے، حقیقت یہ ہے

کہ انسان اپنی تربیت کا فرزند ہے، جس کے اثرات اس پر حاوی رہتے ہین، ایک فرانسیسی مفکر کا

بیان ہے کہ "ہم اپنی تاریخ، اپنے آداب وتہذیب وعلوم وفنون کے بڑے حصہ مین ان اجنبی

لوگون کے مقروض ہین جن کا ہماری نسل سے کوئی تعلق نہین تھا، شنیہ شاعر رومن نسل کا تھا.

روسو سارہنگیرین تھا، پول فالیری، میرابو اور گامبٹی کی طرح اطالوی نسل کا تھا، اسی طریقہ سے

فرقہ کے تمام بڑے بڑے لوگون مین نپولین سے لیکر اس کے بعد تک سب غیر فرانسیسی نسل

کے تھے. برگسان فلسفی اور ٹرسٹان برنارجو فرانسیسی سمجھے جاتے ہین، دراصل یہودی النسل تھے

ہنری ہین یہودی النسل جرمن تھا، اگر تلاش وتفتیش سے کام لیا جائے تو بعض شاہی خانوادے

بھی دوسری نسلون سے تھے، چنانچہ اٹلی کے بادشاہ کا تعلق فرانس کے سافو خاندان سے ہے،

"المفکرین فی الاسلام" کا مصنف اپنے خیالات کے لحاظ سے شکریہ کا مستحق ہے، اگرچہ وہ

صحیح راستہ سے تھوڑا سا ہٹ گیا ہے، تاہم وہ ان لوگون مین نہین ہے. جو اسلام کے بارہ مین

بلاتخصیص عام حکم لگا دیتے ہین جس کو منطق سے کوئی تعلق نہین ہوتا، مثلاً ایک مصنف لکھتا ہے

> "اسلام شعلہ نہین، بلکہ شعلہ کو بجھانے والا تھا، جو ایک وحشی قوم کے لیے ایک وحشی
> (نعوذ باللہ) کے دل سے نکلا تھا، اور وہ ہمیشہ تمدن کا ساتھ دینے سے قاصر اور جہان
> جہان اس کا اقتدار رہا، تمدنی ترقی مین حائل رہا، اور اس نے انسانی سوسائٹی کا گلا گھونٹ دیا"[1]

ان خرافات سے زیادہ حماقت، بدی اور فتورعقل کی باتین اور کیا ہون گی، سمجھ مین نہین

آتا کہ "متمدن انسان" اس کا انکار کس طرح کر سکتا ہے کہ اس پیغمبر کی عقل نے دنیا مین ایک

انقلاب برپا کر دیا، اور اس کے اعمال جلیلہ کی بنا پر اس کا شمار تاریخ کے سب سے بڑے انسان

[1] Andre Servier: L'Islam et La Psychologie du musulman

مین ہوتا ہے، اور اس کی بربری قوم کی کشور کشائی اور اس کے تمدنی کارنامون پر بڑی بڑی قومین حسد اور اس کی ترقیون اور کمالات پر بڑے بڑے عقلاء اور علماء رشک کرتے ہین،

فرانسیسی، اطالوی، برطانوی اور روسی علماء کے خیالات

لیبان[1] کہتا ہے کہ "اس مین شک نہین کہ یورپین اقوام تہذیب وتمدن پھیلانے مین ماہر ہین، لیکن روم کے عہد سے مسلمان ہی تنہا وہ قوم تھے جو صحیح معنون مین علم وتمدن کے حامل تھے، اور وہی تنہا دوسری قومون کے نئے عناصر مین تمدن کے اصلی مواد یعنی مذہب، تعمیرات اور صنعت وحرفت پھیلانے مین کامیاب ہوئے"۔ اسی سلسلہ مین لیبان سوال کرتا ہے "کیا ہمارا یہ فرض نہین ہے کہ ہم بتائین کہ عرب اور تنہا عرب ہی وہ تھے جنھون نے ہم کو یونانی اور لاطینی دنیا کا پتہ بتایا، اور یورپ کی تمام یونیورسٹیان جن مین پیرس یونیورسٹی بھی ہے، چھ سو برس تک ان ہی کی کتابون کے ترجمون پر زندہ رہین، اور علمی بحث ونظر مین ان ہی کا طریقہ اختیار کیا، تاریخ مین سب سے زیادہ حیرت خیز وتعجب انگیز چیز عربی تمدن ہے"۔ اسی کا بیان ہے کہ "آدمی جسقدر غور وتامل سے عربی تمدن کا مطالعہ کرے گا، اسی قدر نئی نئی باتین اس کے سامنے آئین گی، اور دنیا اس کی نگاہون مین وسیع ہوجائے گی، اور اس پر یہ حقیقت واضح ہوجائے گی کہ قرون وسطی عربون ہی کے ذریعہ پرانی قومون سے واقف ہوا، اور مغرب کی یونیورسٹیان پانسو برس تک محض عربی کتابون کے بل بوتے پر زندہ رہین، اور عربون ہی نے یورپ کو مادی عقلی اور اخلاقی حیثیت سے متمدن بنایا، اور جب کوئی شخص عربون کے کارنامون اور ان کے علمی اکتشافات کا مطالعہ کرے گا تو اس پر یہ امر واضح ہوجائے گا کہ ایک قلیل مدت مین جس مین عربون کی حکومت پیدا اور ختم بھی ہوگئی، انھون نے جو نتائج پیدا کیے وہ کوئی قوم نہ کرسکی اور جو شخص بھی ان کی صنعت وحرفت اور علوم وفنون پر نظر ڈالے گا تو اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور

[1] Gustave Le Bon: La Psychologie Politique

ہوگا کہ ان مین ایک خاص امتیازی ملکہ تھا، جو دوسری قومون مین نہین تھا، مغرب پر ان کا بڑا اثر پڑا لیکن
مشرق پر ان کے اس سے بھی زیادہ اثرات ہین، دنیا کی کسی قوم مین بھی اثر اندازی کی یہ قوت نہین تھی،
اشوری، ایرانی، مصری، یونانی اور رومی وغیرہ جو جو قومین ان کی محکوم تھین، ان سب کے آثار مٹ گئے
اور ان کے مذہب، زبان اور فنون کے تذکرہ کے علاوہ ان کا بہت کم نشان باقی رہا، عربون پر
بھی زوال آیا، لیکن ان کے تمدن کے اہم عناصر یعنی مذہب اور فنون اب تک زندہ ہین"۔ اسی
مصنف کا قول ہے کہ "سب سے پہلے عربون ہی نے دنیا کو بتایا کہ" دین پر استقامت کے ساتھ خیال
کی آزادی کس طرح جمع ہو سکتی ہے"۔ کارلائل کہتا ہے کہ" وہ قوم جو صحرا نوردی کی زندگی بسر کرتی تھی
اور صدیون گمنام رہی، نبی عربی صلعم کے ظہور کے بعد علوم و معارف مین ساری دنیا کی قبلۂ امید
بن گئی، اور اپنے نبی کے ذریعہ اتنی شوکت و قوت حاصل کر لی کہ ایک صدی کے اندر پورا کرۂ ارض
اس کی عقل اور اس کے علوم سے پر نور ہو گیا"۔

یہ ہے وہ اسلام اور یہ ہین اس کے کارنامے جس نے "ایک متمدن مصنف" کے بقول انسانی
اجتماع کا گلا گھونٹ دیا، اور تمدن کو ہر جگہ مفلوج کر دیا، اور وہ ایک وحشی قوم کے لیے نعوذباللہ
ایک وحشی کے دل سے پیدا ہوا تھا۔

بوتردلون[1] نے فرانس کو یہ مشورہ دیا ہے کہ" وہ اہل تونس کو ایسے رنگ مین رنگ دے
کہ وہ اپنے قدیم یعنی عربون کی حکومت سے پہلے کے اوضاع و اطوار اختیار کر لین، عربون نے
ان کو جو قانون دیا وہ ایک راعی نے رعایا کے لیے بنایا تھا، اور ان کی شریعت کا کسی متمدن
سوسائٹی کے مزاج سے جیسے کہ کارتھیج مین مطابقت کرنا دشوار ہے، اور تونس مین شہری نظام، آرٹ
اور فنون لطیفہ، تعمیرات و ہندسہ وغیرہ کے جو پرانے آثار باقی ہین، وہ جیسا کہ عام خیال ہے، عربونکی

[1] ملاحظہ ہو رسالہ المقتبس ج ۲

ایجاد نہیں ہیں، بلکہ ان کے پہلے تمدن کی یادگار ہیں، جو عرب: تحین کے زمانہ میں ان کے بے نتیجہ اعمال کی بدولت برباد ہو گئے"۔

اس قسم کے اور بھی خرافات ہیں، ہم ان سب کی نقل اور تردید میں اس بحث کو طول دینا نہیں چاہتے۔ فرانس کا ایک مورخ ادیب لکو وفاریر[1] لکھتا ہے کہ "جنگ پوائیٹیہ میں عربوں کی شکست نے مغربی تمدن کو آٹھ صدی پیچھے ہٹا دیا، اگر وہ اس جنگ میں کامیاب ہو گئے ہوتے تو اسی زمانہ میں اپنا تمدن مغرب میں لے آتے اور اہل مغرب کی انتہائی جہالت کا زمانہ اتنا طویل نہ ہوتا"۔

سمنوف[2] کا بیان ہے کہ "جنگ صلیبی سے بچنا آسانی سے ممکن تھا، لیکن جہالت مذہبی وسیاسی اوہام پرستی اور پاپائیت کی مصلحتوں نے اس کو برپا کرنے میں مدد دی"۔

لوفس لکھتا ہے کہ "مشہور غالی سپہ سالار فرسنجتوریس پر قیصر کی فتحیابی میں ہماری کھلی بدبختی نہیں تھی، اور ہم اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے کہ اگر چارلس مارٹل نے ۷۳۲ء میں عربوں کو آگے بڑھنے سے نہ روک دیا تو انسانیت کتنے مصائب و آلام اور کتنے قسم کے جرائم سے بچ جاتی اور وہ بلند تہذیب جس کے حاملین کو صلیبی مجاہدین غم وغصہ کی حالت میں تحقیر آمیز لفظ کفار اور بت پرست کے لقب سے یاد کرتے تھے، مغربی یورپ میں فرنگی اور رومن تہذیب پر بہت پہلے اثر انداز ہو چکی ہوتی"۔

مشہور اطالوی عالم لوئیجی رینالڈی[3] اٹلی اور اسپین میں مسلمانوں کے کارناموں پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "ایک ایسی قوم جس کی یہ تہذیب اور جس کے ایسے آثار اور قابل فخر کارنامے ہوں

---

[1] عربی: زیدان کے ناول عباسہ کا مقدمہ از فاریر

[2] Marie Semenoff: Histoire de Russie

[3] مدرسہ، منتظمہ ۵۵

اس کی مستحق ہے، بلکہ ہم پر فرض ہے کہ ہم اس کی ان احسانات کو جو اس نے گذشتہ زمانہ مین ہم پر کیے تھے نہ بھولین، یہ سمجھنے سے ہماری فہم قاصر ہے کہ اس بلند مرتبہ عربی قوم کے بارہ مین جس نے تمدن کے راستہ مین بہت سے نشانات چھوڑے ہین، اور جو انسانیت کی خدمت اور امداد و اعانت کے بڑے وسائل اپنے ساتھ لائی، ایک کلمہ خیر بھی سننے مین نہین آتا، عربون کو انکے رتبہ سے گرانے کی کوشش اور انکو انکا اصلی مرتبہ و مقام دینے مین، جس کے وہ بجا طور سے مستحق ہین، وہی شخص بخل کرسکتا ہے، جو تاریخ سے بالکل ناواقف ہے، انھون نے ایسی اعلیٰ درجہ کی کتابین لکھین کہ ان سے محبت کرنا ہر انسان کا فرض ہے، میری طرح دوسرے منصف مزاج لوگون کے لیے بھی یہ بات بڑی تکلیف دہ ہے کہ ہم یورپینون مین آج بھی ایسے افراد موجود ہین جو محض اپنی جہالت اور سوء ظن کی بنا پر عربون کی تحقیر کرتے اور ان کو اپنی قوم سے پست سمجھتے ہین اور ہم مین "عربی" کا لفظ ہی غیر متمدن کا مرادف ہوگیا ہے، جو یقیناً افسوس اور احسان فراموشی ہے، اگرچہ آج یہ قوم اپنے بلند درجہ سے گرگئی ہے، لیکن اب بھی وہ اپنے اندر وہ عجیب و غریب اوصاف اور بے نظیر ذکاوت و ذہانت رکھتی ہے، جس سے ہر ترقی یافتہ طالب علم متصف ہوتا ہے، ہم مین عربون کی فراست، طبیعات مین ان کی دقت نظر اور سرعت فہم کی یاد برابر تازہ رہتی ہے، ہم کو علم و معرفت کا جو درجہ بھی حاصل ہوا ہے وہ ان ہی کا طفیل ہے، اس لیے ہم اپنے دلون مین اب بھی ان صحرازادون کے ساتھ مہر و محبت کے جذبات محسوس اور گذشتہ زمانہ مین انھون نے ہم پر جو عظیم الشان احسانات کیے ہین، اس کا ذکر ہم شکر گذاری اور منت پذیری کیساتھ کرتے ہین موجودہ زمانہ مین ان کی ترقی مین مدد دینا ہمارا فرض ہے، تاکہ وہ اپنا اصلی مقام جس کے وہ درحقیقت مستحق ہین پھر حاصل کرلین اور وہ بھی ہماری تہذیب سے جس کے وہ ایک زمانہ مین موجد تھے، اور اس کو ترقی دینے مین پیش پیش رہ چکے ہین، فائدہ اٹھانے مین برابر کے شریک ہوجائین"۔

عربی تمدنون پر بحث بعض مصنفین عربون اور اسلام کے متعلق ایسی باتین لکھتے ہیں جو بظاہر تو ان کے احترام کے خلاف نہین ہوتین، اور ان سے ان کا استخفاف ظاہر نہین ہوتا، لیکن در پردہ اسمین معنی پنہان ہوتے ہین، مثلاً بعض امریکن مورخین کی یہ تحریر کہ "اسلامی ملکون کے انتہاپسند لوگون کا رجحان یہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کے پہلے کی ہر چیز گویا ہماری موجودہ دنیا کے علاوہ کسی دوسرے عالم کے لیے مخصوص تھی، اس لیے وہ زیادہ اعتنا کی مستحق نہین ہے۔" درحقیقت یہ صرف ان چند اشخاص کی رائے ہے جو اسلام کی تاریخ کے ہر پہلو کے محقق اور ثابت شدہ ہونے کی وجہ سے اس مین پوری بصیرت رکھتے ہین، اسی کے ساتھ وہ بھی یہ سمجھتے ہین کہ قدیم اقوام کی تاریخ کے آثار کا ابھی تک پورا انکشاف نہین ہوا ہے، اور اس کی تلاش و تحقیق کا سلسلہ برابر جاری ہے، اور اس کے متعلق نئی نئی اور نامعلوم باتین معلوم ہوتی رہین گی،[1] اپنی تاریخ سے عربون کے شغف کے یہ معنی نہین ہین کہ ان کو یہ دعویٰ ہے کہ تمام قومون مین سب سے پہلے ان ہی کی تاریخ لکھی گئی، یا وہ تمدن کے پہلے موجد ہین، انھون نے یہ دعویٰ بھی کبھی نہین کیا کہ وہ اپنی تہذیب آسمان سے لیکر اترے تھے، بلکہ وہ صرف یہ کہتے ہین جس کو انھون نے عملاً بھی ثابت کر دیا ہے کہ انھون نے مختلف پرانی قومون کی تہذیبون کو لیکر اپنی استطاعت کے مطابق اس مین اضافہ کیا، اور اس کو پوری امانت کے ساتھ جدید متمدن قومون تک بھی دیا،

اس قسم کی بظاہر نرم لیکن درحقیقت نہایت سخت گوڈ فرد اڈمومبین[2] کی یہ رائے ہے جس مین

[1] یہان عبارت ذرا گنجلک ہوگئی ہے، مصنف کا مطلب یہ ہے کہ اسلام اور عربون کا زمانہ تاریخی دور کا ہے، ان پر بیشمار کتابین لکھی گئی ہین، اس لیے انکی تاریخ کا ہر پہلو بالکل واضح، غیر مشتبہ اور یقینی ہے، ان کے مقابلہ مین تاریخی زمانہ سے پہلے کی قومون کی تاریخ کا مدار اثری انکشافات پر ہے، جو ابھی تک مکمل نہین ہوئی ہین اور ان کی تلاش و تحقیقات کا سلسلہ برابر جاری ہے، اسلیے عربون کی مسلمہ اور یقینی تاریخ کے مقابلہ مین ان کی تاریخ ظنی یا کم از کم اتنی یقینی نہین ہے اس لیے بعض مسلمان مورخین نے ان کی جانب زیادہ اعتنا نہیں کیا۔ (مترجم) [2] کتاب الفاریخ المورخ

اس نے صحیح تاریخ کو مسخ کیا ہے کہ "اسلام کی اس انتہائی تاخت و تاراج نے جس سے بڑھکر تصور نہیں ہو سکتی، اور اس سے حاصل شدہ مال غنیمت نے عربون کو اتنا مدہوش کر دیا کہ وہ بعض چیزون کے اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے، مثلاً بنی امیہ مکہ کے تاجر تھے، ان مین مالی معاملات کرنے کا فطرۃً نہایت اچھا سلیقہ تھا، اس لیے انھون نے صرف مال غنیمت اور خراج کی تحصیل وصول سے سروکار رکھا، اور مفتوحہ قومون کو ان کے بنیر نطینی اور ایرانی قوانین کے مطابق اپنے اوپر حکومت کرنے لیے آزاد چھوڑ دیا۔"

اس سے مصنف کا مقصد یہ ہے کہ اموی تاجر تھے اور اپنی تجارت کے فروغ کے لیے انھون نے دوسرے ملکون کو فتح کیا تھا، اور تاجر کا مقصد صرف حصول دولت ہوتا ہے، اس کو انتظام مملکت سے علاقہ نہیں ہوتا، اس لیے اموی فاتحین کو صرف اپنی تجارت سے شغف رہا اور انھون نے مفتوحہ ملکون کے باشندون کو آزاد چھوڑ دیا کہ وہ اپنے لیے جو طریقہ حکومت پسند کرین اس کو اختیار کرین، لیکن مصنف نے اس کو فراموش کر دیا کہ یہ تاجر (بنی امیہ) زمانہ جاہلیت مین بھی امرار تھے، ان مین حکومت اور مجد و شرف پشتہا پشت سے چلا آتا تھا، ان ہی تاجرون نے مشرق مین چین اور مغرب مین اندلس تک مذہب کا جھنڈا بلند کیا اور اپنے تمدن اور زبان کو اس طرح پھیلا دیا کہ مورخین اس کو دنیا کے حیرت انگیز واقعہ سے تعبیر کرتے ہین، حدیث نبوی مین ہے کہ "انسان بھی کان کی طرح ہین، ان مین سے جو لوگ زمانہ جاہلیت مین بہتر تھے وہ اگر عقل و سمجھ سے کام لین تو زمانہ اسلام مین بھی بہتر ہون گے"

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مین ہے کہ زمانہ جاہلیت مین خاندان قریش مین فوج کی سپہ سالاری کا عہدہ امیہ بنی عبد شمس (بانی خاندان بنی امیہ) کے ہاتھون مین تھا، اس لیے ان کی اولاد کو ہر زمانہ مین فوجی اور سیاسی تنظیم مین بصیرت حاصل رہی[1]

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لفظ امیہ

عربون کو اس بات پہ ملامت نہین کیجا سکتی کہ انھون نے جن ملکون کو فتح کیا ان مین ایک طرح کی ڈیماکریسی کی داغ بیل ڈال دی یعنی اس کے باشندون کے اخلاق اور ان چیزون سے جو ان کے مناسب حال ہون واقفیت حاصل کر کے ان کو ان کے معاملات مین آزاد چھوڑ دیا، اور اپنی حیثیت صرف مقتدر اعلیٰ تک محدود رکھی،

لیبان کا بیان ہے کہ "عرب عقل و دانش مین جدید سیاست کے بہت سے بڑے آدمیون سے بہتر تھے، وہ اس نکتہ سے پوری طرح واقف تھے کہ ایک قوم کے اوضاع و اطوار بعینہ دوسری قوم کے لیے مناسب نہین ہین، اس لیے ان کا اصول یہ تھا کہ وہ مفتوحون کو اس کی پوری آزادی دیدیتے تھے کہ وہ اپنے ملکی قوانین، رسم و رواج، عادات و خصائل اور عقائد کو قائم رکھیں،

مشہور امریکی عالم لوتھراب اسٹوڈارڈ لکھتا ہے کہ "عرب کبھی بھی لوٹ مار اور تباہی و بربادی پیدا نہین کرتے تھے، بلکہ اس کے برعکس ایک بلند اخلاق اور پسندیدہ خصلت قوم تھے، تحصیل علم کے بڑے شائق اور ان تہذیبی نعمتون کے جو ان کو گذشتہ تہذیبون سے ملی تھین، بڑے محسن تھے، پھر جب فاتح مفتوح قوم مین عقیدہ کی وحدت کے ساتھ ازدواج کا سلسلہ قائم ہو گیا تو دونون بہت گھل مل گئے، اور اس اختلاط سے ایک نئی تہذیب پیدا ہوئی جو یونانی رومانی اور ایرانی تہذیب کا مجموعہ اور ان کی مجدد تھی، اس نے عربون مین ایک نئی روح پیدا کر کے ان کو سرسبز و شاداب کر دیا اور عربی عبقریت اور اسلامی روح نے ان عناصر کو اس طرح آپس مین ملا دیا کہ وہ باہم جذب ہو کر ایک قالب بن گئے اور بڑی رفعت و ترقی حاصل کی، اور ابتدائی تین صدیون (۶۵۰ء سے ۱۰۰۰ء) تک اسلامی ملکون کی حالت ہر حیثیت سے ترقی پذیر رہی اور وہ تہذیب و ترقی اور آبادی کے لحاظ سے ہر ملک سے

لہ حاضر العالم الاسلامی

بہتر تھے، وہ بڑے بڑے بارونق شہرون، آباد اور معمور پایہ تختون، عالیشان مسجدون اور منظم علمی یونیورسٹیون سے آراستہ و مزین تھے، اور ان مین قدما، کی حکمت اور علوم کے خزانے پوری شان سے تابان تھے، ان صدیون مین اسلامی مشرق برابر نصرانی مغرب پر نور افشانی کرتا رہا، اس کے بعد اس آسمان کے تارے ڈوب گئے. اس پر شب تار چھا گئی، اور اس کا دور ظلمت شروع ہو گیا،

مختلف خطون کے اسلام اور اسلام و نصرانیت پر بحث

عربی تہذیب کے بارہ مین بعض مغربی مصنفین کی سنجیدہ رائین اور انکے خرافات وہ ہین جو اوپر مذکور ہوئے، اس کے باوجود ہم بعض مصنفین سے اس لیے حسن ظن رکھتے اور ان کے غیر منصفانہ فیصلون کی یہ توجیہ کرتے ہین کہ انھون نے بعض خطہ کے مسلمانون کے بعض تہذیبی مظاہر کو دیکھ کر اور اس کو موجودہ زمانہ کے تمدن سے کمتر پاکر ابتدائی دور کے اسلام اور بعد کے زمانہ کے اسلام، مشرق کے اسلام اور مغرب کے اسلام کے متعلق ایک عام حکم لگا دیا، حالانکہ یہ معلوم ہے کہ وسط افریقہ اور مشرق و مغرب مین اسلام کے اثرات و مظاہر مختلف ہین، اسی طریقہ سے قرون اولی کا اسلام قرون وسطی اور موجودہ زمانہ کے اسلام سے اور عربی حکومتون کا اسلامی عجمی حکومتون کے اسلام سے مختلف ہے، بلکہ مختلف خطون اور قومون مین اسلام کے اثرات و مظاہر مختلف ہین. اس لیے اگر آج کسی مسلمان قوم مین کوئی بڑی کمزوری پیدا ہو گئی ہے تو اسکا سبب مذہب اسلام نہین، بلکہ اس مین اس قوم اور اس کے ماحول کا قصور ہے، قانون رجعت اور بڑے اجتماعی عوامل کے اثرات سے مسلمان بھی مستثنی نہین، اس لیے مسلمانون کی کمزوری کا الزام اسلام پر رکھنا صحیح نہین ہے، اس قسم کا مشاہدہ عیسوی مذہب مین بھی کیا جا سکتا ہے، چنانچہ پاپائیت کے دور کی عیسائیت دینی اصلاح کے زمانہ کی عیسائیت سے بالکل مختلف ہے، اسی طریقہ سے ابتدائی دور کی اور بعد کے زمانہ کی عیسائیت مین بڑا فرق ہے، اور مشرقی و مغربی اور شمالی و جنوبی یورپ اور شمالی اور مغربی امریکہ کی عیسائیت مین بھی اختلاف ہے، جو بالکل فطری ہے، اس لیے کہ سارے

موجودات مین نشوو ارتقا کا سلسلہ جاری ہے اور اس پر ہر ملک کے حالات اور اس کے ماحول کا اثر پڑتا ہے،

آخری دور مین بعض مسلمان قومون کے زوال وانحطاط کو دیکھکر مغرب کے بعض علماے اجتماعیات کو مسلمانون کے مذہب اور ان کے تمدن اور ان کی تاریخ سے بدگمانی پیدا ہوگئی ہے، جو صحیح نہین ہے، اس لیے کہ انحطاط کے اسباب وعوامل دوسرے ہوتے ہین، جن کو مذہب سے زیادہ علاقہ نہین ہوتا، ان پر ہم آیندہ ابواب مین بحث کرین گے، مذہب اسلام اور اس کے تمدنی قوانین ومسائل تحریری شکل مین قلمبند اور مدون موجود ہین، اور منصف مزاج ان کو تنقید کی کسوٹی پر جانچ کر صحیح فیصلہ کرسکتا ہے، زیادہ افسوس اس پر ہوتا ہے کہ ان مسائل پر لکھنے والے بعض اوقات بت پرست تہذیب[1] کے احترام اور اس کی عظمت وتوقیر مین محض اس لیے انتہائی مبالغہ کرتے ہین کہ وہ ان کے گمان کے مطابق ان کے ملک مین ان کے اجداد کے ہاتھون پیدا ہوئی۔ اور پھر مختلف عوامل کے اثرات سے مٹ بھی گئی، لیکن اسلاف پرست قومین اب تک اس کا راگ اس طرح الاپتی رہتی ہین ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بت پرستی توحید سے زیادہ سودمند اور بتون کی پوجا خداے واحد کی عبادت سے زیادہ ترقی مین معاون ہے، اور جن لوگون نے بت پرستی کرکے انسانی شرف کی تحقیر کی وہ انسانیت کا احترام کرنے والون سے زیادہ بہتر تھے، اور جنھون نے اخلاق کو بگاڑا وہ اس کے سنوارنے والون سے زیادہ موثر تھے، اس کو کوئی عقل سلیم بھی قبول نہین کرسکتی۔

بعض شعوبیون پر یہ گران گذرا کہ عربون کی جانب کوئی اچھی خصلت بھی منسوب کی جائے، اس لیے انھون نے ان کو ان فضائل سے بھی محروم کردیا جو زمانہ جاہلیت اور اسلام دونون مین مسلم چلے آتے ہین، ان مین کچھ ایسے بھی ہین جو اگرچہ عربون کی فضیلت کے معترف ہین، لیکن

[1] اس سے مراد رومن تہذیب ہے۔

ان پر بھی اس کا اعتراف شاق ہے کہ عربون نے تہذیب و تمدن کی خدمت کا پورا حق ادا کیا ہے، ان مین چارلس کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے، گو وہ بڑا عالم ہے، لیکن عربون کی تاریخ اس کا خاص موضوع نہین ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ[1] "جب قرون وسطیٰ کی تاریکی نے ہر چیز کو اپنے منحوس سایہ سے ڈھانک لیا تو غریب علم عربون کی پناہ لینے پر مجبور ہو گیا"۔ "پناہ لینے پر مجبور ہونے" سے عربون کا استخفاف ظاہر ہوتا ہے، حقائق کی بحث مین اس قسم کا انداز بیان مناسب نہین ہے، جب تک عربون کے کارنامے زندہ ہین وہ آفتاب نصف النہار کی طرح چمکتے رہین گے، ابن سینا اور رازی کی کتابین صدیون یورپ کی درسگاہون مین پڑھائی جاتی رہین، قانون ابن سینا یورپ کی یونیورسٹیون کے نصاب سے اٹھارہوین صدی مین نکالا گیا ہے، عربون کی پناہ لینے پر علم کی کونسی ذلت ہوئی، انھون نے نہ صرف اس کو پناہ دی بلکہ اس کی میزبانی کا پورا حق ادا کیا، خود اس سے فائدہ اٹھایا اور دوسرون کو فائدہ پہنچایا،

عربون کو ایسی تہذیب کی اشاعت مین کس طرح ملامت کی جا سکتی ہے، جس نے تو فنز کے بقول اسپین کے عربون کو ایک صدی کے اندر اس درجہ پہنچا دیا، جہانتک پہنچنے مین یورپ کو صدیان لگ گئین، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "تھوڑے ہی دنون مین وہ بربری (اسپین) پہنچ گئے، جو علم و فن مین بہت سی عیسائی قومون سے زیادہ ترقی یافتہ تھے، اور مسلمانون کے دور مین اسپین کو اتنا فائدہ پہنچا کہ ان کے بعد پھر کسی زمانہ مین نہین پہنچا، اور اہل مغرب کو طوعاً و کرہاً اس کا اعتراف کرنا پڑا کہ عرب جس طرح جنگی صنعتون کے ماہر تھے، اسی طرح امن و سکون کے دور کی صنعتون مین بھی ان کو مہارت تھی"۔[2]

بعض شعوبیون کا یہ دعویٰ کہ "اسلام مانع ترقی ہے" اور جس قوم نے اس کو قبول کیا اس کو

[1] Charles Richet: Les Caractères de ce temps. Le Savant

[2] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام

زوال طاری ہو گیا" حقائق کے خلاف ہے، اور تاریخی شواہد اس کی تردید کرتے ہین، یورپ عیسائی مذہب قبول کرنے کے ایک ہزار سال بعد تک وحشت و بربریت کی تاریکی مین گھرا رہا اور اس کی جہالت اور اس کا انحطاط اس درجہ کو پہنچ گیا تھا کہ دسوین صدی کے شروع مین کل سو عربون نے اٹلی اور سوئزرلینڈ کا ایک حصہ فتح کر لیا، ان کے پہاڑون اور درون پر قبضہ کر کے یہاں قلعے اور برج تعمیر کیے اور ان اطراف کے حکمرانون سے لڑائیان کین، اور پوری ایک صدی تک ان قلعون اور برجون کے حاکم رہے، اور ان ملکون کے باشندون کو ذلت و خواری کا مزا چکھاتے رہے درآنحالیکہ ان نوآباد عربون کی تعداد کبھی ایک ہزار سے زیادہ نہین ہوئی...... اس لیے اگر اس زمانہ مین یورپ کی وحشت و بربریت کا سبب دین مسیحی نہین تھا، تو آج کے مسلمانون کے زوال کا سبب اسلام کو کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے، [1]

مسلمان اور تہذیب و تمدن اور انکے بارہ مین علماء مغربی کی رائے

مسلمانون اور عربون نے دنیا مین جو کارنامے انجام دیے ہین کیا وہ انکے موجودہ زوال و انحطاط کے مقابلہ سفارشی نہین بن سکتے، اگر متعصب شعوبی انصاف سے کام لین اور مسلمانون کی موجودہ حالت کا ان کی ایک صدی قبل کی زبون حالی سے موازنہ کرین تو ان کو معلوم ہوگا کہ اسلامی مشرق پچھلے چند دنون سے پھر ترقی کی اس راہ پر گامزن ہو گیا ہے جس پر صدیون فائز رہ چکا ہے، رابرٹ شیولٹ فلو لکھتا ہے [2] کہ "اسلامی مشرق اب رواداری عقل و دانش، روشنی و ترقی اور اخوت کے راستہ پر گامزن ہے، اور اس نے انسانیت عظمی کے طور طریقے اختیار کر لیے ہین؛"

ایک ایسی قوم جس کا پرانی تاریخ مین وہ مقام اور موجودہ زمانہ مین یہ حال ہو، اس کی

---

[1] حاضر العالم الاسلامی تعلیق شکیب ارسلان

[2] Robert Chauvelot: Ou va l. Islam

مستحق ہے کہ اس کے ساتھ انصاف سے کام لیا جائے، آج بھی بہت سے مسلمان جدید مغربی تہذیب سے اپنی پسند و ضرورت کے مطابق فائدہ اٹھانے مین مضائقہ نہین سمجھتے، اس رواداری کا سبب یہ ہے کہ وہ اس قوم کی یادگار ہین جس نے ایک بلند تہذیب پیدا کی تھی، خواہ اس کے دشمن کچھ ہی کیون نہ کہین، لیکن اس سے انکار نہین کر سکتے کہ قدیم رومن تہذیب اور نئے تمدن کی درمیانی کڑی مسلمان ہی تھے،

آج مشرق مین ایک علمی حرکت اور آگے بڑھنے کا ولولہ ہے، اور اس مین صرف تنظیم و اتحاد کی کمی ہے، موریس پرنٹ جس نے بہت سے اسلامی ملکون کی سیاحت کی ہے، لکھتا ہے کہ[1] "مجھے اندازہ ہوا کہ مشرق کی کمزوری کا سب سے بڑا سبب ان مین تنظیم اور وحدت کلمہ کی کمی ہے، مین جہان جہان بھی گیا بیشتر مقامات کے باشندون مین ذکاوت و حسن خلق وغیرہ صفات حسنہ کے ساتھ ساتھ انکے طور طریقون مین نقص اور توازن مین ایسی کمی پائی جو بد نظمی کے قریب ہے"

یہ رائے نہایت صائب اور یہ تعریف نہایت صحیح ہے، اس بزرگ اور باعظمت تہذیب کے فرزندون کو عبرت پذیری نے ہوشیار کر دیا ہے، انھون نے اپنی کمزوریان معلوم کر لی ہین اور وہ خوبیون مین اپنے پیشرون کے برابر ہوجانا چاہتے ہین، اور وہ دن دور نہین جب مسلمان ترقی یافتہ قومون کے ہم دوش ہوجائین گے، ایک زوال زدہ قوم کے لیے ترقی یافتہ قومون کے کمالات کو حاصل کرنے کے لیے پچاس سال کی مدت کافی ہے، جو ترقیان دوسری قومون نے صدیون کی طویل مشقت کے بعد حاصل کی ہین، اس کا مغز و جوہر چند برسون مین حاصل کیا جا سکتا ہے، جاپان کی ترقی اس کا بین ثبوت ہے، البتہ اس کے دوسرے مظاہر کے حصول مین ایک زمانہ لگے گا،

---

[1] Maurice Pernot: En Asie musulmane

مسلمانون کے بارہ مین لیبان کی رائے جس نے اپنی پوری زندگی ان کی تاریخ و اجتماعیات کے مطالعہ و تحقیقات کے لیے وقف کر دی تھی یہ ہے[1] کہ "روسی اور بلقانی قومون کے مقابلہ مین مسلمانون مین عموماً اور ترکون مین خصوصاً ترقی کی زیادہ صلاحیت ہے، بعض مصنفین ان نیم وحشی قومون کی طرح جو تہذیب و ثقافت سے بالکل عاری ہوتی ہین، مسلمانون کو بھی سیاست و تاریخ مین جاہل سمجھتی ہین۔ اس قسم کی رائے ان کے ایک بیان مین ملتی ہے، جو انھون نے فرانسیسی اور یونانی بحث کے نام سے شایع کیا تھا، اس مین وہ لکھتے ہین "خواہ کہنے والے کچھ بھی کہین، لیکن اسلام ہمیشہ مخرب رہا ہے، اس لیے کہ وہ قرآن کی تعلیمات کے علاوہ کسی علم کو قبول نہین کرتا، اسلام ایک وحشی اور متعصب مذہب اور ایسی بڑی مصیبت ہے جس مین ایک عالم مبتلا ہوا"۔ یہ رائے نقل کرنے کے بعد لیبان اس پر تنقید کرتا ہے کہ "اس قسم کی عیب چینی کرنے والون نے یقیناً کبھی اسپین مصر و ہندوستان مین مسلمانون کی نفیس عمارتون کو نہین دیکھا ہے، اور وہ اسلامی یونیورسٹیون کے اُن عظیم الشان کارنامون سے بالکل ناواقف ہین، جو یورپ مین تہذیب کی ترقی مین ان کے ہاتھون انجام پائے، اس کے باوجود وہ لوگ جو نئے ارباب سیاست کے معتمد علیہ ہین، اپنی کتابون مین جن سے مسلمانون کے خلاف دلائل لاتے ہین، اس قسم کی جاہلانہ باتین لکھتے ہین، اور جس دن حکومت برطانیہ کا حاکم اعلیٰ مسلمانون کو یورپ سے نکالنے کا خیال دل مین لائے گا، تو وہ اس کے جواز کے لیے اس سے بہتر دلائل مہیا نہین کر سکتا"۔

اوجین یونگ لکھتا ہے[2] کہ "عرب باوجودیکہ قابل فخر ماضی رکھتے ہین، محض مسلمان ہونے کی وجہ سے ظاہری اور باطنی دونون حیثیتون سے پست ہو گئے، جنگی کارنامون مین بھی انکا

---

[1] Gustave Le Bon: L'evolution actuelle du Monde - illusions et realites -

[2] Eugene Yung: Le reveil de l'Islam et des Arabes

ماضی شاندار ہے، اور علمی مراتب، صنعت و حرفت اور رفاہ عام کے کامون مین بھی جس کو یورپ
نے قرون وسطی مین جب وہ نیم وحشی تھا، اپنی موجودہ ترقی کا ستون بنایا، غالباً اسلام کے نظام
اجتماعی کی قوت کا خطرہ یورپ اور اس کی بڑی بڑی حکومتون کو لرزہ براندام کیے رہتا ہے،
اس لیے کہ اسلامی تعلیمات مین بڑی آزادی ہے، وہ انسانی طبقات کی تقسیم اور ان مین امتیازات
کے قائل نہین ہے، اور نہ وہ مسیحی کلیسا کی طرح دینی اقتدار کی دعوت دیتا ہے، اس مین وہ سیاسی
فریب بھی نہین ہے جس کو موجودہ زمانہ کی حکومتون نے اپنا شعار بنالیا ہے، مسلمانون کا شعار
قلب و روح کی تسخیر ہے اور دنیا مین امن و سلامتی کا ذریعہ ہے، اور جو لوگ بھی اس کی مخالفت
کرینگے ان کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

چوتھا باب

وہ مہتم مسائل جن پر شعوبیوں نے اعتراضات کیے ہیں اور انکا جواب

رسول اللہ صلعم کی صداقت

متعصب شعوبیون نے اسلام کے جن اہم مسائل پر اعتراضات یا ان کے متعلق شکوک کا اظہار کیا ہے، وہ حسب ذیل ہین،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت، قرآن کی صحت، قضا و قدر کا عقیدہ، تعدد ازدواج طلاق، پردہ، اور غلامی کا جواز، نشہ آور چیزون، سود اور تصویر کی حرمت۔ ان مین سب سے اول پہلے مسئلہ پر بحث کی جاتی ہے، اس کے بعد اور مسائل پر گفتگو کی جائے گی،

ان ظالمون نے سب سے بڑا ظلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر کیا ہے، ان مین سے بعض کہتے ہین کہ (نعوذ باللہ) کھانے کی زیادتی کی وجہ سے آپ کو صرع کا مرض ہو گیا تھا، کچھ لوگون کا گمان ہے کہ مسلسل روزہ رکھنے کی وجہ سے سخت قسم کی حرارت پیدا ہو گئی تھی، بعضون کا خیال ہے کہ کسی عصبی مرض مین مبتلا تھے، یہ سارے شیطانی خیالات ہوائے نفس کا نتیجہ ہین اور انھون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق رائے قائم کرنے یہ بڑی کٹھن راہ اختیار کی ہے، فرانس کے مشہور مستشرق ماسینون نے یہ ثابت کر کے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحت اور عقل و دانش سے بہرہ مند تھے"[1] ان بیانات کا پردہ چاک کیا ہے، اس سے پہلے کارلائل نے بھی ان لوگون کی

[1] Emile Dermenghem La vie de Mohaed

تردید مین جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ گھٹانا چاہتے ہین لکھا تھا کہ[1] "اس زمانہ کے ہر مہذب انسان کے لیے یہ نہایت شرمناک بات ہے کہ وہ ان ظنون و اوہام کی جانب توجہ کرے کہ (نعوذ باللہ) اسلام جھوٹا مذہب ہے، یا محمد مکار اور فریبی تھے، اور اب وقت آگیا ہے کہ ہم اس قسم کی ذلیل اور شرمناک باتون کے خلاف جنگ کرین، اس رسول ؐ نے دنیا کو جو پیغام پہنچایا ہے وہ بارہ صدیون سے ہمارے ہی جیسے دو سو ملین انسانون کے لیے جن کو ہماری ہی طرح خدا نے پیدا کیا ہے، سراج منیر کا کام دے رہا ہے، کوئی شخص بھی یہ خیال کرسکتا ہے کہ جس پیغام کے مطابق بیشمار انسان زندگی بسر کرتے رہے اور اسی پر مر گئے، وہ صرف جھوٹ اور فریب ہوسکتا ہے مین کبھی اسکو باور نہین کرسکتا، اگر جھوٹ اور فریب کو خدا کی مخلوق مین ایسی ہی مقبولیت حاصل ہوسکتی ہے، اور وہ اسی طرح اس پر یقین کرسکتی ہے تو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ سارے انسان احمق اور مجنون ہین اور زندگی محض بے عقلی، تماشا اور گمراہی ہے اور انکا پیدا نہ ہونا ہی بہتر تھا"

کوئی بڑے سے بڑا محب رسول بھی آپ کی دعوت کی صداقت کی اس سے زیادہ منطقیانہ اور بہتر دلیل نہین دے سکتا۔

مشہور روسی فلسفی ٹالسٹائے کا بیان ہے کہ "اس مین کوئی شک و شبہہ نہین کہ خدا کے رسول محمد دنیا کے ان بڑے مصلحین مین تھے، جنھون نے انسانی سوسائٹی کی بڑی جلیل القدر خدمت انجام دی، ان کے لیے یہ فخر کافی ہے کہ انھون نے اخلاقی حیثیت سے ایک گری ہوئی قوم کو نور حق کا راستہ دکھایا، اس کو خونریزی اور انسانی قربانی سے روکا، اور اس کے لیے تہذیب و ترقی کی راہین کھول دین، ایسا عظیم الشان کام وہی انجام دے سکتا ہے جس کو غیبی تائید حاصل ہو اور ایسا شخص بڑی عزت و احترام کا مستحق ہے"۔

ولیم میور اپنی کتاب سیرت محمد مین لکھتا ہے کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنی باتون کی وضاحت

---

[1] ہیرو اینڈ ہیرو ورشپ کارلائل ترجمہ عربی

وصفائی اور اپنے دین کی سہولت و آسانی کے لحاظ سے خاص امتیاز حاصل تھا، انھون نے ایسے کام انجام دیے جو عقل کو متحیر کر دیتے ہین، تاریخ مین کوئی ایسا مصلح پیدا نہین ہوا جس نے محمد کی طرح اتنی مختصر مدت مین انسانون کو بیدار، اخلاق کو زندہ اور فضیلت کو سر بلند کیا ہو"

لین پول کا بیان ہے کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لطف، کرم، شجاعت اور دوسرے بہت سے محاسن اخلاق سے آراستہ تھے. کوئی انسان بھی جو ان کے بارہ مین رائے قائم کرنا چاہے وہ ان کے ان صفات حسنہ سے متاثر ہوئے بغیر نہین رہ سکتا، اور نہ ان کے اثر سے خالی ہو کر رائے قائم کر سکتا، محمد برسون اپنے خاندان اور قبیلہ والون کی دشمنی برداشت کرتے رہے، لیکن یہ دشمنی ان کے عزم کی قوت کو کمزور نہ کر سکی. ان کے لطف و کرم کا یہ حال تھا کہ وہ مصافحہ کرنیوالون کے ہاتھ سے خواہ وہ بچہ ہی کیون نہ ہو، اپنا ہاتھ پہلے علحدہ نہین کرتے تھے، وہ جب کسی مجمع کے سامنے سے گذرتے، خواہ وہ مردون کا ہو یا بچون کا تو اس کو سلام ضرور کرتے، اور اسوقت ان کے لبون پر ایک شیرین تبسم اور ان کی زبان مین ایک دل آویز نغمہ ہوتا جو سننے والون کے دلون کو مسحور کر لیتا" اسی لین پول کا بیان ہے کہ "یورپ کے بہت سے سوانح اور سیرت نگار جنھون نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت پر لکھا ہے، ان کی سیرت کو بدنما بنانے مین ..... افترا و بہتان کی آمیزش سے اپنا دامن نہ بچا سکے، مثلاً یہ کہ (نعوذ باللہ) رسول اللہ بڑے سنگدل ہلاکت خیز، نفسانی خواہشات مین غرق، فریبی، جھوٹے مدعی نبوت، جفاکار، سفاک، خون آشام تھے"

مونٹیو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض اہل یورپ کی نکتہ چینیون کی توجیہ کی ہے[1] کہ "رسول اللہ کے بارہ مین ایسی سخت و سنگین رائین محض اس لیے دی گئی ہین کہ جن مصلحین کے تفصیلی حالات معلوم ہین ان مین رسول اللہ کی مثال بالکل نادر ہے، انھون نے اخلاق کی اصلاح

[1] Montet: De l'état Present et de l'avenir de l'Islam

انسانی سوسائٹی کے تزکیہ و تطہیر کا جو کام انجام دیا ہے، اس کے لحاظ سے وہ انسانیت کے سب سے بڑے محسن شمار کیے جانے کے لائق ہین"۔ اسی سلسلہ مین وہ لکھتا ہے کہ "رسول اللہ کے اخلاق اور دینی مضبوطی مین جو ان کے افکار اور پورے وجود مین سرایت کیے ہوئی تھی، کوئی شک و شبہہ نہین، اور انھون نے دلی جذبہ سے اس کی اصلاح کی دعوت دی"۔

اٹلی کی ایک مصنفہ کا بیان[1] ہے کہ "قدیم علمائے مشرقیات مین ولیم میور، اور اسپرنگر اور نئے زمانہ کے علما مین گولڈزیہر نولدیکی، اور کاتیانی وغیرہ نے ایسے تنقیدی طریقے اختیار کیے ہین، جو مسلمانون کے طریقون کے بالکل خلاف ہین، اس کے باوجود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امانت کا انکو اعتراف کرنا پڑا، اور انھون نے پوری وضاحت کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ بلاشبہہ وحی کے ذریعہ احکام دیتے تھے، لیکن وحی کی جو انھون نے تشریحین کی ہین اور شکلین بیان کی ہین ان کو کوئی غیر مسلم ناقد قبول نہین کرسکتا"۔

ابن حزم کا بیان[2] ہے کہ عرب تہذیب و تمدن سے بالکل ناآشنا اور کسی کے ماتحت نہین تھے، مثلاً مضر ربیعہ، ایاد اور قضاعہ کے قبائل اپنے ملکون کے حکمران تھے، جن مین پشتہا پشت سے حکومت چلی آتی تھی، اس لیے وہ ظہور حق کے ساتھ ہی اس کے تابع فرمان بن گئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے، اور وہ لوگ جن کی تعداد ہزارون سے متجاوز تھی سب کے سب آپس مین سگے بھائی کی طرح بن گئے، اور ان مین سے جو بھی اپنی حکومت چھوڑ سکا وہ کسی خوف یا مال و عزت کی طمع کے بغیر اپنی رضا و رغبت سے رسول اللہ کے قاصد کے پاس چلا آیا، حالانکہ اس کی فوجی قوت رسول اللہ کی قوت سے زیادہ مضبوط تھی، اور وہ آپ سے زیادہ مال و اسلحہ کے مالک تھے، ان کے شہر بھی آپ کے شہر کے مقابلہ مین زیادہ وسیع تھے،

[1] Laura Veccia Vaglieri: Apologie de l'Islam [2] الملل والنحل

اسی طریقہ سے جب اسلام کی صداقت کی نشانیان عربون پر ظاہر ہوگئین اور اس نے اپنے معجزات سے ان کو متحیر کر دیا تو سارے عرب نے اسلام قبول کر لیا، ان مین اولیت کا شرف اوس اور خزرج کو حاصل ہوا، پھر کل قبائل ایک ایک کرکے اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے، اوس وخزرج نے جس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کی تھی وہ قوم سے نکالا ہوا تن تنہا تھا، اس کی قوم نے حسد کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیا تھا، وہ فقیر تھا، مال نہین رکھتا تھا، بے باپ کا یتیم تھا، اس کے نہ بھائی تھا نہ بھتیجا، نہ لڑکا، امی تھا، لکھنا پڑھنا نہین جانتا تھا، جس کے ملک مین اس کی نشو ونما ہوئی تھی، اجرت پر اپنی قوم کی بکریان چرا کر معاش حاصل کرتا تھا، اس بے کس وبے نوا کو کسی معلم کے بغیر علم وحکمت عطا کیا گیا، اور جان لینے والون سے اس کو بچایا گیا،

جرمن مستشرق میکس مولر لکھتا ہے[1] کہ "کہ عنقریب حیرت و دہشت کے ساتھ دنیا کو اس حقیقت کا علم ہو جائے گا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مسیح کے انصار مین تھے، اور دین محمدی نصرانیت کی ایک شاخ ہے، اس وقت مسلمان اور نصاری دونون اس مخاصمت، اختلاف اور دشمنی پر جو مذہب کے نام پر دونون مین رہ چکی ہے متحیر اور نادم ہون گے"۔ یورپ کے بہت سے علماء نے اس رائے کی موافقت اور فلاڈیمیر، سولوفیف اور ہیرڈوف جیسے نامور عقلا اور بلند پایہ مفکرین نے اس کی تائید کی ہے، موجودہ زمانہ کے نامور صاحب قلم انگریز برنارڈ شا کا خیال ہے کہ "ایک صدی بھی نہ گذرنے پائے گی کہ یورپ بالخصوص انگلینڈ کو اس کا یقین ہو جائے گا کہ اسلام تہذیب صحیح کے لیے کس قدر موزون ہے"۔ سارے سچے مذاہب اپنے مغز وجوہر کے اعتبار سے ایک ہین، سب نیکی، بھلائی اور محاسن اخلاق کی تعلیم دیتے ہین، اور انسانی نظام اجتماعی کے قیام وبقا کے لیے انسانون کو ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے روکتے ہین کہ انکے

---

[1] حقوق المراۃ فی الاسلام احمد اجایف

دلون سے بغض وعداوت نکل جائے، دوسرون کے قتل، ان کے مال پر غاصبانہ قبضہ اور انکی آبرو ریزی کا جذبہ دور ہوجائے، بے کسون، ضعیفون، یتیمون، محتاجون کے ساتھ لطف وکرم کا جذبہ اور ہر قسم کے ظلم وزیادتی سے کنارہ کشی کا احساس پیدا ہوجائے اور ان کو اس کا دھیان رہے کہ ایک دن پھر ان کو لوٹنا ہے، جس دن مومنون اور نیکوکارون کو ان کے نیک اعمال کا صلہ دیا جائے گا، اور بدکارون کی ان کی بدیون کی سزا ملے گی، جس سے اجتماعی عمارت کے ستون گرتے ہین،

قرآن اور اسلام متعصب شعوبیون نے قرآن مجید کا درجہ گھٹانے مین بڑی کوشش کی ہے حالانکہ وہ عرب نہین ہین اور ان مین سے اکثرون کے لیئے قرآن کا فہم وتدبر بہت دشوار ہے، اسیلیے وہ کہتے ہین کہ قرآن مین کوئی نظم وترتیب وتبویب نہین ہے، وہ محض نقل وتقلید ہے، اسمین کھوٹ اور ملاوٹ ہے وہ فصاحت وبلاغت سے خالی ہے، بعض تو یہانتک کہنے کی جسارت کرتے ہین کہ اس مین نحوی غلطیان اور بیان کی رکاکت ہے، یہ رائین اس قرآن کے بارہ مین جو عرب کی سب سے بلیغ کتاب ہے، اگر وہ نہ ہوتا تو نہ عربون کا ادب ہوتا نہ ان کی شریعت ہوتی، قرآن خود کہتا ہے:

كِتَابٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا — ایسی کتاب جسکی آیات جدا جدا ہین عربی قرآن ہے،

اس کی معجز فصاحت کا ثبوت اس سے بڑھکر کیا ہوگا کہ فصحائے عرب کو خاص طور سے اس کا مثل لانے کی تحدی کی گئی مگر وہ نہ لاسکے، اور اگرچہ عربون مین فصاحت کا بہت بلند مقام تھا، تاہم ان کو بڑے ردوکد کے بعد اس کا اعتراف کرنا پڑا کہ "قرآن مجید کی عبارت اور اسکا اسلوب بیان، اس کے مسائل اور موضوعون کے تنوع کے باوجود عربون کے عام اور مانوس اسلوب تحریر سے بالکل علیحدہ اور ان کے طریق خطاب سے بالکل مختلف ہے، جس سے وہ

آشنا تھے، قرآن کا اسلوب خاص ہے، اور اس نے عربون کے رائج اسلوب مین بڑے تصرفات کئے ہین،" حضرت علیؓ بن ابی طالب کے قول کے مطابق "اس کو اللہ تعالیٰ نے علماء کی تشنگی کی سیرابی، فقہاء کے دل کی بہار، صلحاء کے چلنے کا راستہ، اور جو شخص اس کے ذریعہ بحث کرے اس کی دلیل، اور جو مناظرہ کرے اس کا شاہد اور جو اس سے حجت لائے اس کی کامیابی کا وسیلہ، جو اس کو یاد رکھے اس کے لیے علم جو اس کی روایت کرے اس کے لیے حدیث اور جو اس کے ذریعہ فیصلہ کرے اس کے لیے حکم بنایا۔"

قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ ہے، اور شدید اختلافی معاملات و مسائل مین اسی کی جانب رجوع کیا جاتا ہے، وہ ایسا بدیہی معجزہ ہے، جس سے عقل قوت حاصل کرتی ہے، اور مسلمان اس کے ذریعہ بلا خوف و خطر ساری دنیا کا مقابلہ کر سکتے ہین، وہ اپنے دشمنون کو بھی اپنے اوپر ایمان لانے اور اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیتا ہے، مگر ملحدین کے یہ خرافات صحیح مان لیے جائین جو قطعاً غلط ہین کہ قرآن مجید محمد بن عبداللہ کی تصنیف ہے، تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ کائنات کے سب سے بڑے آدمی ہین، قرآن نے خود اس کی تردید کی ہے کہ وہ رسول اللہ یا کسی انسان کی تصنیف ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہتا ہے:۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ	اور تم (رسول اللہ صلعم) اس کتاب سے پہلے نہ
كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ	کوئی کتاب پڑھتے ہوئے تھے اور نہ اسکو اپنے ہاتھ سے
اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ	لکھ سکتے تھے کہ ناحق شناس لوگ کچھ شبہہ نکالتے بلکہ یہ
بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ	کتاب خود بہت سی واضح دلیلین ہین انلوگون کے
صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ	ذہن مین جنکو علم عطا ہوا ہے اور ہماری آیتون سے صرف
وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ	ضدی لوگ انکار کرتے ہین۔

ایک دوسرے موقع پر ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ
عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ
لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ
لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا، وَلَقَدْ صَرَّفْنَا
لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ
مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا،
وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ
لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا، اَوْ تَكُوْنَ
لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ
الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا، اَوْ تُسْقِطَ
السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا
اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا،
اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ
اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ
لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا
كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ، قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ
هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا

(اے محمد) تم کہدو کہ اگر تمام انسان اور جنات
سب اس بات کے لیے جمع ہو جائیں کہ ایسا قرآن
بنا لیں تب بھی ایسا نہ لا سکیں گے اگرچہ ایک دوسرے
کا مددگار بنجائے، اور ہم نے لوگوں کے سمجھانے کے
لیے اس قرآن میں ہر قسم کا مضمون طرح طرح سے بیان
کیا ہے پھر بھی اکثر لوگ بے انکار کیے ہوئے نہ رہے،
اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تم پر ہرگز اسوقت تک ایمان
نہ لائیں گے جبتک تم ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ
نہ جاری کردو یا خاص تمہارے لیے کھجوروں اور
انگوروں کا باغ نہ ہو، پھر تم اس باغ کے بیچ بیچ
میں جگہ جگہ بہت سی نہریں نہ جاری کردو، یا جیسا تم
کہا کرتے ہو آسمان سے کوئی ٹکڑا ہم پر نہ گرادو، یا
تم اللہ اور اس کے فرشتوں کو ہمارے سامنے نہ
لاکر کھڑا کردو، یا تمہارے پاس سونے کا گھر ہو
یا ہمارے سامنے آسمان پر نہ چڑھ جاؤ اور ہم تو
تمہارے آسمان پر چڑھ جانے کو بھی کبھی باور نہ کرینگے
جب تک کہ تم وہاں سے ہمارے پاس ایک نوشتہ م

م نہ لاؤ جسکو ہم پڑھ سکیں (اے محمد اسکے جواب میں) تم کہدو کہ سبحان اللہ میں صرف ایک آدمی اور پیغمبر ہوں۔

ایک آیت میں ہے:

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ	اور یہ لوگ (کفار) کہتے ہیں کہ ان پر انکے رب کے
مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ	پاس سے نشانیاں کیوں نہیں نازل ہوئیں،
عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ	ان سے کہہ دو کہ یہ نشانیاں تو خدا کے قبضہ میں ہیں
اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ	اور میں تو صرف ایک صاف صاف ڈرانے والا
الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	ہوں کیا ان لوگوں کے لیے یہ بات کافی نہیں ہے کہ
لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ	ہم نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہے جو انکو سنائی جاتی ہے
(عنکبوت)	بیشک اسمیں ایمان لانیوالوں کیلیے بڑی رحمت اور نصیحت ہے

ان آیتوں سے ظاہر ہے کہ قرآن اپنے اعجاز سے موجود لوگوں کے لیے ان لوگوں کے حالات وواقعات سے جن کا نام ونشان مٹ چکا ہے مثالیں بیان کرتا ہے، برائیوں سے روکتا ہے، اور وہ مختلف قسم کے ان اعمال پر مشتمل ہے جن کا خدا نے بندوں کو مکلف بنایا ہے، اس میں اسلام کی پر امن دعوت یعنی جہاد کے قوانین ہیں، شادی، طلاق، نسب اور میراث وغیرہ گھریلو زندگی کی تعمیر کے قواعد ہیں، لوگوں کے آپس کے معاملات کے ضابطے ہیں، حدود وقصاص وغیرہ جرائم کی تعزیرات ہیں، اس طرح اس کتاب میں انسانوں کی ہدایت اور ان کے تزکیہ وتطہیر کا سامان بھی ہے، اور انسانی سوسائٹی کے قیام وبقا کے قوانین بھی ہیں، اور آخرت کی دائمی یاددہانی بھی ہے وہ کوئی علمی کتاب نہیں ہے جس میں کیمیا، فلکیات، طبیعات، جغرافیہ اور انسانی تاریخ پر بحث ہو اگر ضمناً ان کے کچھ اشارے پائے بھی جاتے ہیں تو بعض لوگوں کے خیال کے مطابق اس سے یہ دلیل لانا صحیح نہیں ہے کہ قرآن جملہ علوم وفنون پر حاوی ہے، قرآن مجید صرف ایک ایسا قانون ہے جو لوگوں کو تہذیب وتمدن کے لیے تیار کرتا ہے، اور انکو اس زندگی کی یاد دلاتا ہے،

جس مین اگر پہلی زندگی کے اعمال اچھے ہین تو مسلمانون سے جن بھلائیون کا آخرت مین وعدہ کیا گیا ہے، ان کو پورا کیا جائے گا۔

جان جاک روسو نے اٹھارہوین صدی مین کہا تھا کہ "بعض لوگ محض معمولی عربی سیکھ کر قرآن پڑھتے اور اس کا مضحکہ اڑاتے ہین اگر وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جب وہ مسلمانون کو اس فصیح ولطیف زبان مین قرآن سکھاتے تھے، ان کی تسکین بخش، طرب انگیز اور دل مین اتر جانے والی آوازمین اس کو سنتے اور جس وقت وہ اپنی قوت بیان سے احکام کو دلون مین بٹھاتے تھے، ان کو دیکھتے تو بے اختیار سجدہ مین گر جاتے، اور پکار اٹھتے کہ اے خدا کے سچے رسول شرف وافتخار اور ہلاکت وخطرات کے موقع پر ہماری دستگیری کیجئے، ہم آپ کے خاطر موت اور کامیابی دونون کو پسند کرتے ہین۔"

انیسوین صدی مین کارلائل نے کہا تھا کہ "قرآن سے مسلمانون کا انتہائی شغف اور اس کے اعجاز کا عقیدہ مختلف قومون کے اختلاف ذوق کی سب سے بڑی دلیل ہے، ترجمہ سے اس کے آرٹ کا جمال اور بیان کا حسن وکمال بہت گھٹ جاتا ہے"، بیسوین صدی مین کلوڈ فارہرنے کہا ہے کہ "قرآن کی آیتون مین بڑا جمال ہے، اس کی تلاوت سے اور بھی اس مین حسن پیدا ہو جاتا ہے، اس مین عجیب لطیف وپاکیزہ خوشبو کی لپٹ ہے کیونکہ وہ سچی عبت سچائی اور امانت کا حکم اور کمزوری کی حمایت اور خدائے واحد کی عبادت کی تعلیم دیتی ہین"

اسلام کی فضیلت کا اعتراف علمائے یورپ کی زبان سے

قرآن کے بارہ مین علمائے یورپ کی اس قسم کی اور بہت سی رائین ہین، جس کا انھون نے بغیر کسی تدلیس وخیانت اور فریب کے بڑی جرأت سے اظہار کیا ہے، ہم ان حضرات مین سے صرف مذکورہ بالا حکما، کی رایون کے نقل پر اکتفا کرتے ہین اور آیندہ سطور مین اسلام کی فضیلت کے بارہ مین بعض فرنگی علما، کی رائین نقل کرینگے

انگریز مورخ ایچ جی ویلز لکھتا ہے کہ "اسلام اپنے ابتدائی دور مین ان لاہوتی پیچیدگیون سے بالکل خالی تھا، جس کے دلدل مین نصرانیت ایک مدت تک پھنسی رہی، اور جنھون نے نہایت سخت اختلاف پیدا کر کے نصرانی روح کا خاتمہ کر دیا، اسلام مین کاہنون کا طبقہ نہین ہے، بلکہ صرف علما، معلم اور واعظ ہین، جس طرح اسلام تہور و شجاعت کے جذبات پر جو صحرائی قومون کا خاصہ ہین مشتمل ہے، اسی طرح وہ رحمت و رافت، فیاضی و کشادہ دلی اور اخوت و محبت سے معمور ہے، اسی لیے وہ عوام کی فطرت مین کسی قسم کی رکاوٹ پیدا کیے بغیر ان کے دلون مین اتر گیا۔

مونٹیو کا بیان[1] ہے کہ "اسلام جو محض ایک دین تھا، ایک بڑی علمی و ادبی قوت بن گیا جو بغیر کسی غرض و مقصد کے عزت و احترام کا مستحق ہے، اور حالات کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اس کے پیرون کے ساتھ محض اخوت و محبت کی بنیاد پر تعلقات و رابطہ پیدا کرین، اور ان سے خوشگوار تعلقات کی سب سے بڑی شرط بغیر کسی غرض اور مقصد کے اسلام کا مطلق احترام ہے، اور اب یہ مذہب ان بے غرض علمار کی تصانیف کی وجہ سے جنھون نے بغیر کسی مقصد کے اسلام کے متعلق تحقیقات کی ہے اور بعض واقف کار سیاحون کے بیانات کی بنا پر یورپ مین پوری طرح متعارف ہو چکا ہے، اور کل اس کے مرتبہ کا اندازہ آج سے زیادہ ہوگا۔"

ان رایون سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مغرب کے بڑے بڑے علماء اسلام کا تذکرہ کس عظمت سے کرتے ہین، اور ان کے بعض مشہور اور نامور مفکر مصنفین مثلاً اناطول فرانس نے اپنی تصانیف مین اسلام پر ادنی تعریض بھی نہین کی ہے، درانحالیکہ خود اپنے مذہب پر بڑی آزادی سے بحث کرتا ہے، انھون نے یہ احتیاط اس لیے برتی ہے کہ کسی انسان کو اہم مسائل کے بجز دخائر

---

[1] مونٹیو کی کتاب الاسلام

مین اس وقت تک نہ پھاندنا چاہیے جب تک کہ وہ اس کے مطالعہ وتحقیقات کا پورا سامان
اور اس مین بحث ونظر کی پوری استعداد نہ رکھتا ہو، ایک عالم کے لیے تحقیق یقین اور اعتماد کے
بغیر محض اٹکل کی باتین کہدینا بڑا عیب ہے، عاقل وہ ہے جو اپنے عیب کو ظاہر نہ ہونے دے
اور جس چیز کو نہین جانتا اس سے لاعلمی ظاہر کرنے مین شرم محسوس نہ کرے، مشہور مقولہ ہے کہ لاعلمی
کا اظہار درحقیقت آدھا علم ہے،

آرنھر جلبس یونارڈ لکھتا ہے[1] کہ "یہ ضروری ہے کہ اسلام کے ساتھ یورپ کا طرز عمل اب
ناپسندیدہ طریقون سے مختلف ہونا چاہیے، اور اس کو مکروہ، معیوب اور ذلیل احسان فراموشی
کے بجائے ابدی شکر وسپاس کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے، یورپ نے اب تک اخلاص اور
صمیم قلب سے اس قرض کا جو اس پر اسلامی تربیت اور عربی تمدن کا ہے پورا اعتراف نہین
کیا ہے، صرف اپنے دور ظلمت مین جب اہل یورپ جہالت وحشت کے سمندر مین غرق
تھے، بے دلی سے کے ساتھ اور دبی زبان سے اس کا تھوڑا بہت اقرار کیا ہے، حالانکہ اس زمانہ
مین جب اسلامی تہذیب علم وعمران کے بلند ترین درجہ پر تھی، اسی نے یورپ مین سوسائٹی کی آگ
روشن رکھی اور اس کو زوال سے بچایا، اب بھی جبکہ ہم اپنے کو تہذیب وتمدن کی بلند ترین
چوٹی پر سمجھتے ہین، اس بات کا اعتراف نہین کرتے کہ اگر عمرانی مسائل مین اسلامی تہذیب
عربی تمدن، اس کے علم کی عظمت کا جلوہ، اور ان کے اعلیٰ درجہ کے منظم مدارس نہ ہوتے تو
آجتک یورپ جہالت کی تاریکی مین غرق رہتا" یہی مصنف ایک موقع پر لکھتا ہے کہ "کیا ہم
اس کو بھول گئے کہ اسلامی رواداری اس سے بہت مختلف تھی جس مین یورپ اس زمانہ
مین مبتلا تھا، ہم نے اس کو فراموش کردیا کہ ایران وروم کے زوال کے زمانہ مین اسلامی خلافت

[1] اسلام کے لیے مغرب کی بیداری آرنھر جلبن کا عربی ترجمہ،

پورے شباب پر تھی، اور یورپ کا سواد اعظم انتہائی وحشت کی تاریکی مین گھرا ہوا تھا، کیا یورپ محض بغض وعداوت اور احسان فراموشی کی بنا پر عربون کے ان کارنامون کو جن کا ذکر اب صرف ان کی کتابون مین رہ گیا ہے، نظرانداز کردے گا، کیا ہم لوگ اسلام کے ابتدائی عہدزرین خصوصاً عباسی دور کی دنیائے اسلام کے نشاط وشباب سے محروم نہین تھے ہم اس عظیم الشان نقصان کو کیسے بھلا سکتے ہین جو عربی لٹریچر پر ہمارے ظلم وزیادتی سے ہوا ہے، ہم نے اپنے تعصب، جہالت اور غرور سے عربون کی ہزارون کتابین تلف کرکے عالم انسانیت کا گناہ کیا ہے، کیا یہ عام اور مشہور بات نہین ہے کہ نصرانی یورپ اپنی ترقی مین عربون کی امداد کو چھپانے کی صدیون انتہائی کوشش کرتا رہا، لیکن وہ دن دور نہین کہ اس احسان کا اعتراف کرنا پڑے گا۔ یورپ بلکہ پوری عیسائی دنیا کو اپنی غلطیون کا اعتراف کرنے کیلیے چھوڑ دو کہ وہ مسلمانون کے احسان کے شکریہ مین اپنی تقصیر کا اعتراف کرکے ساری دنیا مین اپنی جہالت کا اعلان کرے، اور وہ عنقریب اسلام کے ابدی قرض کے اعتراف پر مجبور ہوگی۔"

ایڈمونڈ یورک لکھتا ہے کہ "قانون محمدی بادشاہ سے لیکر ادنیٰ رعایا تک کے لیے قوانین کا جامع ضابطہ ہے، اس کی بنیاد نہایت مضبوط، نظام قانون بڑے علمی ججمنٹ اور نہایت روشن قانون سازی پر ہے، جس کی نظیر اس سے پہلے دنیا مین نہین ملتی۔"

فرانسیسی عالم جان ملیا[1] لکھتا ہے کہ "اب یہ ضروری ہے کہ قرآن کے متعلق بعض فرانسیسی فلاسفہ کے غلط دعوؤن کو بالکل نظرانداز کردیا جائے، قرآن کی تلاوت، ذوق وشوق سے ضروری ہے، وہ تعصب کی تلقین سے جس کا اتہام اس کے دشمن اس پر لگاتے ہین، بالکل خالی ہے، اسلام آسمانی مذہب ہے، لطف ومحبت اور شرف کا مذہب ہے، اور اس مین تمام مذاہب سے زیادہ

[1] Jean Melia: Le Coran pour la France

نرمی و سہولت ہے"۔

لیبان اس بحث مین کہ "اسلام کی فطری وحدت اپنی بنیاد و اساس کے اعتبار سے واحد ہے اس لیے کہ اس کا مدار ایک کتاب پر ہے، اور وہ قرآن ہے"، لکھتا ہے[1] کہ "یہ کتاب دینی، سیاسی اور اجتماعی اعتبار سے قانون ہے، اس کے احکام دس صدیون سے جاری و نافذ ہین"۔ اس کے بعد کہتا ہے کہ "اسلام کا سیاسی اقتدار عربون کے زمانہ سے لیکر ترکون کی نئی حکومت تک بتدریج زائل ہوتا گیا، لیکن جہان جس قدر قائم ہوا اتنا وہ دلون اور روحون کو فتح کرتا رہا....... مذہب اسلام کی سادگی اور اس پر مومنون کے ایمان نے اس مین بڑی قوت پیدا کر دی ہے، وہ صرف اللہ کو ایک اور محمد کو اس کا رسول ماننے کا مطالبہ کرتا ہے، اور اسی حقیقت کی اس نے دعوت دی، سارے مسلمان آپس مین بھائی ہین، کیونکہ وہ ایک خدا کی عبادت کرتے ہین، ان کی شریعت ایک ہے، جس چیز کو ایک مسلمان پسند کرتا ہے، اسے سب پسند کرتے ہین، اور جس کو ایک مسلمان ناپسند کرتا ہے اسے سب ناپسند کرتے ہین، حج ہر سال ہر ملک اور ہر زبان کے مومنون کی جماعت کو مکہ مین جمع کرتا ہے، اور اسلامی شریعت کی جو صلابت مشہور ہے، اس نے بھی نشو و ارتقا کا راستہ اختیار کر لیا ہے، دوسرے الفاظ مین یورپین طریقہ پر آتی جاتی ہے، اگرچہ علمار نے اجتہاد کا دروازہ دوبارہ کھولنا پسند نہین کیا، لیکن وہ اہم مسائل مین قرآنی احکام سے عادلانہ فیصلہ کرتے ہین، اور اس حیثیت سے مصر مین پوری اصلاح ہو چکی ہے"۔

اسی مصنف کا یہ بیان بھی ہے کہ "مسلمان تاجرون کے طفیل مین افریقہ مین ہزارون بت پرست اسلام قبول کرتے ہین اور یہ مذہب ان کو مہذب بنا دے گا، مسلمان جہان بھی جاتا ہے وہان اپنے مذہب کا اثر چھوڑتا ہے، جن ملکون مین مسلمان فاتحون کے قدم نہین پہنچے وہان مسلمان تاجر

[1] Gustave Le Bon: Premieres Consequences de la guerre

پہنچ گئے، مثلاً چین کے بعض علاقون، وسطی افریقہ اور روس کے جن خطون مین مسلمان تاجر آباد ہو گئے وہان مسلمانون کی تعداد کئی ملین تک پہنچ گئی"۔ اس سلسلہ مین لیبان نے ڈونل کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ "اسلام کے طفیل مین فیٹسزم[۱] اور بت پرستی دنیا سے معدوم ہو جائے گی اور انسان جانورون کی قربانی اور مردم خوری کا بھی خاتمہ ہو جائے گا، اسلام کے ذریعہ عورتون کے حقوق کا احترام قائم ہو گیا، گو ان کے مطلق حقوق کے مقابلہ مین معمولی سہی، ایک سے زیادہ شادی کی رسم کو بھی اس نے شائستہ اور اس سے پیدا ہونے والے خانگی انتشار کو کم کر کے گھر کا شیرازہ مضبوط کر دیا غلام بھی خاندان کا رکن بن گیا، زکوٰۃ نے اخلاق عامہ کی تطہیر کی اور ان کو ترقی دی، دلون مین عدل و انصاف کا احساس پیدا کیا، اور حکمران طبقہ پر بھی یہ حقیقت آشکارا ہو گئی کہ جس طرح رعایا پر ان کے حقوق و فرائض ہین اسی طرح ان پر بھی اس کے حقوق و فرائض ہین، اس طرح انسانی سوسائٹی کی بنیاد مستحکم ہو گئی، اگر مسلمانون نے عملی زندگی مین کچھ غلط طریقے بھی اختیار کیے تو دوسرے بھی اس سے خالی نہین ہین، اور عدل خداوندی ان کو اس کی سزا دیگا، آخرت کی زندگی کی امیدین بہت مبارک و مسعود ہین، اس سے مظلومون کو بڑی تسلی ہوتی ہے، یہ نیکیان ان تمام مقامون اور متمدن سوسائٹیون مین پھیلین گی جہان جہان اسلام پھیلیگا"

اسی کا بیان ہے کہ "بہت کم قومین تہذیب و تمدن مین عربون پر فوقیت حاصل کر سکین تاریخ مین کسی جماعت نے بھی اتنی کم مدت مین عربون کی جیسی نمایان کامیابی حاصل نہین کی، انھون نے مذہبون مین سب سے بڑا مذہب پیدا کیا[۲] جس نے ایک دنیا پر حکومت کی اور ہر زمانہ مین اس کے بڑے بڑے اثرات پڑے اور سیاست کے میدان مین انھون نے ایک ایسی حکومت قائم کی جو تاریخ مین سب سے بڑی سلطنت تھی، اور علمی و اخلاقی حیثیت سے یورپ کو مہذب بنایا

۱؎ مخلوق پرستی۔ ۲؎ یہ یورپین طریقہ تعبیر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان مین مذہب اسلام پیدا ہوا۔ م

جس طرح بہت کم قومون پر عربون کے جیسا سخت زوال آیا، اسی طرح بہت کم قومین عروج و ترقی مین ان کے درجہ کو پہنچ سکین"۔

فالیری لکھتا ہے کہ "دوسرے مذہبون نے اپنے پیروون کو ایسے سخت عقائد کی تعلیم دی کہ انکے بعید از عقل ہونے کی وجہ سے مشکل سے انکا بار اٹھایا جاسکتا ہے، ان کے مقابلہ مین اسلام کی آسانیان حیرت انگیز ہین، اس کے فرائض بہت صاف و واضح ہین، اس لیے وہ ان طبقون مین جن کا اخلاق مذہبی عقائد مین ان کے شک و شبہہ کی بنا پر بگڑ گیا تھا بہت تیزی سے پھیل گیا، ایشیا اور افریقہ کی وحشی قومون مین اس کی مسلسل اشاعت کا سبب بھی یہی تھا کہ اسلام کے آسان اور سادہ عقائد کسی طویل تشریح اور دعوت و تبلیغ مین لطف و مدارات کے بغیر آسانی کے ساتھ دلون مین اتر جاتے تھے"۔

گبن لکھتا ہے کہ "شریعت محمدی کے احکام عام ہین، جن کے سامنے بڑے بڑے بادشاہون سے لیکر ادنی محتاج تک سب سر جھکاتے ہین، وہ نہایت مضبوط قانونی اصولون کے مطابق بنائی گئی ہے، جن کی مثال سارے عالم مین نہین ہے"۔ لیبو درونش لکھتا ہے کہ "اسلام انسانی، فطری اقتصادی اور ادبی مذہب ہے، جب ہم اپنے بنائے ہوئے بعض قوانین پر نظر ڈالتے ہین تو انکو پہلے سے اسلام مین موجود پاتے ہین، بلکہ مین نے اس قانون کو بھی جس کو جال سیمول "قانون فطرت" کے نام سے موسوم کرتا ہے، اسلام سے ماخوذ پایا، اور جب مین نے مسلمانون کے دلون مین اس مذہب کے اثرات کا اندازہ لگایا، تو نظر آیا کہ اس نے ان کو شجاعت و شہامت، حلم و نرمی، خوبی و جمال اور لطف و کرم سے معمور کر دیا ہے، اور فلاسفہ جس دنیا کا خواب دیکھتے ہین، یعنی ایسی دنیا جس مین نیکیون بھلائیون اور لطف و محبت کے علاوہ بدی، خرافات، جھوٹ اور فریب کا گذر نہ ہو، اسکا نمونہ مین نے مسلمانون کو پایا، مسلمان سادہ مزاج ہوتا ہے، کسی سے سوء ظن نہین رکھتا، حصول معاش مین حرام کو حلال نہین بناتا، اسی لیے وہ یہودیون اور بعض عیسائیون کے مقابلہ مین کم مایہ ہے،

ہین نے دو بڑے مسائل کا حل جن کا عقدہ حل کرنے ہین ساری دنیا مشغول ہے، اسلام ہین پایا، ان ہین ایک قرآن کی تعلیم "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ" ہے، یعنی سارے مسلمان آپس ہین بھائی ہین، جو اشتراکیت کی نہایت خوبصورت ابتدائی شکل ہے، دوسرے دولت مندون پر زکوٰۃ کی فرضیت یعنی اگر سرمایہ دار خوشی اور رضامندی سے غریبون کا غصب کردہ حق ان کو دینے کے لیے تیار نہ ہون تو اس کو قانوناً دلایا جائے، جو کمیونزم کا علاج ہے۔"

ماسینیون لکھتا ہے کہ "اسلام کو یہ خاص امتیاز حاصل ہے کہ اس نے زندگی کے اجتماعی حقوق و فوائد ہین قوم کے ہر فرد کو شریک بنا کر صحیح مساوات کے تصور کا عملی نمونہ پیش کیا ہے، اسلام لین دین ہین غیر مشروط مبادلہ کو جائز نہین سمجھتا، اسی طریقہ سے وہ بنک کے سودی مال اور زندگی کی ضروریات ہین غیر ضروری ٹیکسون کا دشمن ہے، اسی کے ساتھ وہ باپ، شوہر اور بیوی کے حقوق اور دوسرون کی ملکیت اور تجارتی راس المال کا محافظ ہے، اس ہین اس نے بورژوا سرمایہ داری اور بالشویک، اشتراکیت کے درمیان ایک معتدل اور بیچ کی راہ اختیار کی ہے، مختلف رنگ و نسل رکھنے والی مسلمان قومون اور طبقون کے درمیان تعاون و مفاہمت ہین اسلام کا ماضی ایک نادر مثال ہے، اس باب ہین اسلام نے اپنے ابتدائی زمانہ ہین جو کر دکھایا اس سے دوسری قومین اپنے آخری دور ہین بھی قاصر رہین، اس نے مسلمان جیسی مختلف و متضاد عناصر رکھنے والی قوم کو حقوق و فرائض ہین مساوات دیکر آپس ہین متحد کر دیا، اور اس ہین اس کو پوری کامیابی حاصل ہوئی، افریقہ، ہندوستان اور انڈونیشیا کی بڑی بڑی مسلمان قومین اور چین اور جاپان کی چھوٹی چھوٹی مسلمان جماعتین اس کا ثبوت ہین، جن عناصر ہین اتحاد و موافقت کی کوئی سبیل نہ ہو، ان کو بھی اسلام متحد و متفق کر سکتا ہے"،

ایک مصنف زکوٰۃ کے بارہ ہین لکھتا ہے کہ "یہ ٹیکس ایک مذہبی فرض ہے جس کا ادا کرنا

ہر مسلمان کے لیے لازمی ہے، اس مذہبی پہلو کے علاوہ زکوٰۃ ایک مضبوط مستحکم اور مستقل اجتماعی نظام ہے، اور وہ دولت محمدیہ کا خزانہ ہے، جس سے غریبوں اور محتاجوں کی مدد کیجاتی ہے اس نادر نظام کو تاریخ مین سب سے پہلے اسلام نے قائم کیا، زکوٰۃ کا ٹیکس صاحب املاک لوگوں تاجروں اور دولتمندوں سے جبری وصول کیا جاتا ہے، اور حکومت اپاہج، ناکارہ اور مجبور لوگون پر صرف کرتی ہے، اس سے وہ تمام حدین گرجاتی ہین جن سے ایک ہی حکومت کے مختلف طبقون مین تفریق پیدا ہوتی ہے، اور پوری قوم ایک عادلانہ اجتماعی دائرہ مین آجاتی ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ زکوٰۃ کا اسلامی نظام (اشتراکیت کی طرح) کسی بغض وعداوت کی بناپر قائم نہین کیا گیا ہے۔"[1]

ایک طرف اسلام کے متعلق یہ رائین ہین، دوسری طرف بعض سوفسطائی جن کا مقصد محض مغالطہ دینا ہے، دعوی کرتے ہین کہ اسلام نے کوئی نئی بات نئی پیش کی، بلکہ اپنی تعلیمات یہودیت اور نصرانیت سے اخذ کی ہین، ایک ایسا دین فطرت جو انسانون کی دنیاوی اور اخروی فلاح کے مسئلہ مین عقائد و تصورات کی پیچیدگیون سے بالکل پاک ہے، وہ نئی بات کہان سے پیدا کرسکتا ہے، مثلاً اسلام عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے، جس کی دوسرے مذاہب نے بھی تعلیم دی ہے تو اس کو ان مذاہب سے اخذ و استفادہ نہین کیا جاسکتا، کیا کوئی نیا مذہب ایسا عدل و احسان بھی پیدا کرسکتا ہے، جو بالکل جدید ہو اور انسان اس سے بالکل ناواقف ہون، اور کیا کسی زمانہ مین بھی عدل کی دو تعبیرین نیا عدل اور پرانا عدل بھی ہوسکتی ہین، بعض شعوبیون کا دعوی ہے کہ اسلام دوسرے مذاہب سے اور اس کی فقہ رومن مقنن یوستنیانوس کے قانون سے ماخوذ ہے، حالانکہ یہ سب کو معلوم ہے کہ اسلامی فقہ کی بنیاد کتاب وسنت اور اجماع و قیاس پر ہے،

---

[1] اخبار الجامعۃ الاسلامیہ مقالہ مارکس

جس کی تردید نہین کیجا سکتی یہ پہلی رائے گولڈزیہر کی ہے، جس کی بنیا دتمامتر اس قیاس پر ہے کہ جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے کہ عرب اپنی ابتدائی فتوحات کے زمانہ مین ان پڑھ اور بالکل ابتدائی حالت مین تھے، اس لیے انھون نے عراق وشام مین جو قوانین خصوصاً جو اجتماعی قواعد پائے اس سے اخذ و استفادہ کرکے انھون نے اپنا قانون بنالیا، لیکن گولڈزیہر نے اس قیاس کی کوئی اور دلیل نہین دی ہے، سعید خوری شرتونی لبنانی نے جو فقہ ولغت کے بڑے عالم ہین رومن قانون اور اسلامی فقہ کا موازنہ کرکے دکھایا ہے کہ فقہ اسلامی کے اصول و ماخذ رومن قانون سے بالکل جدا ہین اور اپنے فاضلانہ مقالات مین قانون شریعت کے متعلق غلط دعوون کو بالکل باطل اور دشمنان اسلام کے فریبون کا پردہ (جس کا سلسلہ آغاز اسلام سے ابتک جاری ہے) پوری طرح چاک کیا ہے، لیکن اس مسئلہ مین حق کے ثبوت کے بعد بھی اس کا یقین نہین ہے کہ یہ بنے ہوئے محققین اپنی دروغ بافیون سے باز آئین گے، اور جھوٹے اور باطل دعوون کو زبان سے نہ نکالین گے، یہ لوگ ان باتون کو جن پر ان کو یقین ہوتا ہے یا نہین ہوتا بغیر کسی دلیل کے کہتے رہتے ہین اور محض اپنے حظ نفس کے لیے فتنہ پھیلاتے ہین،

قضاو قدر کا عقیدہ

قضاو قدر کا عقیدہ اسلام کے اصولی عقائد مین ہے، مسلمانون کی ساری قوت اسی کے بدولت تھی، ان کے ابتدائی دور مین اسی عقیدہ نے ان مین ایسی جرأت وحوصلہ مندی پیدا کردی تھی کہ انھون نے دوسرے ملکون مین گھس کر ان کو فتح کیا، یہ عقیدہ دلون مین ثبات و استقلال، مشکلات کو برداشت اور خطرات کا مقابلہ کرنے کی قوت پیدا اور انسانون کو جودوسخا کی صفت سے آراستہ کرتا ہے، اور ان کو زندگی کی ان دل فریبیون سے جن کا چھوڑنا بہت مشکل ہے، دست بردار ہونے، بلکہ جان تک دیدینے پر آمادہ کردیتا ہے، اس لیے کہ جو

ف ۱ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لفظ فقہ

شخص یہ یقین رکھتا ہو کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے، رزق خدا کے ہاتھ اور ساری چیزین اسی کے قبضہ قدرت مین ہین، وہ جس طرح چاہتا ہے ان مین تصرف کرتا ہے، وہ اپنے حق کی حمایت اور اپنی قوم وملت کی سربلندی کے لیے اپنے فرض کی ادائگی مین موت سے نہین ڈر سکتا، اور حق کی نصرت وحمایت اور عزت وشرف کے استحکام مین، مال صرف کرنے مین، فقر واحتیاج کا خوف نہین کر سکتا. اسی عقیدہ نے مسلمانون کو ٹڈی دل فوجون کے مقابلہ مین جن سے ساری فضا معمور ہو جاتی تھی. اور زمین ڈھک جاتی تھی، نہ صرف ثابت قدم رکھا بلکہ انھون نے ان فوجون کو شکست دیکر الٹے پاؤن واپس کر دیا، اسی عقیدہ کی بنا پر ان کی تلوارین مشرق مین چمکین، اور مغرب مین برق بلا بنکر خوف زدہ مغربی سورماؤن پر ٹوٹین، اسی عقیدہ نے ان مین ایسا ولولہ پیدا کر دیا تھا کہ وہ فقر وفاقہ کے خطرات کی پروا کیے بغیر اپنی سربلندی کے لیے سارا خانمان لٹا دیتے تھے، اسی عقیدہ نے اپنی اولاد، بیویون، بلکہ گود کے بچون تک کو دنیا کے دور دراز حصون کی رزمگاہون مین بھیجنا ان کے لیے آسان بنا دیا تھا، ان کی عورتین فوجیون کو پانی پلاتی اور ان کی خدمت کرتی تھین، جنگ کے کامون مین عورت، مرد، بچے بوڑھے سب حصہ لیتے تھے، ان مین اور جنگ آزما سپاہیون مین صرف یہ فرق ہوتا تھا کہ یہ لوگ اسلحہ بند نہین ہوتے تھے،

اسلامی فرقون مین کوئی فرقہ بھی جبر محض کا (یعنی انسان اپنے سارے اعمال وافعال مین مجبور محض اور مسلوب الاختیار ہے) قائل نہین ہے، بلکہ سب کا یہ عقیدہ ہے کہ انسانون کو اپنے اعمال مین جزئی اختیار حاصل ہے، جس کو وہ کسب کے نام سے موسوم کرتے ہین، اور اسی پر ثواب وعذاب کا مدار ہے. اللہ تعالیٰ نے انسانون کو جو جزئی اختیار دیا ہے اس کی بنیاد پر احکام کی پابندی کا مطالبہ اور اس کا محاسبہ ہے، وہ جبری فرقہ جس کا یہ عقیدہ تھا کہ انسان کو اختیار کا

کوئی شائبہ بھی حاصل نہین ہے اور وہ اپنے تمام افعال مین مجبور محض ہے، چوتھی صدی ہی کے آخر مین مٹ گیا، اور آج کوئی مسلمان اس عقیدہ کا قائل نہین ہے،

فرنگیون کا خیال ہے کہ "جس قوم مین بھی اس عقیدہ نے سرائیت کیا، اس کی ہمت و قوت سلب کر کے اس مین ضعف و پستی پیدا کر دی"۔ البتہ اس عقیدہ کی مذمت مین زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آج وہی عقیدہ جس نے کبھی مسلمانون مین شجاعت و شہامت اور جرأت و حوصلہ مندی پیدا کی تھی، ان کے فقر و فاقہ کا سبب بن گیا ہے، اور جنگی و سیاسی قوت مین ترقی یافتہ قومون سے پیچھے ہین، ان کا اخلاق بگڑ گیا ہے، ان مین جھوٹ فریب، نفاق، خیانت، بغض و کینہ وغیرہ برائیان عام ہو گئی ہین، وہ کھانے پینے اور سو رہنے کی زندگی پر قانع ہین، اور حصول فضیلت مین دوسری قومون کے مقابلہ کا جذبہ ان مین پیدا نہین ہوتا"

اسی بنیاد پر مغربی شعوبی مدتون سے اسلام پر حملہ کرتے چلے آرہے ہین، حالانکہ قرن اول مین مسلمانون کی فلاح و سعادت کا سب سے بڑا سبب یہی عقیدہ تھا، اور وہ اس وقت سے بگڑے جب چند صدیون سے بنے ہوئے صوفیون کے چکر مین مبتلا ہوئے، جنھون نے ان مین ایسے اوہام پھیلائے جن کو ان کے اصول دین سے کوئی نسبت نہین، اور وہ عقیدہ کی حیثیت سے نہین بلکہ محض وسوسہ کی حیثیت سے دلون مین چپک گئے، جس سے مسلمانون مین سستی اور کاہلی پیدا ہو گئی، ان کے حکمرانون نے اس مین ڈھیل دیکر اور زیادہ مدد پہنچائی، اس قسم کے صوفی آئین تھے، یعنی ایران و ہندوستان سے آئے تھے، قضا و قدر کا عقیدہ، اہل یورپ کے مذاہب اور انکی کتابون مین اسلام سے بھی زیادہ سخت ہے، چنانچہ کتاب مقدس (توراۃ و انجیل) مین تقدیر کی آیتین قرآن مجید سے زیادہ ہین، لیکن درحقیقت مسلمانون اور عیسائیون دونون کو اسی وقت کامیابی ہوئی جب انھون نے اس عقیدہ مین اعتدال پیدا کیا، اور اسباب و وسائل مین اختیار

کے قائل ہوئے، انصاف کا تقاضا ہے کہ جس طرح یورپ کے عوام کو ضعف عقل اور خرافات عقائد

مین مبتلا اور جو چیزین صریحاً عقل کے خلاف ہین، ان مین بدیہیات سے ان کے انکار کو

دیکھکر ہم کو پورے یورپ کے بارہ مین عام حکم نہ لگا دینا چاہیے، اسی طریقہ سے حسن مذاق کا تقاضا

یہ ہے کہ وہ بھی ہمارے عوام کے اعمال کو دیکھکر ہماری پوری جماعت پر اعتراضات نہ کرین،

عوام کسی زمانہ مین بھی معیار نہین رہے ہین، کہ ان کے عمل سے پوری قوم کے بارہ مین رائے

قائم کرلی جائے، خواص کی روش ہر زمانہ مین ان مسائل مین افراط و تفریط سے پاک اور معتدل

رہی ہے، اس لیے کہ وہ عقل کو رہنما بناتے اور نصوص کی صحیح تاویل کرتے ہین، اور دین و دنیا

کے مسائل مین زمانہ کی روح کا بھی لحاظ رکھتے ہین اور عقل و نقل دونون کے دائرے سے

باہر نہین نکلتے، آج وہ عقیدہ جو کبھی محسنات اسلام مین تھا مسلمانون کی جہالت اور اسلام

کے ضعف کا سبب بن گیا ہے، اس لیے کہ مسلمانون نے نہ اپنے اسلاف کی طرح اس کے

قالب اور روح دونون پر عمل کیا، اور نہ اس کو بالکل چھوڑ دیا کہ تنہا اپنے عمل ہی پر بھروسہ

کرتے، جب بڑی سے بڑی انسانی جماعتون مین کمزوری پیدا ہو جاتی ہے تو وہ اچھی چیزون

کو بھی بگاڑ دیتی ہین، اور جب تک دنیا قائم ہے اس قسم کے عوارض برابر قومون کو پیش آتے رہین گے،

جو شخص قرآن مجید کی ان کثیر آیتون پر غور کرے گا جس مین عمل کی ترغیب دی گئی ہے،

اور جس کو رسول اکرم اور صحابہ کرام کی سیرت سے ذرا بھی لگاؤ ہوگا اس کو اس کا پورا علم ہوگا،

کہ قضا و قدر کے عقیدہ نے کبھی مسلمانون کو اسباب و وسائل کے اختیار کرنے سے نہین منع کیا،

بلکہ اس کی ترغیب دی ہے، کلام مجید مین اس قسم کی بکثرت آیات ہین، مثلاً

(۱) قل اعملوا فسیری اللہ عملکم و رسولہ، — اے پیغمبر مسلمانون سے کہدو کہ تم عمل کرو کیونکہ خدا اور اسکا رسول تمھارے عمل کو عنقریب دیکھے گا۔

(۲) وَاِنْ جَادَلُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَ لَكُمْ عَمَلُكُمْ	اگر وہ لوگ (کفار) تم سے جھگڑا کریں تو ان سے کہدو کہ میرا عمل میرے ہو اور تمھارا عمل تمھارے لیے
(۳) وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ	اور عنقریب اللہ تمھارے عمل کو دیکھے گا۔
(۴) وَلَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ	اور ہمارے لئے ہمارے اعمال ہین اور تمھارے لیے تمھارے اعمال
(۵) يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ	اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو
(۶) وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ	اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو
(۷) وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَن يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ	اور اللہ تمھاری ساتھ ہو اور تمھاری اعمال کو نہین گھٹائیگا،
(۸) وَاِنْ تطيعوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يلتكم اعمالكم شيئًا	اور یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تمھارے اعمال سے وہ کچھ بھی نہ گھٹائیگا۔
(۹) نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فيها وهم فيها لا يبخسون	اور ہم ان کو جنت مین انکے اعمال کا پورا پورا بدلہ دینگے اور اس مین کوئی کمی نہین کرینگے،
(۱۰) اِنِّيْ لَا اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ	مین تم مین سے کسی عمل کرنیوالے کا عمل ضائع نہین کرتا،
(۱۱) فَنِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِيْنَ	عمل کرنے والون کا بدلہ کیا ہی اچھا ہے۔
(۱۲) بمثل هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ	اسی طرح عمل کرنے والے عمل کرتے ہیں
(۱۳) اليه يصعد الكلم الطيب و العمل الصالح يرفعه	اچھا کلام اسی تک پہنچتا ہے اور اچھا کام اس کو پہنچاتا ہے۔
(۱۴) وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ	اور ہر نفس کو اسکے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا
(۱۵) مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ	مردون اور عورتون میں سے جو بھی ایمان کی حالت

أُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً	میں اچھے کام کرے گا تو اس کو ہم پاکیزہ زندگی
طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ	دینگے، اور جو عمل انھوں نے کیا اس کا اس سے
مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	زیادہ بہتر اجر ان کو دینگے۔
(١٦) يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ	جس دن ہر وہ شخص جس نے جو اچھے اعمال کیے ہیں
خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِنْ	اپنے سامنے انکو موجود پائیگا اور جس نے برے کیے ہیں
سُوْءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗ	وہ چاہے گا کہ کاش ان اعمال اور اس کے
أَمَدًا بَعِيْدًا	درمیان بڑا فاصلہ حائل ہو جاتا۔
(١٧) وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَ	اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا
هُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ	اور اللہ اس کو جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔
(١٨) فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوْا	آخر ان کے عمل بد کی سزائیں انکو ملیں۔
(١٩) وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا	اور جو کام انھوں نے کیے تھے انکو اپنے سامنے موجود پایا
(٢٠) لِنُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا	تاکہ ہم انکو انکے بعض اعمال کا مزہ چکھائیں۔
(٢١) إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا	مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کیے انکو انکے
فَأُولٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا	اعمال کا دونا صلہ ملے گا۔
(٢٢) لِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا وَلِيُوَفِّيَهُمْ	اور ہر ایک کیلیے انکے عمل کے مطابق درجات ہیں تاکہ انکے
وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ	اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے اور ان پر ظلم نہ ہونے پائے
(٢٣) وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا	اور جو شخص ایک ذرہ برابر بھلائی کریگا اس کا
يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ	نتیجہ دیکھے گا اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا
شَرًّا يَّرَهٗ	اس کا نتیجہ دیکھے گا۔

(۲۴) سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	عنقریب انکو انکے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔
(۲۵) جَزَاءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	(یہ) اس کا بدلہ ہے جو کام انھوں نے کیے۔
(۲۶) وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ	اور (فرشتہ جہنم) کہیگا کہ جو اعمال تم نے کئے ہین انکا مزہ چکھو
(۲۷) وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيْكُمْ	اور تم کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ تمھارے ہی کرتوت کا نتیجہ ہے۔
(۲۸) أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيْبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ	اور جب تمھاری ایسی ہار ہوئی جس کے دو چھے تم جیت چکے تھے تو ایسے وقت مین تم یہ کہتے ہو کہ یہ کہان سے ہوئی، ان سے کہدو کہ یہ ہار خاص تمھاری طرف سے ہوئی

عمل کے بارہ مین اتنی کثیر اور صریح آیات کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ قضا و قدر کے معنی جبر محض اور تعطل کے ہین۔

تعدد ازدواج اور طلاق یورپ کے شعوبی اسلام کی بعض ایسی چیزون پر صدیون سے اعتراض کرتے چلے آتے ہین جو اب خود یورپ مین بھی ناپسندیدہ نہین سمجھی جاتی ہین، مثلاً بعض مغربی مصنفین مسلمانون کے زوال کے اسباب مین تعدد ازدواج اور طلاق کو بھی شمار کرتے ہین، لیکن اب اس زمانہ مین نئی تہذیب کے فرزندون مین بھی طلاق کا رواج ہوگیا ہے، اور عجب نہین کہ تھوڑے ہی دنون مین ان مین مسلمانون سے زیادہ طلاق رائج ہو جائے، صرف ایک صوبہ جات متحدہ امریکہ مین دو لاکھ سے زیادہ سالانہ طلاقین ہوتی ہین، اور سارے یورپ خصوصاً فرانس مین طلاق کے مقدمات کی تعداد ہزارون سے زیادہ متجاوز ہوگئی ہے[1]، طلاق عبرانی، یونانی،

[1] یہ کتاب اب سے بیس سال پہلے لکھی گئی تھی جب یورپ و امریکہ مین طلاق کی غالباً اتنی کثرت نہیں تھی جتنی اب ہے، اب تو بات بات پر طلاق کی نوبت آجاتی ہے، اور ایسی ایسی چھوٹی بلکہ مضحکہ خیز باتون پر جن کا مسلمان کبھی تصور بھی نہین کر سکتے، انکی خبرین آئے دن اخبارات مین چھپتی رہتی ہین۔ "مترجم"

اور روم میں تمام قوموں میں بھی رائج تھی، بلکہ روم میں کہ اپنی بیوی کو قتل تک کر دینے کا قانونی حق تھا، اور جمہوریہ روما کے زمانہ میں طلاقوں کی بڑی کثرت تھی، اگر نصرانیت اپنے پیروؤں میں طلاق کے بارہ میں انصاف نہ قائم کر دیتی تو طلاق کا شوق عورتوں کو تباہ کر دیتا۔

یہ عجیب بات ہے کہ آجکل مسلمانوں میں طلاق کا رواج ان قوموں کے مقابلہ میں بہت کم ہے، جو کل تک اس کی سب سے بڑی منکر تھیں، اور اس کی رفتار سے اندازہ ہوتا ہے کہ زمانہ کے ساتھ ان میں اس کا رواج بڑھتا جائے گا، اسلام میں طلاق صرف ضرورت کے وقت جائز ہے، ورنہ فی نفسہ حدیث نبوی میں اس کی ممانعت ہے کہ "زنا کی تہمت کے علاوہ عورتوں کو طلاق نہ دو" "اللہ مزہ چکھنے والوں اور مزہ چکھنے والیوں کو دوست نہیں رکھتا" ایک دوسری حدیث میں ہے کہ "جائز چیزوں میں اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ چیز طلاق ہے" کلام مجید میں حتی الامکان مردوں کو طلاق دینے سے بچانے کے لیے عورتوں کے ساتھ نرمی و ملاطفت کے مختلف طریقے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا	پس اگر وہ (بیویاں) تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے تم
شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا	ایک چیز کو ناپسند کرو لیکن اللہ اسمیں کوئی بڑی بھلائی رکھدے۔
وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا	اور اگر تم لوگوں کو دونوں (میاں بیوی) میں کشاکش
حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا	کا اندیشہ ہو تو تم لوگ ایک آدمی جو فیصلہ کرنے کی صلاحیت
اِنْ يُّرِيْدَاۤ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا	رکھتا ہو مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی عورت کے
. . . .	خاندان سے بھیجو، اگر ان دونوں آدمیوں کو اصلاح
. . . .	منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ دونوں میاں بیوی میں
. . . .	اتفاق فرما دے گا۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (نساء - ١٩)

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے بد دماغی یا لاپروائی کا خوف ہو تو دونون پر اس مین گناہ نہین ہے کہ آپس مین ایک خاص صلح کرلین، اور صلح بہتر چیز ہے۔

فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا

پس اگر وہ تمھاری اطاعت کرلین تو ان پر بہانہ مت ڈھونڈھو۔

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاۗءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا، فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (طلاق - ١)

اے پیغمبر جب تم لوگ عورتون کو طلاق دینے لگو تو انکی عدت سے پہلے طلاق دو اور تم عدت کو یاد رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمھارا رب ہی، ان عورتون کو گھر دن سے نہ نکالو اور نہ وہ عورتین خود نکلین مگر ہان اگر کھلی ہوئی بیحیائی کرین تو اور بات ہی، اور یہ سب خدا کے مقرر کیے ہوئے احکام ہین، جو شخص احکام خداوندی سے تجاوز کرے گا اس نے اپنے اوپر ظلم کیا، تم کو خبر نہین شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کردے پھر جب وہ عورتین اپنی عدت گذارنے کے قریب پہنچ جائین تو ان قاعدے کے موافق نکاح مین رہنے دو یا قاعدے کے موافق ان کو رہائی دیدو اور آپس مین دو معتبر آدمیون کو گواہ کرلو۔

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اور مطلقہ عورتون کے شوہر دوران عدت مین

إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا — بلا تجدید نکاح کے) ان عورتون کو لوٹا لینے کا حق رکھتے ہین بشرطیکہ اصلاح کا مقصد رکھتے ہون۔

جیسا کہ قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن نے طلاق سے حتی الامکان بچانے کی کوشش کی ہے، اور طلاق کی صورت مین بھی عورتون کے ساتھ نرمی کا لحاظ رکھا ہے،

اسلام نے ضرورت کے وقت چند قیود و شرائط کے ساتھ ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کی بھی اجازت دی ہے، جیسا کہ قرآنی حکم سے ظاہر ہوتا ہے، لیکن اس کا رواج اب مسلمانون مین بہت کم ہوتا جاتا ہے، اور زیادہ تر دیہاتون مین شدید ضرورت کی حالت مین ایک سے زیادہ شادی کیجاتی ہے، ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کی پہلی شرط عدل ہے، اس کے بغیر اجازت نہین، قرآن کا حکم صریح ہے

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً — اگر تم کو اس کا خوف ہو کہ بیویون مین عدل نہ قائم کرسکو گے تو صرف ایک بیوی پر اکتفا کرو،

. . . .

عدل سے مراد چیزون کی تقسیم، شب باشی اور نان و نفقہ مین عدل ہے، دل کے میلان مین نہین کہ وہ اختیار کی چیز نہین، اسی لیے ارشاد ہوا

وَلَن تَسْتَطِيعُوا أَن تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ — تم کتنا ہی چاہو بیویون مین عدل قائم نہین رکھ سکتے، مگر یہ نہ ہو کہ تمام تر ایک ہی کی جانب مائل ہو جاؤ،

سر ولیم اسلامی مسائل کے حل کرنے مین جس کی مہارت مسلّم ہے لکھتا ہے[1] کہ "اسلام مین طلاق کی اجازت دی گئی ہے، لیکن اس کے لیے ایسے قواعد بنا دیے گئے ہین جو عجلت اور

[1] اسپرٹ آف اسلام سید امیر علی،

جلد بازی کی طلاق کو جس مین پورے غور و فکر سے کام نہ لیا گیا ہو باطل قرار دیتے ہین، اور ایسی طلاق کے لیے جس مین رجعت نہ ہو سکے یہ ضروری ہے کہ تین طلاقین علٰحدہ علٰحدہ حیض کے تین دورون مین دیجائین"۔ لیبان لور واٹولیبو[1] کے اس خیال کی تردید مین کہ "تعدد ازدواج کا نظام مسلمانون کے جمود کا سبب ہے"، لکھتا ہے کہ "مشرقیون کا شرعی اور قانونی تعدد ازدواج اہل یورپ کے پرفریب اور خفیہ تعدد ازدواج سے بہتر ہے، جو اپنے ساتھ ناجائز اولادون کا سلسلہ بھی لاتا ہے...... اور گذشتہ زمانہ مین اتنی ہی مشہور عالمہ مسلمان عورتین پیدا ہوئین جتنی آجکل کے یورپ کی نسوانی درسگاہون سے پیدا ہوتی ہین"۔

شعوبیون کا یہ خیال صحیح نہین ہے کہ اسلام مین تعدد ازدواج کی اجازت مسلمانون کے زوال کا سبب ہے، بلکہ شروع مین جب مسلمانون کو کثرت تعداد کی اس لیے ضرورت تھی کہ مسلسل لڑائیون کی وجہ سے مردون کی تعداد کم ہوگئی تھی جن پر ان کے ملک کی حفاظت کا مدار تھا، اس وقت تعدد ازدواج ہی نے ان کی تعداد بڑھائی، اگر اس کی اجازت نہ ہوتی تو بہت سے گھرانے نسل کی کمی کی وجہ سے مٹ جاتے، جب زمانہ ترقی کر گیا اور اسکی ضرورت نہین رہی تو حالات کے مطابق خود بخود تعدد ازدواج مین کمی ہوگئی، اور اس کی ابتدا اسلام نے نہین کی بلکہ اس کے بہت پہلے سے دوسری قومون مین بھی اس کا رواج تھا، خود حضرت موسیٰؑ اور حضرت داؤدؑ کے بہت سی بیویان تھین، لیبان کا بیان ہے کہ "امریکہ کے مارمن تعدد ازدواج کے قائل ہین، اور ان مین سے بعض دس دس بیویان رکھتے ہین لیکن ان کا یہ رواج ان کو ترقی سے نہ روک سکا، پروٹسٹنٹ نے جب ان کو تباہ کن لڑائیون کے ذریعہ مٹا دینا چاہا اور وہ دوسری ریاستون مین بھاگ گئے، اس وقت انھون نے پچاس

[1] روح السیاست لیبان

سال کے اندر نہایت درخشان تہذیب پیدا کرلی، اور اپنی کوشش اور محنت سے اوسرادل بنجر علاقون مین ترقی یافتہ صنعتین، اعلیٰ درجہ کی زراعت، کارخانے، عمارتین اور خوشنما شہر بنائے، ایک مرتبہ تعدد ازدواج کے بارہ مین ایک مارمن عورت کی رائے پوچھی گئی اس نے جواب دیا کہ مین ایک اوسط درجہ کے آدمی کی ایک بیوی بننے کے بجائے ایک بلند مرتبہ انسان کی دسوین بیوی ہونا زیادہ پسند کرتی ہون۔"

لیبان کا یہ بھی بیان ہے[1] کہ "تعدد ازدواج کی بدعت کچھ عربون کی ایجاد نہین ہے بلکہ اسلام سے پہلے بھی وہ عرب یہود اور مشرق کی دوسری قومون مین رائج تھا، اور اسکو انھون نے زندگی کی ضروریات، آب و ہوا کے اثرات اور دوسرے امور کی بنا پر جو اہل مشرق کی زندگی مین پائے جاتے ہین اختیار کیا تھا، عورتون کے جسم کی ترکیب، ولادت اور بیماری وغیرہ بہت سے مواقع بعض اوقات عورتون کو اپنے شوہرون سے علیحدہ رہنے پر مجبور کرتے ہین، جس کی برداشت مشرق کی آب و ہوا مین اہل مشرق کے گرم مزاج کے لیے بہت دشوار ہے، اس لیے دو بیویان رکھنا ان کے لیے ناگزیر ہوگیا، اور مغرب کی آب و ہوا مین چونکہ اس سے کم کی ضرورت ہوتی ہے، اسی لیے ایک شادی کا قانون صرف یورپ مین ہے، لیکن ایک شادی سے اخلاق بہت کم محفوظ رہتا ہے، ہم اہل یورپ ایک بیوی کرنے مین نفاق وریا سے کام لیتے ہین، حالانکہ میان بیوی کے اندرونی جذبات سے پوری طرح واقف ہوتے ہین، ایسی حالت مین مشرقیون کا ایک سے زیادہ قانونی بیوی رکھنا اس سے زیادہ کیون برا ہے، اس کے علاوہ اہل مشرق افزائش نسل اور گھریلو زندگی کی مسرتون کو بہت پسند کرتے ہین، اور ان مین عدل کا جو احساس ہے وہ ان کو اس کی

[1] تمدن عرب لیبان

اجازت نہیں دیتا کہ وہ شرعی بیوی کو محض ناپسندیدگی کی بنا پر چھوڑ دین، اس لیے ان مین اس قسم کے جو اخلاق پہلے سے رائج چلے آتے تھے شریعت نے بھی ان کی موافقت کی، کیا عجب ہے کہ اخلاق پر اثر پڑنے کی وجہ سے مشرق کی طرح ایک دن مغرب کے قوانین بھی ایک سے زیادہ بیوی کے رواج کو مان لین، اس کے علاوہ مشرق مین جن گھرانون کا مدار زراعت اور مویشی پر ہے ان مین بسا اوقات جب پہلی بیوی تنہا گھر اور کھیتی کا انتظام نہین سنبھال سکتی تو وہ خود شوہر کو دوسری شادی کرنے پر مجبور کرتی ہے، افزائش نسل سے مشرقیون کا شغف اسمین اور زیادہ مدد دیتا ہے، ان مین زیادہ اولاد کا نہ ہونا بڑی بدنصیبی سمجھا جاتا ہے، اس لیے بعض اس غرض سے بھی زیادہ شادیان کرتے ہین"

اس کے بعد لکھتا ہے کہ "اس قسم کی شادیون مین دو بیویون کے درمیان رشک و حسد کی کوئی حقیقت نہین ہے، اس قسم کے شکوک ہمارے یورپین اوہام نے پیدا کیے ہین، اور محض اس لیے کہ ہم دو شادیون کو اچھا نہین سمجھتے، رشک و حسد کا نہ ہونا محال سمجھتے ہین اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ہمیشہ محض اپنے جذبات کے مطابق سوچتے ہین، دوسرون کے جذبات اور نقطۂ نظر سے غور نہین کرتے، چند نسلون مین بہت سے پرانے اوہام ختم اور بعض نئے پیدا ہو جاتے ہین، چنانچہ اگر ہم انسان کی اجتماعی زندگی کے اس دور پر نظر ڈالین جب ایک خاندان کے متعدد مردون مین ایک عورت مشترک ہوتی تھی، بلکہ اس کے بعد کے زمانہ سے لیکر اپنے زمانہ تک ان مقامات کو دیکھیں جہان اب بھی یہ رواج موجود ہے، مثلاً ہندوستان کے بعض علاقے، تو اس مسئلہ مین ہماری رائے بہت کچھ بدل جائے گی، اسلام نے صرف تعدد ازدواج مین عرب کی پرانی رسم کو قائم نہیں رکھا، بلکہ عورتون کی حالت پر بہت اچھا اثر ڈالا، ان کا درجہ بلند کیا، ان کی اجتماعی حیثیت بلند کر دی، اور قرآن نے ہمارے بہت سے

یورپین قوانین سے زیادہ عورتوں کا مرتبہ بڑھایا، اس نے عورتوں کی حالت سدھارنے مین جو کام انجام دیا ہے اس کا اندازہ کرنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ قرآن سے پہلے عورتون کا جو حال تھا اس پر نگاہ ڈالین"۔

اس کے بعد لیبان نے عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کے بارہ مین قرآن مجید کی آیتین نقل کی ہین، اور مسلمانون کے اخلاق اور اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ تعدد ازدواج اور قضا و قدر کا عقیدہ مسلمانون کے زوال کا سبب نہین تھا، اس بحث مین وہ لکھتا ہے کہ "کسی قوم کے اخلاق پر بحث کرنے کے لیے تنہا اس کے مذہب پر بحث کافی نہین ہے، اس لیے کہ اخلاقی حیثیت سے دنیا کے تمام مذاہب کی تعلیمات پاکیزہ ہین، اگر ان پر پورا عمل کیا جائے تو سارے روئے زمین پر عہد زرین قائم ہو جائے، لیکن مختلف مذاہب کے مبادیات مین جن طریقون کی پیروی کیجاتی ہے وہ ماحول، زمانہ اور قوم کے حالات اور دوسرے بہت سے اسباب کی بنا پر مختلف ہوتے ہین، اسی لیے مختلف و متضاد اخلاق رکھنے والی قومین ایک ہی دین کی پیرو ہوتی ہین، یہ اصول دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب پر جن مین اسلام بھی ہے منطبق ہوتا ہے، پس قرآن کے اخلاقی قوانین تو مکمل ہین، لیکن قومون کے طبائع، ماحول اور نسلون کے اعتبار سے ان مین ان کی تاثیر مختلف ہو جاتی ہے، اسلام کے آغاز مین عرب اس زمانہ کی تمام قومون خصوصاً نصرانیون سے اخلاق مین زیادہ بلند تھے، اور اپنی محکوم قومون کے ساتھ عدل و انصاف، اعتدال و میانہ روی، نرمی و ملاطفت، رواداری، عہد کی پابندی اور دوسرے اخلاق عالیہ مین ممتاز تھے، اور ان کے یہ اوصاف ان قومون کے مقابلہ مین جن کی سیرت اس کے متضاد تھی، خصوصاً جنگ صلیبی کے زمانہ کے یورپینون کے مقابلہ مین حیرت انگیز طریقہ سے روشن و تابان تھے"۔

"اہل یورپ جن اثرات کو معمولاً اسلام کی جانب منسوب کرتے ہین، جب ہم انکو مذہب کیجانب

منسوب کرنا چاہیں تو یہ کہنا ہمارا فرض ہوگا کہ تم قرآن کا اخلاق انجیل کے اخلاق سے زیادہ بلند تھا اس لیے کہ جو قومیں اسلام کی پیرو تھیں وہ اخلاق میں نصاریٰ سے زیادہ بلند تھیں، اور مختلف اسباب وعوامل کی بنا پر جن کا ذکر ہم کر چکے ہیں، مختلف مسلمانوں کا اخلاق نصاریٰ کے اخلاق کی طرح مختلف تھا، جو بعض زمانوں میں انتہائی بلند تھا، اور بعض میں انتہائی پست، مثلاً ترکوں کے عہد حکومت نے جس میں وہ اپنے محکوموں پر مختلف قسم کے سیاسی احکام مسلط کراتے رہے، ان کے مشرقی محکوموں کے اخلاق کو بہت پست کر دیا، اور جن ملکوں میں ان کی حکومت رہی وہاں حکام اور رعایا کی خواہشِ نفس کا نام قانون تھا، اور آدمی بہت سے چھوٹے ظالموں[1] (حکام وارباب اقتدار) کے تیر ستم کا نشانہ تھے، جن کا مقصد صرف دوسروں کی دولت چھین کر اپنا گھر بھرنا تھا، اور اس کی کوئی شنوائی نہیں تھی، بغیر رشوت کے کوئی کام نہیں چلتا تھا، اور مشرقیوں کے وہ اخلاق جن کی وجہ سے ترکوں کی محکومی ان کے مقدر میں لکھ گئی تھی، یقیناً بہت گرے ہوئے تھے، لیکن قرآن کا دامن ان انحطاط سے اسی طرح پاک ہے، جس طرح ترکوں کی محکومی میں زندگی بسر کرنے والے نصرانیوں کے انحطاط سے انجیل بری ہے، اس بحث سے اہل یورپ کی اس عام رائے کی غلطی ظاہر ہوگئی کہ بعض مشرقی قوموں کی انتہائی اخلاقی گراوٹ کا سبب محمد کا دین ہے، یہ رائے بھی اس سلسلۂ اوہام کا نتیجہ ہے جس کی ایک کڑی یہ ہے کہ تعدد ازدواج اور قضا وقدر کے عقیدہ کا قرآنی حکم لوگوں میں پستی اور بے حسی پیدا کرتا ہے، اور محمد اپنا دین قبول کرنے والوں سے محض آسان فرائض کا مطالبہ کرتے ہیں، یہ تمام باتیں بداہۃً غلط ہیں، تعدد ازدواج کی رسم محمدؐ سے صدیوں پہلے مشرقی قوموں میں رائج تھی، اور قرآن دوسری مذہبی کتابوں سے زیادہ قضا وقدر کے عقیدہ کی تعلیم نہیں دیتا، اور اس عقیدہ نے عربوں کے دلوں سے سعی وعمل کا جذبہ ختم نہیں کیا، انھوں نے

[1] یعنی رعایا کے مختلف طبقے بھی اپنے زیردستوں پر ظلم کرتے تھے، لیبان نے ترکوں کے متعلق اس بیان میں بہت مبالغہ سے کام لیا ہے۔ "م"

اپنے عمل ہی کی بدولت ایک عظیم الشان حکومت قائم کی، اس لیے قرآن کے اخلاقی احکام بھی دوسری مذہبی کتابون کے احکام کی طرح نہایت بلند ہین"۔

اسی سلسلہ مین لیبان آگے چل کر لکھتا ہے کہ "اگر مشرق مین مسلمانون کی پستی کا سبب اسلام ہی تھا تو ہم کو یہ ثابت کرنا چاہیے کہ جو مشرقی تعدد ازدواج اور قضا و قدر کے عقیدہ کے قائل نہین ہین مثلاً شام کے عیسائی، وہ انحطاط سے کیون نہین محفوظ رہے، ہم کو کسی ایسے مصنف کا علم نہین ہے جس نے مشرق کے حالات کا تھوڑا بہت بھی مطالعہ کیا ہو، اور وہ اس کے اعتراف پر مجبور نہ ہوا ہو کہ شام کے عیسائیون مین وہان کے مسلمانون سے زیادہ اخلاقی پستی ہے، اس لیے اب یہ وقت آگیا ہے کہ ہم اس کا اعتراف کرین کہ قرآن کا اخلاق بھی دوسرے مذاہب کے اخلاق کی طرح ہے اور اس کی پیرو قومون کے اخلاق بھی شریعت مسیح کے پیروون کے اخلاق کی طرح زمانہ اور قومون کے اختلاف کی بنا پر بہت مختلف ہین، ان دونون مذہبون کے ماننے والے مختلف اسباب دعوامل کا ہدف رہے ہین، اس لیے ان مین دینی قوانین ہی سب سے بڑے عامل نہین تھے، اس بحث سے سب سے بڑا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قرآن کے ماننے والون مین اس کا جتنا عظیم الشان اثر ظاہر ہو اتنا کسی دوسرے مذہب نے اپنے پیروون مین کم پیدا کیا، قرآن کے ایسا دائمی اثر کسی مذہب مین بھی نہین ہے، قرآن ہی وہ قطب ہے جس کے مدار پر مشرق کی زندگی گردش کر رہی ہے، اور اس کا اثر زندگی کے تمام اعمال مین نمایان ہے"۔

پردہ سب سے بڑا مسئلہ جس پر اسلام کو ہدفِ ملامت بنایا جاتا ہے، وہ اسلامی ملکون کی مسلمان عورتون کا پردہ ہے، بعض شعوبیون کا دعویٰ ہے کہ بعض اسلامی ملکون کے انحطاط کا سبب عورتون کا پردہ ہے، کیونکہ وہ زندگی کے مادی اور عقلی میدان مین ان کو مردون کے مقابلہ سے روکتا ہے، اور پردہ نے کاہلی، سستی اور بہیمیت کی زندگی ان کے لیے مرغوب بنا دی ہے،

جس سے گھریلو زندگی کا نظام درہم برہم ہوگیا، اور اولاد کی تربیت کی جانب توجہ باقی نہین رہ گی
اور عورتون کو محض مردون کا آلہ تفریح اور ان کی دلچسپی کا کھلونا بنانے کی وجہ سے مسلمانون پر مسلسل انحطاط طاری ہوگیا، اور فطرت نے عورتون کو جو حقوق عطا کیے ہین، ان سے فائدہ اٹھانے سے پردہ نے عورتون کو روک دیا اور شریعت نے ان کا گلا گھونٹ کر قوم کے آدھے حصہ کو اجتماعی جد و جہد مین حصہ لینے سے محروم و معطل کر دیا۔"

یہ پردہ کے متعلق شعوبیون کے دعوٰون کا خلاصہ ہے، درحقیقت قرآن مجید نے عورتون کے اخلاق و آداب اور وقار کو محفوظ رکھنے، ان کو ابتذال اور غیر مردون کے سامنے نمایش سے روکنے کیلیے جسپر خانگی زندگی کی مسرت کا مدار ہے، اور مسلمان مردون اور عورتون کو زمانہ جاہلیت کے برے عادات و اطوار سے بچانے کے لیے ایک قانون بنایا ہے، خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواج مطہرات کو تکلیف سے محفوظ رکھنے کے لیے خاص قسم کا پردہ ان کے ساتھ اس لیے مخصوص رکھا کہ عام لوگ بغیر اجازت کے ان کے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ جائین کیونکہ عرب جاہلیت کے دستور کے مطابق انتہائی رہقانیت کے ساتھ بے تکلف دوسرون کے گھرون مین چلے جاتے تھے، چنانچہ کلام مجید مین ارشاد ہے،

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِن قِيلَ لَكُمُ	اے ایمان والو! تم اپنے گھرون کے سوا دوسرون کے گھرون مین داخل مت ہو جبتک کہ اجازت نہ حاصل کرلو اور ان کے مکینون کو سلام نہ کرلو یہی تمھارے لئے بہتر ہے، (یہ بات تمکو اسلیے بتائی ہے) تاکہ تم اسکا خیال رکھو پھر اگر ان گھرون مین تم کو کوئی نہ معلوم ہو تو ان گھرون مین نہ جاؤ جبتک کہ تمکو اجازت نہ دیجائے اور اگر تم سے

ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ	یہ کہدیا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ جایا کرو یہی بات
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ. لَيْسَ عَلَيْكُمْ	تمہارے لیے بہتر ہے اور اللہ کو تمہارے اعمال کی سب
جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ	خبر ہے، تمکو ایسے مکانون مین جانے کا گناہ نہ ہوگا
فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ	جن میں کوئی نہ رہتا ہو اور جنہین تمہارا کچھ سامان ہو
وَمَا تَكْتُمُوْنَ	اور تم جو کچھ علانیہ کرتے ہو اور جو پوشیدہ طور پر کرتے ہو
(نور)	اللہ تعالیٰ سب سے واقف ہے۔

دوسرے موقع پر ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا	اے ایمان والو! نبی کے گھرون مین مت جایا کرو
بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّا اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ	مگر جس وقت کھانے کے لیے اجازت دیجائے ایسے
اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰهُ وَلٰكِنْ	طور پر کہ تم اسکی تیاری کے منتظر نہ رہو لیکن جب تمکو
اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ	بلایا جائے تب جایا کرو، پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھکر
فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ	چلے جایا کرو اور باتون مین جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو
اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ	اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے، سو وہ تمہارا
مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ وَ	لحاظ کرتے ہین اور اللہ صاف بات کہنے سے لحاظ
اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ	نہین کرتا اور جب تم انکی بیویون سے کوئی چیز مانگو
مِنْ وَّرَاۤءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ	تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو، یہ تمہارے دلون اور
لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ	ان کے دلون کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے
اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا اَنْ	اور تمکو جائز نہین کہ رسول اللہ کو کلفت پہنچاؤ اور
تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ اَبَدًا	ان کے بعد ان کی بیویون سے کبھی نکاح نہ کرو

اِنَّ ذَالِکُمْ کَانَ عِنْدَ اللّٰہِ عَظِیْمًا (احزاب) یہ خدا کے نزدیک بڑی بھاری بات ہے۔

پہلی آیتون کے معنی ظاہر ہین، دوسری آیات مین مسلمانون کو اس کی ممانعت کی گئی ہے کہ وہ بغیر اجازت کے جب تک ان کو دسترخوان پر نہ بلایا جائے وہ کھانے کے قصد سے یا باتین کرنے کے لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر مین اور آپ کی ازواج مطہرات کے پاس نہ جائین تاکہ آپ کے پاس زیادہ دیر تک نہ ٹھہرین، یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ کھانا کھانے کے بعد چلے جایا کرین، اور جب کوئی بات پوچھنا ہو تو پردہ کی آڑ سے پوچھین، اسلیے کہ جو لوگ کھانا کھانے کے بعد بھی نہین ٹلتے تھے، ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوتی تھی، اور یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی بیویون سے نکاح نہ کرین، اس لیے کہ وہ مسلمانون کی مان ہین۔

ازواج مطہرات ضروریات کے لیے جب رات کو گھر سے نکلتی تھیں تو بعض منافقین ان کو چھیڑتے تھے، جس سے ان کو تکلیف پہنچتی تھی، اس کی انھون نے شکایت کی، منافقین سے جب پوچھا گیا تو انھون نے جواب دیا کہ وہ لونڈیون کے دھوکے مین ایسا کرتے ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَ	اے نبی اپنی بیبیون سے اور اپنی لڑکیون سے
بَنَاتِکَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ	اور دوسری مسلمان بیبیون سے کہدیجئے کہ اپنے
عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ ذَالِکَ	اوپر اپنی چادرین تھوڑی سی نیچے کر لیا کرین، اس سے
ادنی ان یعرفن فلا یوذین و	جلدی پہچان ہو جایا کرے گی تو تکلیف نہ دیجائیگی
کان اللّٰہ غفورا رحیما	اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے،

اس آیت کے نزول کے بعد ان کو حکم دیا گیا کہ وہ لونڈیون کے لباس سے مختلف لباس

استعمال کیا کریں، چادر سے اپنے کو چھپا لیا کریں، عورت اپنے چہرہ پہ بھی ڈوپٹہ ڈال لیا کرے اور دیکھنے کے لیے صرف ایک آنکھ کھلی رہے،

قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم
ویحفظوا فروجھم ذلك ازکی
لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون
وقل للمومنات یغضضن من
ابصارھن ویحفظن فروجھن
ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر
منھا ولیضربن بخمرھن علی
جیوبھن ولا یبدین زینتھن
الا لبعولتھن او اٰبائھن او اٰباء
بعولتھن او ابنائھن او ابناء بعولتھن
او اخوانھن او بنی اخوانھن او
بنی اخواتھن او نسائھن او ما ملکت
ایمانھن او التابعین غیر اولی
الاربۃ من الرجال او الطفل
الذین لم یظھروا علی عورات
النساء ولا یضربن بارجلھن لیعلم
ما یخفین من زینتھن وتوبوا

اے پیغمبر تم مسلمانوں سے کہدو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں
اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے
زیادہ پاکیزگی کی بات ہے، بیشک اللہ کو سب کی خبر ہے،
جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں اور مسلمان عورتوں سے کہدو
کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں
اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اسمیں سے عموماً کھلا رہتا
ہے اور اپنے ڈوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں اور
اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر
یا اپنے باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر
یا اپنی لونڈیوں پر یا ان مردوں پر جو طفیلی ہوں اور انکو
ذرا توجہ نہ ہو یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کی پردہ
کی باتوں سے ابھی واقف نہیں ہیں اور اپنے
پاؤں اس طرح زور سے نہ رکھیں کہ ان کا
مخفی زیور معلوم ہو جائے اور مسلمانو! تم سب
اللہ کے سامنے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ......

....

....

الی اللہ جمیعا ایہا المومنون لعلکم تفلحون
....

اس آیۃ مین پردہ کا حکم ہے اور عورتونکے جن گھر والون کو ان کی زینت و آرایش دیکھنا جائز ہے، ان کو بھی بتا دیا گیا ہے، مفسرون نے "لیضربن بخمرھن علی جیوبھن" کی تفسیر مین لکھا ہے کہ وہ مقنع سے اپنی گردن اور سینہ چھپا لیا کرین، لیکن اسی کے ساتھ شریعت نے عورتون کو چہرہ، پورے ہاتھ بازو تک اور قدموں کو کھلا رکھنے کی اجازت دی ہے، چہرہ کو کھلا رکھنے کی اجازت کے بعد یہ ضروری نہین ہے کہ پردہ کے وہی معنی لیے جائین جو متاخرین نے لیے ہین، "لا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن" کا مطلب یہ ہے کہ ایسی حرکات نہ کرین جس سے مردون کو یہ اندازہ ہو سکے کہ یہ عورت زیورات اور پازیب وغیرہ پہنے ہے، پردہ کی دو آیتین اور بھی ہین،

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ	اے نبی کی بیبیو تم معمولی عورتوں کی طرح نہین ہو
النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ	اگر تم تقوی اختیار کرو تو بولنے مین نزاکت مت
بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ	اختیار کرو کہ اس سے ایسے شخص کو طمع پیدا ہو جاتی
مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا، وَقَرْنَ	ہے جس کے دل مین خرابی ہوتی ہے، اور قاعدہ کے موافق
فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ	بات کہو اپنے گھر مین قرار سے بیٹھی رہو، اور قدیم زمانہ
الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی	جاہلیت کے دستور کے موافق مت کرو۔

دوسری آیۃ یہ ہے:

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ	اور بوڑھی عورتین جن کو نکاح کی امید نہ رہی ہو
لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ	ان کو اس بات مین کوئی گناہ نہین کہ وہ اپنے
جناح ان یضعن ثیابھن غیر	کپڑے اتار رکھین بشرطیکہ زینت کا اظہار نہ کرین
مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ	اور اس سے بھی احتیاط رکھین جوان کیلیے اور زیادہ

خَیْرٌ لَّهُنَّ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ	بہتر ہے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے،

مذکورہ آیات مین جس حد تک پردہ کا حکم ہے، یہی درصل اسلامی پردہ ہے،

پرانی قومون مین زمانہ قدیم سے بابل، اشوریہ، ایران، روم، ہندوستان اور بعض جاہلی عربون مین پردہ کا عام رواج تھا، اسلام نے بھی اس کے مفید حصہ کو قائم رکھا، پھر اس کے بعد جب مسلمانون مین تہذیب وتعیش پوری طرح پھیل گیا، اس وقت فتنہ کے خوف اور عورتون کو آزادونشون سے بچانے کے لیے جس سے خانگی زندگی کا نظام درہم برہم ہوجاتا ہے، مسلمانون نے عورتون کو پردہ مین رکھنے کی ضرورت محسوس کی، اس کے بعد رفتہ رفتہ شام، عراق اور ایران مین جہان قدیم زمانہ سے پردہ چلا آتا تھا، اس کی شدت بڑھتی گئی، اور پھر سارے اسلامی ملکون مین پھیل گئی، لیکن اس کا دائرہ زیادہ تر شہرون تک محدود رہا، اور مختلف ملکون کے حالات کے اعتبار سے ان مین پردہ کی شکلین مختلف تھین، جن ملکون مین قدیم الایام سے پردہ چلا آتا تھا ان مین زیادہ سخت ہوگیا، اور جن مین پہلے سے اس کا رواج نہین تھا، ان مین ہلکا رہا، مثلاً قوقاز مین آج بھی جب تک لڑکیون کی شادی نہین ہوجاتی وہ پردہ نہین کرتین، ابن بطوطہ نے شہر استرخان کے ذکر مین سلطان محمد اوزبک سے اپنی ملاقات کے حال مین لکھا ہے کہ محل کے اندر عورتین کس آزادی سے چلتی پھرتی تھین، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تاتاریون مین عربون یا ان لوگون سے جو اپنی تہذیب وتمدن مین عرب بن گئے تھے، کم پردہ تھا، اس لیے کہ تاتاریون اور ترکون مین تمدن عربون کے مقابلہ مین بداوت تھی، اور آج بھی تاتاریون مین پردہ کی زیادہ اہمیت نہین ہے، چنانچہ عثمانی ترکون کی خواتین مین دوسری اسلامی سلطنتون کی خواتین کے مقابلہ مین بہت کم پردہ تھا اسی لیے ان مین کمالی ترکون کے انقلاب کو جو فرنگیون سے بھی زیادہ سختی سے دفعۃً پردہ ختم کردینا چاہتے تھے قبول کرنے کی صلاحیت پہلے سے موجود تھی،

درحقیقت تاریخ پردہ بھی مذہبی حیثیت سے زیادہ پرانے دستور اور عادتوں کا تابع ہے سخت قسم کا پردہ مسلمانوں کے انحطاط کے ابتدائی دور میں پیدا ہوا، پھر اس وقت اور زیادہ سخت ہو گیا جب متوکل اور قادر باللہ عباسی عورتوں کو مسجدوں میں جانے اور عام جلسوں اور مجمعوں میں مردوں کے ساتھ ملنے جلنے سے حکماً روکدیا"

اسلامی تاریخ کے آخری دور میں یا اس سے بھی پہلے پردہ کی جو شکل ہو گئی اگر وہی اوائل اسلام میں بھی ہوتی تو صحابیات، تابعیات اور دوسری عرب خواتین اپنے شوہروں کے ساتھ لڑائیوں میں کس طرح جا سکتی تھیں، لڑائیوں میں مسلمان عورتیں نرس کے فرائض انجام دیتی تھیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں، اور دوسرے مجاہدین کے ساتھ ان کو بھی مال غنیمت سے حصہ ملا، ان میں وہ عورتیں بھی تھیں جو لڑنے والوں کے جذبات شجاعت کو ابھارتی تھیں، ان کی پرمحن زندگی کا بارہا کرتی تھیں، ایسی بھی تھیں جو بے نقاب سفر کرتی تھیں، مثلاً سکینہ بنت حسین اور عائشہ بنت طلحہ، ان کا حسن و جمال مشہور تھا، وہ بے تکلف مردوں سے ملتی تھیں، اگر اس زمانہ کی عورتیں شرعی حجاب سے زیادہ پردہ کی پابند ہوتیں اور چہرہ اور ہاتھ پاؤں چھپاتیں تو کیا حضرت عائشہ صدیقہ، دوسری ازواج مطہرات اور صحابیہ عورتوں سے علمی استفادہ ممکن تھا،

تاریخ اسلام میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں جن سے بے پردگی کے حامی دلیل لاتے ہیں، اس لئے کہ ان کو یہ معلوم ہے کہ بعض عورتیں میدان جنگ میں جاتی تھیں، اور فوج کے پیچھے بیٹھکر مردوں کو ابھارتی تھیں، اور جب کوئی شخص پیٹھ دکھاتا تھا تو اس کو مار مار کر واپس کرتی تھیں، پردہ کے حامی بھی اس سے واقف ہیں کہ قدیم زمانہ میں عورتوں میں ایسا پردہ تھا جس سے شریعت کے حکم کی بھی تعمیل ہو جاتی تھی اور سوسائٹی بھی اس کو ناپسند

نہیں کرتی تھی، اس پردہ نے مسلمان عورتوں کو تحصیل علم، کسب معاش، سیاحت وسفر اور ان کامون سے نہیں روکا جن پر ازدواجی زندگی کی مسرت اور خانہ داری کے انتظام کا مدار ہے، اور نہ انکو ان کی نسوانی فطرت سے خارج کر کے ایسی فطرت پر کر دیا جس کے فرائض وہ انجام نہیں دیسکتین،

اس سے ظاہر ہوا کہ اس زمانہ مین پردہ کی شکل اس سے مختلف تھی، جیسا آجکل ویہاتون مین رائج ہے، حقیقت یہ ہے کہ شریعت نے عورتون کو اجنبی مردون سے تنہائی مین ملنے جلنے اور غیر محرمون کے سامنے بناؤ سنگار کی نمایش سے منع کیا ہے، اور کون عقل سلیم اس قسم کی آزادی کو پسند کرسکتی ہے؛ خلوت مین کسی اجنبی مرد سے عورت کی بے تکلفی کی ملاقات اور اپنے سنگار کی نمایش سے زیادہ جذبات کو برانگیختہ کرنے والی اور عقل اور شرم وحیا سے بعید اور کونسی بات ہوسکتی ہے، لیکن اگر اسلام مین ایسا ہی سنگین رسمی پردہ ہوتا جس کی تصویر بعض لوگ کھینچتے ہین کہ وہ عمل سے مانع ہوتا تو اسلامی تاریخ مین صحابیات کے زمانہ سے لیکر اس وقت تک تعلیم یافتہ، محدثہ، واعظہ اور ادیبہ خواتین کی اتنی بڑی تعداد نظر آسکتی تھی؛ بہت سی عورتون نے ملکی انتظامات مین مردون کی اور بیویون نے بڑے بڑے کامون مین اپنے شوہرون کی مدد کی ہے، اور ان کے بہتیرے کارنامون مین ان کی تعلیم یافتہ بیویون کا آدھا حصہ ہے،

جاحظ کا بیان ہے کہ زمانہ جاہلیت کے زمانہ سے لیکر اس وقت تک جب تک ازواج مطہرات کو پردہ کا حکم نہین دیا گیا، عورتین برابر مردون سے باتین کرتی تھین، خود عہد نبوی مین خلفاے راشدین کی لڑکیان، اور ان کی مائین گھرون مین چہرہ کھول کر گھومتی تھین، حج کا فریضہ چہرہ کھولے بغیر پورا نہین ہوتا، گفتگو کرنے مین مرد کی نظر عورت پر لازمی اور مسلسل پڑے گی، بشرطیکہ نظر سے مراد حرام نظر نہ لیجائے، مثلاً بالون پر نظر ڈالنا، بدن سے ملے ہوئے کپڑے کو دیکھنا کپڑے یا چادر سے ڈھکے ہوئے حصہ پر نگاہ ڈالنا، جنکا دیکھنا شوہر اور ولی کے علاوہ دوسرے کے لیے

حرام ہے، سلاطین اور اعیان واشراف کی لونڈیان ضرورت کے لیے نکلتی پھرتی تھین، دفاتر مین جاتی تھین، مردون کی صحبتون مین شریک ہوتی تھین...... لوگون کے سامنے بن سنور کر نکلتی تھین لیکن کسی نے اس پر نکیر اور عیب چینی نہین کی۔[1]

اس مین شبہہ نہین کہ پردہ نے فائدہ بھی پہنچایا، لیکن اپنی اصل حقیقت سے دور ہو جانے کی وجہ سے بعض ملکون مین آخر زمانہ مین اس سے نقصان بھی پہنچا، اور پردہ کے نام پر بڑے مہلک اور افسوسناک افعال کا ارتکاب کیا گیا، جس سے عورتین ترقی کے میدان مین پیچھے رہ گئین، اور پردہ کی اصل حکمت ومصلحت ضائع ہو گئی، ورنہ اس کی حقیقی حکمت کا اعتراف بہت سے یورپین مورخین تک کو ہے،

چنانچہ انگریز مصنف ہملٹن لکھتا ہے کہ "اسلام کے احکام عورتون کے بارہ مین نہایت واضح ہین، انھون نے عورتون کو ہر اس چیز سے بچانے کی کوشش کی ہے جو ان کو تکلیف پہنچانے اور ان کی شہرت پر دھبہ لگانے والی ہو، لیکن اسلام مین پردہ کا دائرہ اتنا تنگ نہین ہے جتنا بعض لوگ سمجھتے ہین، بلکہ وہ عین حیا وعزت اور وقار کے تقاضہ کے مطابق ہے"۔

یورپ کی اکثر عورتین بے حجابی کے جس درجہ کو پہنچ گئی ہین اور وہ جس طرح عام مجمعون مین شارع عام پر اور راتون کو جس بے تکلفی سے گھومتی ہین، اس کو کسی طرح عقل سلیم قبول نہین کر سکتی،

---

[1] گو مصنف بنیادی طور پر پردہ کے شرعی احکام کے قائل اور ان سے متفق ہین، لیکن بعض جزئیات مین انکی رائے غلط ہے، اور بعض مسلمان عورتونکی بے حجابی کے واقعات سے انکا استدلال صحیح نہیں ہے، نصوص کے مقابلہ مین کسی کا عمل بھی سند نہین ہو سکتا، عائشہ بنت طلحہ اور سکینہ بنت حسن کی کوئی مذہبی حیثیت نہین ہے، وہ صحابیہ بھی نہین ہین، دوسرے انکے متعلق جو واقعات اغانی وغیرہ مین ملتے ہین وہ بہت مبالغہ آمیز ہین، اسی طریقہ سے جاحظ کی حیثیت کسی زمانہ مین بھی عالم دین کی نہیں تھی، بلکہ وہ ایک آزاد مشرب ادیب تھے، اسلیے کسی مذہبی مسئلہ مین انکا قول سند نہیں ہو سکتا ہے، خصوصاً انکے رسالہ قیان سے جو انھون نے ناچنے گانے والی عورتون کے حالات مین لکھا ہے، اور بھی استدلال غلط ہوگا۔
"م"

اور باوجودیکہ یورپ اس کا صدیوں سے عادی ہے، اور اس نے اس بے حیائی کو برضا و رغبت
اختیار کیا ہے، پھر بھی اس مین فتنہ کا خوف ہے، مرد جتنا بھی مہذب ہو جائے پھر بھی مرد ہے، اور
عورت جتنی ترقی بھی کر جائے عورت ہی ہے، اس لیے اسلامی مشرق کو اس بارہ مین یورپ
کے نقش قدم کی ہرگز نہ تقلید کرنا چاہیے اور یہ ضروری نہین ہے کہ جو چیز مغرب کے لیے مناسب ہو وہ
مشرق کے لیے بھی موزون ہو، اور نہ کسی قوم کیلیے یہ زیبا ہے کہ وہ دوسری قومون کو اپنی قومی
خصوصیات اور مخصوص عادات واطوار کو بھی قبول کرنے پر مجبور کرے، خود یورپ مین تیرہوین
صدی تک عورتون مین ایک قسم کا پردہ تھا، جو رفتہ رفتہ کمزور پڑ گیا اور آخر مین اس درجہ کو پہنچ گیا.
یورپ کی بعض عورتین بے حجابی مین ابتذال کے جس درجہ کو پہنچ گئی ہین اس کو یورپ
کے عقلاء اور علمائے اخلاق بھی سخت ناپسند کرتے ہین، کیونکہ اس سے ایسی اجتماعی خرابیان
پیدا ہوتی ہین جن سے ہٹ دھرمی کرنے والے بھی انکار نہین کر سکتے. مثلاً اگر ذاتی جذبات
وخواہشات کو الگ کر کے دیکھا جائے تو کون عقل سلیم مغربی رقص اور اس کے لوازم ہم آغوشی
اور بوس وکنار وغیرہ کو پسند کر سکتی ہے، اگر اہل یورپ کے خیال کے مطابق رقص محض ایک
فن ہے اور اس مین کوئی عیب کی بات نہین ہے تو مرد مرد کے ساتھ اور عورتین عورتون کے ساتھ
کیون رقص نہین کرتین، مرد کا عورت کے ساتھ ناچنا تو رقص کے بنیادی قواعد مین ہے، اور شاذونادر
ہی اس کے خلاف ہوتا ہے، اگر سمین حجاب کی اتنی پردہ دری اور ناموس کی حفاظت سے اتنی آزادی
نہ ہوتی تو فتنہ اس حد تک نہین پہنچ سکتا تھا، اس لیے بعض یورپین ملک اس بارہ مین ابتک
سلامت روی پر قائم ہین، اور انھون نے عورتون کی بے حجابی کی بعض بے لگام آزادیون کو روک دیا
ہے. بعض قومون مین عریانی کا رواج پھیل رہا ہے، اور مرد عورتین دونون اس کے فوائد پر
ایسے دلچسپ دلائل دیتے ہین جن کو کوئی انسانی عقل قبول نہین کر سکتی، عریانی تو انسانی ذہن

کو حیوانون سے زیادہ قریب کر دیتی ہے۔

مغرب مین آج بہت سے علماء عورتون کے گھر چھوڑ کر کارخانون مین مردون کے ساتھ اختلاط خصوصاً جنگ عظیم کے بعد کے حالات پر غم وافسوس کا اظہار کرتے ہین، چنانچہ مشہور انگریز مصنف برٹرنڈرسل لکھتا ہے[1] کہ "عورتون کے پبلک ملازمتین اختیار کر لینے کی وجہ سے خاندانی نظام کا شیرازہ بکھر گیا، گذشتہ جنگ مین عورتین بھی کسب معاش کرتی تھین، جس سے ان کو اقتصادی آزادی حاصل ہو گئی، اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ اقتصادی آزادی ملنے کے بعد عورت تمام اخلاقی بندشون سے بغاوت اور ایک مرد کی امینہ بنکر رہنے سے انکار کرتی ہے" صموئیل سمیلز کا بیان[2] ہے کہ "کارخانون میں کام کرنے والی لڑکیون مین غور وفکر اور اصابت رائے کا مادہ بالکل باقی نہین رہ گیا ہے، ان مین آزادی کا احساس بہت جلد ہو جاتا ہے، وہ اپنے والدین کا اخلاقی دباؤ ماننے سے بھی انکار کر دیتی ہین، اور گھرون کو چھوڑ کر اپنے ہم مشرب مردون کی طرح رذائل مین مبتلا ہو جاتی ہین، اور جس ماحول مین وہ زندگی بسر کرتی ہین وہ حیوانی جذبات کی تحریک مین اور زیادہ مدد دیتا ہے، اس طرح وہ شر و فساد پھیلانے کا سبب بنجاتی ہے"

بلجیم کے ایک عالم کا بیان[3] ہے کہ "ہر زمانہ مین یہ دیکھا گیا ہے کہ جہان عورتون کے لیے فطرت کے عطیہ سے فائدہ اٹھانے یا حصول شہرت کے مواقع پیدا ہوئے وہ آپے سے باہر ہو جاتی ہین اور اس عفاف و پاکیزگی اور عزت و شرف کا جو ہر زمانہ مین عفت و عصمت کو عورتون کا زیور سمجھتا رہا ہے استخفاف شروع کر دیتی ہین، اسی لیے پرانے زمانہ مین بھی بعض حکمران خواتین ایکٹرس، مصنفات اور دوسرے کام کرنے والی عورتون نے عفت و پاکیزگی کو خیرباد کہدیا،

---

[1] رسالہ الشباب المسلمون [2] کتاب اخلاق صموئیل سمیلز [3] رسالۃ الادب وعلوم الاخلاق والسیاست

غلامی ہوا پرستون کی سب سے زیادہ توجہ اسلام مین غلامی کے جواز پر ہے، حالانکہ اسکا رواج تمام پرانی قومون بلکہ خود یورپین اقوام مین بھی مدتون رہا ہے، غلامی تو انسانی زندگی کے ساتھ ساتھ پیدا ہوئی، اور ہر زمانہ اور ہر قوم مین رہی بلکہ اب تک ہے، فالیری کا بیان ہے کہ "اسلام کے غلامی کو قائم رکھنے کی بنا پر اس کے دشمنون نے اس کا مرتبہ گھٹانے کی بڑی کوشش کی لیکن اس پر یورپین سیاحون کا اتفاق ہے کہ غلامون کے ساتھ مسلمانون کا سلوک خواہ وہ شہری ہون یا دیہاتی، اس سے کہین بہتر رہا ہے، جیسا یورپ مین سمجھا جاتا ہے۔ یہ انصاف نہین ہے کہ مشرق مین جو غلامی رائج ہے، اس کا قیاس بھی امریکہ کی رائج غلامی پر کیا جائے، جب ہم اس مسئلہ پر تاریخی نگاہ ڈالتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس بارہ مین بھی عجیب وغریب امتیاز اور تفوق حاصل ہے، آپ کا یہانتک حکم ہے کہ "تم مین سے کوئی شخص بھی لونڈی غلام نہ کہے بلکہ میرا بیٹا اور میری بیٹی کہے"۔ اس سے بڑھکر انسانیت اور کیا ہو سکتی ہے"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت مین غلامی تھی، اور سات برس تک غلام پابند رکھا جاتا تھا، اس کے بعد آزاد کیا جاتا تھا، اس وقت اس کے ساتھ اچھا سلوک ہوتا تھا، رومن قانون مین آقا کو غلام پر اتنا اختیار حاصل تھا کہ وہ چاہے اسکو زندہ رکھے یا مار ڈالے، رومنون کے بعض زمانون مین غلامون کی تعداد آزاد لوگون کے مقابلہ مین تین چوتھائی تک پہنچ گئی تھی، اس کے مقابلہ مین اسلام کا قانون یہ ہے کہ "عرب کو سرے سے غلام ہی نہین بنایا جا سکتا، غلام ہمیشہ غیر عرب ہوگا، خواہ اس کو خریدا گیا ہو یا جنگ مین حاصل ہوا ہو، اسلام نے غلامون کی آزادی کے لیے بڑی سہولتین پیدا کر دی ہین، چنانچہ غلام آزاد کرنے کو بہت پسند کیا ہے، اور آزاد کرنے والون کے

ل اڈورڈ ویسٹر مارک کی کتاب ص ۹۳

گناہون کی معافی کا وعدہ کیا ہے، کتاب وسنت مین غلامی اور غلامون کے ساتھ لطف و مدارات اور حسن سلوک کی اتنی آیتین اور حدیثین ہین کہ غلام اپنے کو آقا کے گھر کا ایک فرد تصور کر سکتا ہے۔ مسلمان غلامون کے ساتھ وہی سلوک کرتے ہین جو خود اپنی ذات کے ساتھ کرتے ہین، ان کو اچھی طرح کھلاتے پہناتے ہین، تعلیم دیتے ہین، تہذیب سکھاتے ہین، مراتب بڑھاتے ہین، ان کی آزادی مین عجلت کے لیے غلامون اور لونڈیون کے ساتھ شادی کرتے ہین، قرآن مجید نے غلام آزاد کرنے کو بڑی عبادت قرار دیا ہے، اسلام کے پیشتر ساری دنیا کے لونڈی غلام بڑے مصائب مین مبتلا تھے، سب سے پہلے اسلام ہی نے ان بدبختون کے لیے جو کسی کی غلامی مین اسیر ہو جاتے تھے، آزادی کی راہ نکالی، مشرق و مغرب دونون خصوصاً روما مین بردہ فروشی کے بڑے بڑے بازار تھے، اور روم کے بردہ فروش مفتوح قومون کے لڑکون کو غلام اور ان کی عورتون کو فوجیون کی ہوس کا نشانہ بنانے کی غرض سے رومن فوجون کے ساتھ جاتے تھے،

وسٹر مارک لکھتا ہے کہ "یورپین مورخین نے اس مسئلہ مین بڑے مبالغہ سے کام لیا ہے کہ کلیسا نے غلامون کے ساتھ بڑی نرمی کا سلوک کیا ہے، حالانکہ تیرہوین صدی عیسوی تک یورپ مین آقا کو غلام کو مارنے اور زندہ رکھنے کا پورا قانونی حق حاصل تھا، اور ساری عیسائی دنیا مین دوسری تجارتی چیزون کی طرح غلامون کی تجارت بھی ہوتی تھی، .... ان کو تعلیم حاصل کرنے کی ممانعت تھی، جو غلام اس کے خلاف کرتا تھا اس کو بڑی سنگین سزا دیجاتی تھی۔ کیونکہ لوگ ان کی جہالت سے جو فوائد اٹھاتے تھے اور وہ ان سے جو کام لیتے تھے وہ حصول تعلیم کے بعد نہیں لے سکتے تھے"

اسلام کے ابتدائی دور مین فتوحات کی کثرت کی وجہ سے لونڈی غلامون کی بھی بڑی

زیادتی ہوگئی تھی، لیکن لونڈیون کو بڑے بلند مرتبہ عربون نے بیوی بنالیا، اوران کے بطن سے بڑے بڑے لوگ پیدا ہوئے جنھون نے اسلام کی بڑی خدمات انجام دین[۱]، انھون نے دوقومون مین پیوند لگاکرعربون کی رگون مین نیا خون پیدا کردیا، غلامون کو آزاد کرنے کے بعد بھی آقا پران کا حق باقی رہتا ہے، جس سے آزاد کرنے والے اور آزاد ہونے والے دونون کو فائدہ پہنچتا ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ولا کا تعلق نسبی خون کی طرح ہے، غلام عموماً روم، ایران حبشہ اور سوڈان وغیرہ ان بڑی قومون کے ہوا کرتے تھے جن سے عربون کی معرکہ آرائیان ہوتی تھین، ان آزاد کردہ غلامون مین بعض وہ ہوتے تھے جو اسلام قبول کرلیتے تھے، یا غلام ہونے کے بعد آزاد کردیے جاتے تھے، جنگی قیدیون کے لڑکون کی مسلمان پرورش کرتے تھے، اوران کو قرآن وحدیث کی ایسی اعلیٰ تعلیم دیتے تھے کہ ان کا علمی درجہ عرب صحابہ اور اکابر تابعین کے

[۱] حافظ کا بیان ہے کہ شروع میں لونڈیون کی جانب لوگون کی رغبت نہین تھی لیکن جب قاسم بن محمد بن ابی بکر، سالم بن عبداللہ ابن عمر، علی بن حسین بن علی جیسے بڑے بڑے لوگ ان کے بطن سے پیدا ہوئے، جن کی مثال نہ صرف حجاز وعراق بلکہ دنیا مین نہین تھی، تو لونڈیون کی جانب لوگون کا میلان ہوگیا، امیر معاویہ کہا کرتے تھے کہ اگر مسلمان یزید کی بیعت نہ کرچکے ہوتے تو مین قاسم اور محمد کی بیعت خلافت کو شوریٰ کے حوالہ کردیتا، آل مروان مین عبدالملک جیسا مدبر، عمر بن عبدالعزیز جیسا عادل اور عابد وزاہد، سلامت زند، مسلمہ بن عبدالملک جیسا بہادر، شائستہ، حلیم اور کشورکشا دوسرا نہیں تھا، اور یہ تینون لونڈیون کے بطن سے تھے، خود حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کی ماں حضرت ہاجرہ لونڈی تھین، شیعون کے چار امام علی بن حسین موسیٰ بن جعفر، علی بن موسیٰ اور محمد بن علی بن موسیٰ لونڈیون کے بطن سے تھے، عباسی خلیفہ کی بڑی تعداد جو اہل سنت کے خلیفہ تھے لونڈیون کے بطن سے تھی، بلکہ ثعالبی کے بیان کے مطابق ان میں صرف ایک سفاح آزاد خاتون کے بطن سے تھے، باقی سب کی مائین لونڈیان تھین،،

مصنف نے تو یہ صرف چند مثالین دی ہین ورنہ مسلمانون کی تاریخ لونڈی زادون بلکہ غلامون کی عظمت سے بھری ہوئی ہے اور تخت سلطنت اور مسند علم سے لیکر فقر و درویشی کے بوریہ تک کوئی ایسا شعبہ نہین ہے، جس مین غلامون مین بڑے بڑے نامور نہ پیدا ہوئے ہون۔ (م)

کے برابر ہو جاتا تھا جس کی صدہا مثالین ہین، کوئی ایسا شہر نہین تھا جس مین آزاد کردہ غلام اساتذ کی بڑی تعداد نہ رہی ہو، بعض شہرون مین تو عرب فقہا کے مقابلہ مین بھی انکی تعداد زیادہ تھی.

آزاد کردہ غلامون کا درجہ عربون مین خالص آزاد لوگون سے کچھ کم اور خالص غلامون سے اونچا تھا، آزاد کردہ غلامون کی دو قسمین تھین، مولی عتاقہ اور مولی تباعہ، مولی عتاقہ وہ کہلاتے تھے جو در اصل غلام یا قیدی ہوتے تھے، اور آقا ان کو آزاد کر دیتا تھا، اور یہ آزاد کردہ غلام آزاد کرنے والے آقا کا مولی کہلاتا تھا، اور مولی تباعہ وہ غلام کہلاتے تھے جو آقا سے اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کر لیتے تھے، فقہ کی کتابون مین اس زمانہ سے بہت پہلے جب انگلینڈ نے گذشتہ صدی مین ساڑھے سات لاکھ انسانون کو آزاد کرانے کے لیے (جس مین سے نصف بڑی مظلومیت کی زندگی بسر کر رہے تھے) بیس ملین پونڈ صرف کیے. غلامی کے مسئلہ پر مستقل ابواب موجود ہین، جنکو آجکل لوگ بہت کم پڑھتے ہین، یہ ہے اسلام کی غلامی کی حقیقت، جس کا ساری دنیا مین ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے، درحقیقت غلامی کا مسئلہ قدیم زمانہ مین ہر سوسائٹی کے لیے خواہ وہ وحشیون کی رہی ہو یا مہذب لوگون کی، بڑی اہمیت رکھتا تھا، افریقہ اور ایشیا کے ان حصون مین جن کی حیثیت آج یورپ کی نوآبادیات کی ہے، آج بھی دوسری شکل مین غلامی رائج ہے، اور کالے اور سرخ چمڑے والے، گورے چمڑے والون کی اسی طرح ملکیت ہین جیسی ملکیت قدیم زمانہ مین آقا کی غلام پر ہوتی تھی،

ان اوراق مین اس مسئلہ پر زیادہ تفصیلی بحث کی گنجایش نہین ہے، لیکن بحیثیت مورخ ہمارا فرض ہے کہ اس سلسلہ مین ہم انگریزون، فرانسیسیون، جرمنون اور پرتگالیون کے ان مظالم کی جانب اجمالی اشارہ کر دین جو انھون نے افریقہ کی سیاہ فام قومون پر کیے ہین، اور جیسی جیسی سنگین سزائین ان کو دی ہین،

انگریزون نے ایک سادہ مزاج، صاف دل، اور گلہ بان قوم سے جو باتیلیون کہلاتی ہو
بڑی چالاکی سے ایک معاہدہ پر دستخط لیکر اس کو اس کے سارے مادی وسائل سے محروم کردیا،
تمام سپید فام قومین کسی ملک کی طبعی دولت پر قبضہ جمانے اور مختلف حیلون سے ان پر اپنا تسلط
قائم کرنے کے لیے ان ملکون مین زیادہ مداخلت کرتی ہین جن کے باشندون مین انکے مقابلہ
و مدافعت کی طاقت نہین ہوتی، بلجیمی کانگو اور فرانسیسی کانگو کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ان
دونون نے اس کی دولت سے فائدہ اٹھانے کے لیے کیسے کیسے بدترین طریقے اختیار کیے،
کن کن طریقون سے ان کو غلام بنایا، اور اہل ملک کی املاک پر قبضہ کرنے کے بعد پھر ان سے
ٹیکس مین کاؤ شک[1] حوالہ کرنے کا مطالبہ کیا جس کا وہ لوگ یورپ کی مصنوعات اور دوسرے
سامان تجارت سے تبادلہ کرتے تھے، اور ان سفید فامون نے اس قیمتی عرق کو کثیر مقدار مین
حاصل کرنے کے لیے ان ننگے بھوکے زنگیون پر طرح طرح کے مظالم کیے، ان کو مارتے تھے،
طرح طرح کی سزائین دیتے تھے، ان کا مال چھین لیتے تھے، ان کی عورتون کو بے عزت کرتے
تھے، ان کو بھوکا رکھتے تھے، ان مظالم کی وجہ سے بہتون نے گھر بار اور وطن تک چھوڑ دیا،
اور ملک اپنے اصلی باشندون سے خالی ہوگیا،[2]

ایک عیسائی مبلغ کا بیان ہے کہ "یورپینون نے سیاہ فام نسلون پر ایسی ایسی زیادتیان
کی ہین جن کا وہ کوئی کفارہ بھی ادا نہین کرسکتے، مونگومی، جالورہ اور نگومی وغیرہ بہت سے
سیاہ فام قبائل سپید فام بردہ فروشون کے مظالم کی وجہ سے مٹ گئے، یہ لوگ مختلف حیلون
سے ان کے لڑکون کو پکڑ کر غلام بنا کر بیچتے تھے، ان تاجرون کو سب سے زیادہ منافع اسلحہ، بارود
اور نشہ آور چیزون کی تجارت سے ہوتا تھا، اور ان کے ذریعہ ان قومون مین جو فسق و فجور پھیلا اس نے

[1] ایک قیمتی عرق کا نام ہے [2] جدید دنیائے اسلام دسٹروپ اسٹوڈارڈ۔

ان کو بالکل مٹا دیا"۔

اس تفصیل سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس بیسویں صدی مین جو دردناک غلامی موجود ہے اس کے مقابلہ مین قدیم غلامی کی حالت کچھ زیادہ قابل رحم نہیں تھی،

مسکرات | شارع نے شراب کی ممانعت مین تدریج سے کام لیا ہے، چنانچہ جب شراب اور جوئے کے بارہ مین سوال کیا گیا تو قرآن نے اس کا یہ جواب دیا:-

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ	تم سے شراب اور جوئے کے بارہ مین پوچھتے ہین
قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ	اسکے جواب مین کہدو کہ اس مین بڑا گناہ ہے اور
لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا	لوگون کے لیے بعض فوائد بھی ہین لیکن ان فوائد
	کے مقابلہ مین ان کا گناہ بڑا ہے

اس کے بعد نشہ کی حالت مین نماز پڑھنے ممانعت کی گئی،

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا	اے ایمان والو نشہ کی حالت مین نماز کے
الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى	قریب نہ جاؤ یہان تک کہ نماز مین تم جو پڑھتے
تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْا	ہو اس کو نہ سمجھنے لگو۔

اس کے بعد ممانعت کا تاکیدی حکم وارد ہوا۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ	اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا
وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ	اور بت اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتین اور
رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ	شیطانی کام ہین، سو ان سے بالکل الگ رہو
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ، اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ	تاکہ تم کو فلاح ہو، شیطان تو چاہتا ہی کہ وہ شراب
اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ	اور جوے کے ذریعہ تمھارے آپس مین بغض وعداوت

الْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ	پیدا کر دے، اور اللہ کی یاد اور نماز
عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ	سے باز رکھے، تو کیا تم ان سے باز
أَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ	نہ آؤ گے۔

حضرت انسؓ سے مروی ہو کہ جب اللہ تعالیٰ نے شراب کی حرمت کا حکم نازل فرمایا اسوقت مدینہ مین صرف کھجور کی شراب استعمال کی جاتی تھی،

شراب نوشی جاہلیت کی ان عادتون مین سے تھی جس کو اسلام نے بالکل ختم کر دیا، اس کے مقابلہ مین بعض پرانی عادتون اور دستورون کو برقرار رکھا اور کھانے پینے کی جن چیزون مین مضرت ثابت ہوئی ان کو حرام قرار دیا، مثلاً

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ	تم پر حرام کیے گئے مردار اور خون اور سور
وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ	کا گوشت اور جو جانور غیر اللہ کے لیے نامزد
اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ	کیا گیا ہو اور گلا گھٹنے سے مرجائے اور جو کسی
وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَا أَكَلَ	ضرب سے مرجائے اور جو اونچے سے گر کر مرجائے
السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ	اور جو کسی ٹکر سے مرجائے اور جسکو کوئی درندہ
عَلَى النُّصُبِ	کھانے لگے لیکن ان میں سے جسکو ذبح کر ڈالو
	اور جو جانور پرستش گاہون پر ذبح کیا جائے۔

(مائدہ)

درحقیقت اب مسکرات کی اصلاح اور اس کو بالکل ختم کر دینے کا مسئلہ مختلف فیہ نہیں رہ گیا ہے، اور مغربی قومون پر بھی اس کی مضرت ظاہر ہو گئی ہے، چنانچہ اس کی عقلی و جسمانی مضرتون اور سوسائٹی کے حق مین اسکے نقصانات کی وجہ سے ہر ممکن طریقہ سے وہ اس کی مخالفت کر رہی ہین

فرانس کا مشہور سیاست دان کلیمنصو کہتا ہے کہ "الکحل کی جتنی مقدار ہمارے زمانہ کے لوگ استعمال

کرتے ہین وہ سم قاتل ہے، اور انسان کے نشاط اور چستی اور مستعدی کو برباد اور سوسائٹی کو تباہ کردیتی ہے۔" ہرریوٹ لکھتا ہے[1] کہ "پاگل خانون کے پاگلون کی بڑی تعداد الکحل کے استعمال کا نتیجہ ہے، یہ لوگ حکومت پر بڑا مالی بار ڈالتے ہین، اگر وہ ان کے بجائے محتاجون اور فقیرون پر صرف کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے، جو قوم بھی اس بے عقلی پر قائم رہے گی وہ اپنے آپ کو تباہ کردیگی۔"

سب سے عجیب و غریب ایک امریکن عالم یہ رائے ہے[2] کہ "مسلمانون کی شراب نوشی کے زمانہ مین ان کی تہذیب عروج پر تھی اور اس نے بڑے فاتحانہ اور دماغی و فکری کارنامے انجام دیے، مسلمان ایک شراب نوش قوم کے فرزند ہین، اسپین مین ان کے فاتحون کی شرابین ملسقہ اور سریش مشہور تھین لیکن جب سے مسلمانون نے پندرہوین صدی سے شراب کے بجائے قہوہ کا استعمال شروع کیا تو اس کے تین ہی صدیون کے بعد اسلامی تہذیب اوج و عظمت سے پستی کے غار مین گر گئی۔"

ایسی رائے بلاشبہ ایک بلانوش ہی کی ہوسکتی ہے، جس کا ذوق مے نوشی فریفتگی کی حد تک پہنچ گیا ہو، اور اس پر یہ شاق گذرتا ہو کہ شراب کی مضرتون کی وجہ سے اس کی قوم اسکی بندش کررہی ہے، اس سے زیادہ احمقانہ خیال اور عقل کو گمراہ اور تاریخ کو مسخ کرنے والی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ روے زمین کی تمام تہذیبین شراب نوش قومون کے ہاتھون کمال کو پہنچین، جن مین مسلمان بھی ہین، اور تہذیب و تمدن مین ان کا پایہ اس لیے اونچا تھا کہ وہ شراب کے رسیا تھے، حالانکہ یہ مسلم ہے کہ قرون اولیٰ کے مسلمانون مین شاذ و نادر ہی کوئی شراب پیتا رہا ہو، بلکہ زمانہ جاہلیت مین بھی کچھ لوگ اپنے وقار کے تحفظ کے لیے شراب سے پرہیز کرتے تھے، اس لیے اسلام کی حکومت قائم ہونے کے بعد شراب نوشون پر حد جاری کرتے ہین

[1] Herriat Creer. [2] فلسفہ تمدن ڈیئنز۔

عرب بڑے سخت تھے، بعض کتابون مین بعض امرار خلفا، اور بڑے لوگون کے محلات مین شراب نوشی کی محفلون کے جو حالات ملتے ہین ان مین بڑا مبالغہ ہے، بلکہ ان مین سے بہتیرے افسانے مسلمہ طور پر گڑھے ہوئے ہین،[1] ان کا مقصد لطیفہ گوئی یا ان خلفاء و سلاطین کی تحقیر تھی، اسلیے کہ اس زمانہ مین بھی عقلاً ہوشربا چیزون کا استعمال معیوب سمجھا جاتا تھا، بلکہ اسلامی تاریخ کے واقعات سے اس امریکین کی رائے کے بالکل برعکس یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو سلاطین و امراء شراب نوشی مین زیادہ مبتلا ہوئے ان کی مدہوشی ہی ان کی حکومت کے زوال اور خاتمہ کا سبب بن گئی، ان کی مدہوشی کی وجہ سے ان کے قول و فعل مین کوئی وزن باقی نہ رہ گیا تھا، وہ خود تو شراب مین مست رہتے تھے، اور حکومت کی ذمہ داری ایسے لوگون کے سپرد کرتے تھے جو بعد مین خائن نکلتے تھے، جس سے ان کے دشمنون کو موقع مل جاتا تھا،

یہ امریکین مصنف گری ہوئی قومون کو ابھارنے کے لیے شراب کی معجز نمائی کی مدح و توصیف مین حد سے کس قدر آگے بڑھ گیا ہے، مصنف کی جلالت قدر کے باوجود جیسا کہ اس کی تصنیف سے ظاہر ہوتا ہے، اس قسم کی عجیب و غریب رائے ظاہر کرنا حد درجہ حیرت انگیز ہے، گذشتہ صدی کا ایک انگریز مصنف بنتھم لکھتا ہے[2] کہ شراب شمالی اقلیم کے باشندون کو بے وقوف کے مانند اور جنوبی اقلیم کے آدمیون کو پاگل کی طرح بنا دیتی ہے، اس لیے پہلی اقلیم مین اس کے استعمال پر معمولی سزا پر اکتفا کرنا چاہیے کہ اس کی حیثیت محض ایک برے کام کے ارتکاب کی ہے، لیکن دوسری اقلیم مین وہ بغاوت کے مشابہ ہے، اس لیے نہایت

---

[1] ان واقعات مین ایک اور غلط فہمی بھی اکثر ہوتی ہے وہ یہ کہ تاریخون مین زیادہ تر نبیذ نوشی کے واقعات ملتے ہین جنکو شراب یعنی خمر سمجھنا صحیح نہین ہے، عربی مین شرب و شراب ہر رقیق مشروب کے لیے آتا ہے، خواہ وہ شربت ہی کیون نہ ہو، اس لئے شرب و شراب سے خمر سمجھنا صحیح نہین ہے، جب تک کی خمر کی تصریح نہ ہو

[2] روح الشرائع بنتھم تعریب فتحی زاغلول

سختی سے اس کا تدارک کرنا چاہیے، محمدؐ کے دین نے تمام نشہ آور مشروبات کو حرام قرار دیا ہے، جو اس کے بڑے محاسن مین ہے"۔

انگریز پادری اسحٰق ٹیلر افریقہ مین اسلام کی اشاعت پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اسلام جہان بھی جاتا ہے اس کے ساتھ اس کے فضائل و محاسن بھی جاتے ہین، جود و کرم، عفاف و پاکدامنی اور تہور اس کے نقش و قدم اور شجاعت و بہادری اور حوصلہ مندی اس کی فوج اور اس کے اعوان و انصار ہین"، اس سلسلہ مین وہ اس پر افسوس ظاہر کرتا ہے کہ عیسائی مبلغین کی دعوت کی اشاعت کے ساتھ ساتھ افریقہ کے باشندون مین نشہ کا استعمال، جوا اور فحش بھی پھیلتا جاتا ہے"۔ پھر لکھتا ہے کہ وہ نصرانیت کے مقابلہ مین اسلام کو اختیار کرتا ہے، کہ نصرانیت مین نشہ کا استعمال ہے اور اسلام مین نہین ہے، مونٹیو لکھتا ہے کہ "مسلمانون کا فرض ہے کہ انکی شریعت نے مسکرات کے استعمال کی جو ممانعت کی ہے، اس کو قائم رکھین کہ اس سے ان کی قوت اور ان کا اتحاد و استحکام وابستہ ہے"۔

سود مسلمانون کے بعض "خیر اندیشون" کا دعویٰ ہے کہ سود سے ان کی کنارہ کشی ان کے افلاس اور کمزوری کا سبب ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ جب سے انھون نے سود کے مسائل مین اپنے نفس کو دھوکہ دیکر اس کے لینے کے بہانے تراشنا شروع کیے اور سود کی حرمت کی صریح آیتون کو بھلا دیا اس وقت سے ان کی دولت گھٹنے لگی، اور وہ پستی اور فقر و فاقے مین مبتلا ہوگئے۔ دولت کام سے حاصل ہوتی ہے، تنہا روپیہ سے نہین، وہ تو صرف لین دین کا ایک ذریعہ اور محض ہاتھون مین گردش کرنے کے لیے ہے، جمع کرنے اور خزانہ بنانے کے لیے نہین ہے۔

اسلام نے سب سے زیادہ جنگ دونے اور چوگنے سود کے مقابلہ مین کی ہے۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

اے ایمان والو! دوگنا چوگنا سود نہ کھاؤ شاید تم پرہیزگاری حاصل کرسکو،

دوسری آیت مین سود کی مطلق حرمت کا حکم ہے،

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَن جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَانتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ

. . . .

. . . .

(بقرہ - ۳۸)

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت کے دن اپنی قبرون سے) اس طرح کھڑے ہون گے جس طرح وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جس کو شیطان لپٹ کر خبطی بنادے (یعنی حیران و مدہوش) یہ سزا ہوگی ان لوگون کی جنھون نے کہا تھا کہ بیع بھی سود کیطرح ہے، حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال فرمایا ہے، اور سود کو حرام قرار دیا ہے، پھر جس شخص کو اس کے پروردگار کی جانب سے نصیحت پہنچی ہو اور وہ باز آگیا تو جو کچھ پہلے لے چکا ہو وہ اس کا رہے گا اور باطنی معاملہ اسکا خدا کے حوالہ ہے، اور جو شخص پھر عود کریگا تو یہ لوگ دوزخ مین جائینگے، اور ہمیشہ اسمیں رہیں گے، اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہو اللہ کسی کفر کرنیوالے اور گناہ کرنیوالے کو نہیں کرتا

ان ہی آیات میں آگے چل کر ارشاد ہے -

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنتُم مُّؤْمِنِينَ. فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ. وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ (بقرہ)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور لوگوں پر سود کا جو بقایا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو، پھر اگر تم اس پر عمل نہ کروگے تو اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو، اگر تم توبہ کر لوگے تو تم کو تمھارا اصل مال ملجائیگا، نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤگے اور نہ تم پر کوئی ظلم کرنے پائیگا اور اگر تم تنگدست ہو تو مہلت دینے کا حکم ہے۔

یہ آیات سود کی حرمت کے بارہ مین ایسی صریح ہین جن کیلیے کسی تشریح کی ضرورت نہین مفسرین نے اَلَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ" کی تفسیر مین لکھا ہے کہ سود خوار قیامت مین اپنی قبرون سے صرع کے مریض کی طرح لڑکھڑاتے ہوئے اٹھین گے۔ اور اس جنون کی وجہ سے جو سود خواری کی وجہ سے ان مین پیدا ہو جائے گا، وہ سیدھے کھڑے نہ ہو سکین گے، اور اٹھنے کی کوشش مین ان کا گر پڑنا بالکل صرع کے مریض کی طرح ہوگا، اس کی وجہ یہ بھی ہوگی کہ انھون نے جو سود کھایا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ ان کے پیٹون کو بھاری کر دے گا۔

دیندارون نے سود کے جو نقصانات بیان کیے ہین، ان کے علاوہ ہم دنیا دارون کو بھی اس مین بڑی بلائین اور مصیبتین نظر آتی ہین، ہم نے بہت سے سود خوارون اور ان کی اولاد کو جنون یا مراق مین مبتلا دیکھا ہے، اور اس کی بہت سی مثالین اس زمانہ مین موجود ہین اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ سود خوار کے جذبات مین توازن و اعتدال باقی نہین رہ جاتا، وہ کبھی حد سے زیادہ خوش ہو جاتا ہے، کبھی بہت زیادہ رنجیدہ، اس کا مقصد محدود ہوتا ہے،

اور اس کا ذہن و دماغ ایک خاص دائرے سے باہر نہیں نکلتا اور وہ ہر وقت ننانوے کے پھیر مین مبتلا اور زمانہ کے حوادث و گردش سے ہر وقت خائف و ہراسان رہتا ہے، جس کی عقلی فکر کا میدان اس قدر تنگ ہو اس کی قوت فکر کمزور ہو جاتی ہے، اور جس کی قوت فکر کمزور ہوتی ہے اس کے وسوسے اور خطرات بڑھ جاتے ہین، اور طبیعت مین بشاشت و شگفتگی باقی نہین رہ جاتی، اور ایک قسم کا حمق اور بلادت پیدا ہو جاتی ہے، ایسے شخص کی اولاد ہمیشہ کم عقل اور جو اس باختہ ہوگی اور وہ اپنی موروثی دولت کے سہارے زندگی بسر کرنے پر قناعت کریگی، بلکہ کبھی دولت جمع کرنے والے کی زندگی ہی مین ساری دولت تلف ہو جاتی ہے اور اس کو خسارے اور ناکامی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہین آتا۔

شارع نے سود کو سات مہلک چیزون مین شمار کیا ہے، اور شرک، جادو، قتل ناحق، سود خواری، یتیم کے مال کھانے، میدان جنگ سے منہ موڑنے، پاکباز عورتون پر تہمت لگانے، کو ایک ہی درجہ مین رکھا ہے۔ اور "اللہ تعالیٰ نے سود کھانے اور کھلانے والے دونون پر لعنت بھیجی ہے" اور اب تو خود زمانہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ سود خواری مین یورپ کا غلو دولت کی تباہی کا سبب ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ سود کی مقدار کی زیادتی جس سے بہت کم سودی کاروبار خالی ہوتے ہین صنعت و حرفت اور زراعت و تجارت سے زیادہ نفع دیتی ہے، اس لیے تنہا اسی پر اعتماد کر لینا سوسائٹی کے لیے بڑا نقصان اور دوسرے نفع بخش کامون کے لیے سخت مہلک ہے، لوگ جب دیکھتے ہین کہ سودی کاروبار مین بغیر کسی محنت و مشقت کے زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے اور مال کے ضائع جانے کا خطرہ بہت کم رہتا ہے اور اگر کبھی نقصان ہوا بھی تو دوسرے کاروبار کے مقابلہ مین بہت کم ہوتا ہے، اس سہولت کی وجہ سے وہ تجارت، زمین کی آبادکاری اور اس کی پیداوار سے فائدہ اٹھانے کے پُر مشقت کامون کو چھوڑ کر سودی کاروبار

مین لگ جاتے ہین، سود فطرت کے بھی خلاف ہے، اور جب انسان کو بغیر محنت کے نفع ہوتا ہی تو وہ اس کو اڑاتا بھی بے دریغ ہے، مثلاً جواریون کو بہت آسانی سے دولت حاصل ہوتی ہے، اس لیے وہ عموماً فیاض ہوتے ہین، لیکن جب کبھی نقصان ہوتا ہے تو اصلی سرمایہ بھی ختم ہو جاتا ہی، ہم نے خود شام کے بہت سے ایسے گھرانون کو دیکھا ہے جو بڑی خوشحالی اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرتے تھے، مگر جب وہ سودی کاروبار مین غرق ہو گئے تو ان کی ساری دولت ڈوب گئی، اس مین مسلمان، یہودی اور عیسائی کسی کی تخصیص نہین، سب برابر ہین، بینکون کا سودی کاروبار دولت کی تباہی مین جوئے کے مشابہ ہے۔

البتہ اسلام نے نقد مال سے فائدہ اٹھانے کی اس شرط پر اجازت دی ہے کہ پہلے سے نفع متعین نہ کیا جائے، مثلاً سیونگ بینک مین روپیہ جمع کرنا[1]، مگر ربا فاحش (یعنی سود کی زیادتی) مین مطلق انسانی کو ممنوع قرار دیا ہے، اس لیے اسلام مین ربا نسیہ یعنی وہ زیادتی حرام ہے جو قرضخواہ قرض کی ادائگی کی مدت کی توسیع کے معاوضہ مین لیتا ہے، اس کیلیے یہ ضروری ہے کہ وہ اتنی زیادہ ہو[2] کہ گھرون کو تباہ اور آپس کے مہر و محبت اور امداد باہمی کی خوبیون کو ختم کردے لیکن ربا الفضل مین کوئی نقصان نہین ہے، اس لیے فقہا یہ کہنے پر مجبور ہین کہ اس کی تعبدی[3] حرمت کے معنی سمجھ مین نہین آتے، چنانچہ زجاج نے

وما آتیتم من ربا لیربوا فی ... اور جو چیز تم اس غرض سے دوگے کہ وہ لوگون کے مال مین

---

[1] اگر سیونگ بینک مین بھی سود کی شرح متعین ہوتی ہے، ممکن ہے شام مین یہ صورت نہ ہو، اس سے کم از کم ہندوستان مین تو سیونگ بینک کا منافع سود ہی مین داخل ہے، (مترجم)

[2] مصنف کا یہ خیال صحیح نہین، سود کی ہر قسم خواہ اس کی مقدار کتنی ہی ہو حرام ہے۔ (مترجم)

[3] تعبدی اس حکم کو کہتے ہین جسکی حکمت و مصلحت نہ بیان کیجائے اور محض شرعی حکم ہونے کیوجہ سے اسکا ماننا ضروری ہو۔

امول الناس فلا یربوا عند اللہ ؎ پہنچکر زیادہ ہوجائے یا اللہ کے نزدیک نہین بڑھتا،

کی تفسیر مین لکھا ہے کہ اس ربا سے مراد وہ ادھار ہے جو اس لیے دیا جائے کہ اس سے زیادہ وصول کیا جائے، اس لیے ربا الفضل اکثر تفسیرون مین حرام نہین ہے۔ لیکن جو شخص قرض دیکر اس سے زیادہ لیگا اس کو کوئی ثواب بھی نہ ملے گا، ربا کی دو قسمین ہین، حرام وہ ربا ہے کہ قرض دے کر اس سے زیادہ وصول کیا جائے یا اس سے کسی قسم کی منفعت حاصل کی جائے، لیکن یہ صورت جائز ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے شخص کو بغیر کسی شرط کے اس امید پر روپیہ ہبہ کر دیتا ہے کہ وہ اس سے زیادہ دے گا، یا اس توقع پر ہدیہ کرتا ہے کہ ہدیہ لینے والا آیندہ اس سے زیادہ ہدیہ کریگا، اسکے معاوضہ مین اگر ہبہ یا ہدیہ لینے والا کچھ دے تو وہ حرام نہین ہے،

اور ربا تینون شریعتون مین حرام ہے چنانچہ توریت، قرآن اور انجیل سب نے اس کو حرام قرار دیا ہے، یہودی تو تقریباً اسلام ہی کی طرح سود کو حرام قطعی سمجھتے ہین، صرف فرق یہ ہے کہ آپس مین یہودیون کا ایک دوسرے سے سود لینا حرام ہے، دوسرون سے نہین، اور اسلام کا حکم عام ہے، اس مین کسی کی تخصیص نہین، عیسائی مذہب مین سود کے حکم مین تاویل کی گنجایش ہے اور موجودہ زمانہ کے عقلی قوانین مین بغیر نفع کے قرض دینے کی بھی اجازت ہے، اور محدود نفع کے ساتھ بھی لیکن زیادہ سود لینے کی ممانعت ہے، اور مخصوص تجارتی معاملات کے علاوہ سود در سود کی قطعی ممانعت ہے، اور اس مین بھی حتی الامکان اس کا دائرہ محدود کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور صرف اس صورت مین جب مدیون وقت مقررہ پر روپیہ نہ ادا کر سکے تو قرض خواہ اس تاخیر پر سود کا مطالبہ کر سکتا ہے، خواہ اس کی شرط نہ رہی ہو، اسلام مین اہل حاجت کو قرض دینا بھی

ؔ؎ ربا کی ہر شکل خواہ وہ ربا نسیہ ہو یا ربا الفضل سب حرام ہے، قرض مین جو نفع لینا جائز ہے اسکی تفصیل آیندہ خود مصنف نے بیان کی ہے، (مترجم)

اچھے اور نیک کاموں میں شمار کیا جاتا تھا، جس طرح اس کی ادائیگی معاملت حسنہ میں تھی، اور قرضدار بغیر کسی تقاضہ اور مطالبہ کے خود قرضخواہ کے پاس جاکر اس سے بہتر طریقہ سے ادا کرتا تھا، جتنا اس کے ذمہ تھا، یعنی اس سے کچھ زیادہ دیتا تھا، لیکن نہ اس کی شرط پہلے سے ہوتی تھی اور نہ قرضخواہ اس کا طلب گار ہوتا تھا، شارعؑ نے اس طریقہ کے قرض کی ترغیب دلائی اور اس کی حوصلہ افزائی کی ہے اور اس کا ثواب صدقہ سے بھی زیادہ قرار دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "صدقہ کا ثواب دس گنا ملے گا اور قرض کا اٹھارہ گنا۔" اس لیے کہ صدقہ حاجتمند اور غیر اہل حاجت دونوں کے ہاتھوں میں پہنچ جاتا ہے، اور قرض صرف حاجتمند لیتا ہے، اسی طرح اس نے بہتر طریقہ سے قرض ادا کرنے کی بھی تعریف کی ہے، اور اس کی ترغیب دلائی ہے، کہ "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنا قرض زیادہ بہتر طریقہ سے ادا کرتا ہے"، اس لیے قدما جس طرح دوسرے نیک کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت لیجانے کی کوشش کرتے تھے، اسی طریقہ سے قرض لینے اور دینے میں بھی مسابقت کرتے تھے، لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد یہ احسان و عمل خیر بدترین طریقوں سے دولت بڑھانے کی تجارت اور ناپسندیدہ طریقوں سے لوگوں کو نقصان پہنچانے، انکے مال کے اتلاف اور بغیر کسی رو رعایت کے ان کی دولت چھین لینے کا ذریعہ بن گیا، جس کو شریعت کی اصطلاح میں ربا کہتے ہیں، یعنی قرض کی ادائیگی میں اصل پر مال کی وہ زیادتی جس کے معاوضہ میں کوئی ایسی چیز نہ دی گئی ہو، جو وزن یا پیمانہ سے تولی اور ناپی جاسکے، اور جس کی شرط دائن یا مدیون میں سے کسی ایک نے بھی پہلے سے کرلی ہو سود دینے والوں میں یہ دستور تھا کہ جب قرض کی ادائیگی کا وقت آجاتا تو قرضخواہ اسکی مدت بڑھا کر تھوڑے قرض کے بدلہ میں بغیر کسی رو رعایت اور تخفیف کے قرضدار کی پوری املاک ہضم کرلیتا تھا، یہی وہ اضعافاً مضاعفاً ربا[1] ہے جس کو نص قرآنی نے حرام قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:۔

[1] حاشیہ آئندہ صفحہ پر

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو دگنا اور چوگنا سود نہ کھاؤ اور خدا سے ڈرو شاید کہ تم فلاح پاؤ۔

مغرب سود کی مضرتون کا اندازہ نہ کرسکا اور اس کو آسان اور کثیر المنفعت دیکھکر کہ وہ بہت جلد بڑھتا ہے، حصول دولت کا ذریعہ بنا لیا، اور تہذیب وشائستگی کا سبب قرار دیا اور اس کی حرمت پر اسلام کی تنقیص شروع کردی، اور اس کو مسلمانون کے انحطاط وزوال کا سبب قرار دیدیا، اور یہ نہین سمجھا کہ جس دولت کی بنیاد ظلم وجبر پر ہوگی وہ جس طرح جلد حاصل ہوتی ہے اسی طرح جلد ختم بھی ہوجاتی ہے، اور اس کو اصلی مٹانے والا دفعۃً مٹا بھی دیتا ہے،

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ — اللہ ربا کو مٹا دیتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

جب سود کو تجارت بنانے والون کے کثرت سے دیوالے نکلنے لگے اور اس کے اسباب کی تحقیقات شروع ہوئی، تو معلوم ہوا کہ اس کا بڑا سبب سودی کاروبار ہے، اور زمانہ کے تجربات اور مسلسل حوادث کے بعد بالآخر سود کی حرمت کی مصلحت وحکمت ظاہر ہوگئی، اس کی خرابی اور مضرت کی سب سے بڑی اور نمایان دلیل یہ ہے کہ یہ حصول منفعت کا ایسا طریقہ ہے جس سے گھرانے کے گھرانے تباہ ہوجاتے ہین، اس لیے سود درحقیقت ایک قسم کا حیلہ یا فریب ہے جس کو سودخوار دوسرے کی دولت کو بغیر کسی معاوضہ کے شکار کرنے کا ذریعہ بناتا ہے، ہم نے خود بہت سے مواضعات کو سود کے جنگل مین پھنسنے کے بعد برباد ہوتے ہوئے اور ان کے اصلی مالکون سے چھن کر دوسرون

لے حاشیہ ص (۱) مصنف کا یہ خیال صحیح نہیں ہو کہ وہی ربا حرام ہے جو اضعافاً مضاعفاً ہو، اور جو قرضدار کو تباہ کردے بلکہ اس کی ہر خواہ وہ کتنی ہی کم ہو مطلق حرام ہے، البتہ قرض کی ادائیگی مین کچھ زیادہ دیدینا بشرطیکہ پہلے سے اس کی شرط نہ کی گئی ہو اور قرضخواہ اس کا طلب گار بھی نہ ہو جائز ہے۔ (م)

کے قبضہ میں جاتے ہوئے دیکھا ہے، ان محدود صفحات میں اس کے خلاف زیادہ عقلی و نظری دلائل دینے کی گنجایش نہیں ہے، کہ سود نہ تہذیب و تمدن کا ذریعہ ہے اور نہ دولت و ثروت کا وسیلہ، یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ایک شخص کی بربادی سے دوسرے کی دولتمندی یا بہت سے لوگوں کا مال چھین کر ایک جماعت کی تونگری کوئی دانش مندی اور حقیقی ثروت نہیں ہے، سود دولت کی تخریب کا پھاوڑا اور تاجروں اور کاشتکاروں کو دھوکے سے مارنے کا آلہ ہے جن کے افلاس کا سبب اکثر سود ہی ہوتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام قرار دیا ہے، اور سود لینے والے کے مقابلہ میں اتنی سختی برتی کہ اس سے اعلان جنگ تک کر دیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ	اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور لوگوں پر
ذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم	سود کا جو بقایا ہے اسکو چھوڑ دو اگر تم ایمان
مُّؤْمِنِينَ، فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا	والے ہو، پھر اگر تم اس پر عمل نہ کروگے تو اللہ
بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن	اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ
تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ	سن لو اور اگر تم توبہ کر لوگے تو تم کو تمہارا اصل
لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ۔	مال ملجائیگا، نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤگے اور
(بقرہ)	نہ تم پر کوئی ظلم کرنے پائے گا۔

اس زمانہ میں انسانی سوسائٹی کے لیے سود سے زیادہ مضرت رساں کوئی دوسری چیز نہیں ہے، آج دنیا میں اقتصادی اضطراب و بےچینی کا سبب بڑا سبب اتنے وسیع پیمانہ پر سودی لین دین کی گرم بازاری ہے، بعض کوتاہ بین اس کو حقیقی دولت سمجھتے ہیں، حالانکہ زمانہ نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ محض موہوم دولت ہے، وہ سراب ہے جس کو پیاسا دور سے دیکھکر پانی سمجھتا ہے، گذشتہ عالمگیر جنگ میں بڑی بڑی متمدن قوموں کے بینکوں کو جس طرح دیوالہ نکلا ہے، وہ اس کا بین ثبوت

ہے کہ حصول دولت کا یہ جھوٹا ذریعہ درحقیقت تہذیب کی بربادی کا سبب ہے،

تصویر اور نقاشی

شعوبی یہ بھی کہتے ہیں کہ شریعت اسلامی میں مجسموں کے استعمال کی ممانعت بھی مسلمانون

کی پستی کا سبب ہے، اور اسلام پر یہ نکتہ چینی کرتے ہیں کہ اس نے تصویر کو جو تہذیب کے اہم وسائل

میں ہے حرام قرار دیا ہے، یہ مسئلہ اسلامی تمدن کے دقیق مسائل میں سے ہے، اس لیے اس پر

کسی قدر تفصیل سے گفتگو کرنے کی ضرورت ہے، مگر ان محدود صفحات میں اسکی گنجائش نہیں ہے،

درحقیقت اس مغالطہ کا اصل سبب یہ ہے کہ معترضین اس کے صرف ظاہری رخ کو دیکھتے

ہیں اور اس کے اسرار و اصول پر غور و فکر کیے بغیر فوراً حکم صادر کر دیتے ہیں، اور نہایت کمزور

نتائج نکالتے ہیں، وہ اس اصول کو بھول جاتے ہیں کہ اسلام توحید کا داعی ہے اور سارے عرب

میں بت پرستی چھائی ہوئی تھی، جس کو روکنے کے لیے سنگتراشی سے روکنا ضروری تھا، اس لیے اسلام

نے اس خطرہ سے کہ مسلمان کہیں عرب جاہلی کی طرح اس کی نقل و تقلید میں پھر بت پرستی میں

نہ مبتلا ہو جائیں، ابتدا ہی سے بتوں کا خاتمہ کر دیا، اس لیے شروع میں بتوں اور مجسموں کی مخالفت

کا سبب خالص مذہبی تھا، اور اس کی مخالفت میں اس لیے شدت برتی گئی کہ وہ پھر بت پرستی

کا ذریعہ نہ بن جائے، اس لیے اسلام اس وقت ایک نیا اور نازک پودا تھا، اور عرب بت

پرستی کے دور سے بالکل قریب تھے،

اس کے علاوہ سامی قوموں کو فطرۃً اور انکے مذاہب کو نقش و تصویر سے کوئی لگاؤ

نہ تھا، اس لیے انھوں نے اس کی جانب توجہ نہیں کی، چنانچہ موسوی مذہب میں توراۃ میں بھی

تصویر کشی اور بت تراشی حرام ہے،[1] یہودیوں میں تصویر اور سنگتراشی کے معنی "پتھر کے بت تراشنا

یا دھات کے ڈھلنا یا لکڑی گڑھنا ہے"۔ چنانچہ سفر خروج کی بیسویں آیۃ میں ہے کہ تمھارے لیے

؎ Bertholet: Histoire de la Civilisation d'Israel

ان مین سے کسی چیز کا بھی جو آسمان کے اوپر ہے یا زمین پر ہے یا زمین کے نیچے پانی مین ہے، نہ بت تراشا جائے اور نہ تصویر بنائی جائے[۱]"

توراۃ کا یہ حکم بھی تصویر اور نقش آرائی وغیرہ کی ترقی مین حائل ہوا، چنانچہ یہودیون مین یہ چیزین بہت ابتدائی شکل مین تھین۔

نقش و تصویر سے عرب قوم کو طبعاً کوئی لگاؤ نہ تھا۔ اس لیے انھون نے اس کی جانب زیادہ توجہ نہین کی، لیکن یمن کے سلاطین حمیر و تبابعہ کے دور کے عربون کی بت تراشی کے بارہ مین جو روایتین بیان کی جاتی ہین اگر وہ صحیح ہین، یا کعبہ کے پرانے بتون سے یا اس بیان سے کہ "عربون کے پتھر کے بت بڑے خوبصورت اور سنگ تراشی کا بہترین نمونہ تھے[۲]" یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو ایک زمانہ مین اس فن مین دخل تھا، تاریخ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ چند شرائط کے ساتھ تصویر کشی، بت تراشی اور نقش آرائی کا رواج مسلمان حکومتون کے زمانون مین بھی رہا ہے، اور مشرق (شام) اور مغرب (اندلس) مین امویون اور عراق و فارس مین عباسیون، مصر مین فاطمیون اور بعد کی بہت سی اسلامی حکومتون مین یہ چیزین رائج تھین معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر مسلمانون کو بت پرستی مین مبتلا ہونے کا خطرہ گھٹتا گیا اور وہ زمانہ جاہلیت کے عادات و اطوار سے دور ہوتے گئے، اس وقت انھون نے قصور و محلات، باغات اور مکانون کی آرائش مین تصویرون اور مجسمون کے استعمال مین مسامحت سے کام لیا[۳] مگر اس کے باوجود یورپ کی جدید حکومتون کی طرح تصویر کشی اور سنگ تراشی مین اسکا کوئی خاص حصہ نہین رہا ہے،

---

[۱] سفر خروج آیۃ ۲۰ ۴

[۲] کتاب الاصنام کلبی [۳] ممکن ہے کسی حد تک یہ سبب بھی رہا ہو لیکن اصلی سبب یہ تھا کہ دوسرے تعیشات و تکلفات کی طرح مسلمانون نے مصوری اور نقش آرائی بھی دوسری قومون کے اثر سے اختیار کر لی تھی، اس کے علاوہ

(باقی حاشیہ ص ۱۲۱ پر)

ابھی تھوڑے دن ہوئے دمشق کی جامع اموی کی اندرونی مغربی دیوار مین جھاڑ کے جو نقش اور شہرون کے مناظر کی جو تصویرین ظاہر ہوئی ہین وہ ابتدائی صدیون مین، نقش آرائی اور مصوری سے مسلمانون کی دلچسپی کا اچھا نمونہ ہین، اسی طریقہ سے معتصم باللہ عباسی کے آباد کردہ شہر سرمن رائے مین بعض ایسے کمرے اور دروازے برآمد ہوئے ہین، جن کی دیوارون مین مشرقی طرز کی ابھری ہوئی اور گچ مین کھدی ہوئی انسانون وغیرہ کی رنگین تصویرین ہین [1]، متوکل نے سامرہ مین اپنے ایک محل مین کلیسا کی مکمل تصویر بنوائی تھی جس مین راہب بھی تھے، ان مین کلیسا ہی کے شہار [2] کی تصویر سب سے بہتر تھی، اندلس کے مصور قصور و محلات کی تفصیل بہت طویل ہے، ان مین عبد الرحمٰن الناصر کا تعمیر کردہ مشہور قصر الزہرا بھی ہے، جس کو اس نے اپنی محبوب لونڈی زہرا کے نام پر بنوایا تھا، اس کے دروازہ پر اس کی تصویر بھی تھی، بغداد اور دمشق کے حمامون کی دیوارون مین عام طور سے تصویرین ہوتی تھین، خمارویہ [3] نے تیسری صدی مین قاہرہ مین اپنے ایک محل کے ہال مین ایک نشست گاہ بنوائی تھی جس کا نام بیت الذہب تھا، اس کی دیوارین اعلیٰ درجہ کے سنہرے اور لاجوردی نقش ونگار سے آراستہ تھین، اور دیوارون ہی مین خود اسکی، اسکی لونڈیون اور مغنیہ عورتون کی لکڑی کی ابھری ہوئی قد آدم اور نصف قد آدم نہایت خوبصورت نظر فریب اور آراستہ و پیراستہ شبیہین تھین، لونڈیون کے سرون پر طلائی تاج جسمون پر جواہرات

(بقیہ حاشیہ ص ۱۲۰) بہت سی نو مسلم قومون مثلاً خود ایران و روم کے مسلمانون مین مصوری کا ذوق موروثی تھا جو قبول اسلام کے بعد قائم رہا، چنانچہ مصوری اور نقش آرائی زیادہ تران ہی اقوام کے مسلمانون مین پائی جاتی تھی جن مین پہلے سے موجود تھی لیکن مذہب نے کسی زمانہ مین بھی اس کی اجازت نہین دی، اور علماء و محدثین نے ہمیشہ اسکی مخالفت کی۔ (مترجم)

(حواشی صفحہ ہذا) [1] رسالہ ہندسہ ج ۸ ص ۴۳، ۵۰، ۵۵ مباحث احمد تیمور پاشا [2] شہار کنیسہ کے اس خادم کو کہتے ہین جو اس کے چراغ کو روشن رکھنے کے لیے رات بھر جاگتا ہے [3] مصر کی طولونی حکومت کا ایک فرمانروا۔

سے مرصع ملبوس اور کانون مین بہت وزنی، خوبصورت اور مضبوط ساخت کے گھنگرو دار زیور تھے، یہ شبیہین دیوارون مین جڑی ہوئی تھین، ان کے جسم رنگین کپڑون کے مشابہ عجیب وغریب رنگ و روغن سے اس طرح رنگے ہوئے تھے کہ وہ رنگین لباس پہنے ہوئے معلوم ہوتی تھین۔[۱]

اگر خود یورپ مین بھی مصوری کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ان مین بھی اس زمانہ مین جب تہذیب و تمدن کا ہر شعبہ ترقی کر گیا، مصوری درجۂ کمال کو پہنچی، اگر آج مغربی عقل مین یہ بات نہین آتی کہ تصویر اور مجسمہ کے بغیر کوئی تہذیب، تہذیب کس طرح کہلائی جا سکتی ہے تو وہ اس لیۓ اس خیال مین معذور ہے کہ نصرانیت نے بت پرستون کے بہت سے عادات و اطوار اختیار کر لیے ہین جن مین بت گری بھی ہے،

اسلام نے بھی زمانۂ جاہلیت کی بعض چیزون کے بارہ مین، جو عربون مین عرصہ سے چلی آرہی تھین، اور ان سے کوئی بڑا نقصان نہین تھا، خاموشی اختیار کی لیکن توحید اسلام کی اولین شرط ہے، اس لیے اس نے بتون کو ختم کرنے مین جو توحید کے سراسر خلاف ہین، سختی سے کام لیا، کیونکہ توحید خالص اور بت اور بت گری کیساتھ کبھی جمع نہین ہوسکتی۔[۲]

---

[۱] خطط مقریزی

[۲] مصنف کے ان فقرون سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھون نے اسلامی تاریخ اور مسلمانون مین جو مصوری و نقش آرائی دکھائی ہے، اس کی حیثیت صرف تاریخی ہے، یعنی جس طرح مسلمانون نے اپنے دور عروج مین دوسری قومون کی بہت سی تمدنی چیزون اور علوم و فنون کو حاصل کیا، اسی طرح انھون نے مصوری اور نقش آرائی بھی سیکھی اور بحیثیت فن کے وہ اس مین بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے، اس کو مذہبی حیثیت سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔

پانچواں باب

عرب زمانۂ اسلام میں

اسلام کے ظہور کے وقت دنیا کی حالت اور قرن اول کے مسلمانوں کا حال

جس زمانہ میں رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو جہالت و گمراہی سے نکالنے کا آغاز کیا، اس وقت حضرت علیؓ کے قول کے مطابق دنیا کی حالت یہ تھی،

مذاہب میں تفریق، خواہشات میں انتشار، اور انسانی گروہوں میں پراگندگی تھی، ان میں سے کچھ لوگ خدا کو مخلوق سے مشابہت دیتے تھے، کچھ اس کے منکر تھے، کچھ غیر اللہ کی جانب مائل، گمراہی میں حیران و سرگردان اور فتنہ و فساد میں بھٹک رہے تھے، خواہشات نفس میں مبتلا اور اپنی بڑائی کے تصور میں سرگردان تھے، جاہلیت اور جاہلوں نے ان کو ذلیل و پست کر دیا تھا، ان کو کسی ایک حال میں قرار نہ تھا، اور جہالت کی وادی میں حیران و سراسیمہ تھے، پرانے پیغمبروں کی آمد کے ایک مدت دراز کے بعد قوموں کی طویل گران خوابی، فتنوں کے تسلط، معاملات کی پراگندگی اور لڑائیوں کے تسلسل سے جب دنیا بے نور اور مکر و فریب سے معمور ہو رہی تھی، باغ عالم کے پتے خزاں رسیدہ، درخت بے پھل اور چشمے خشک ہو رہے تھے، ہدایت کا منیارہ منہدم اور فساد اور بگاڑ کے جھنڈے بلند ہو رہے تھے، اور دنیا اپنے چاہنے والوں کے لیے بھی ترشرو اور ناپسندیدہ ہو رہی، اس کا پھل فتنہ و فساد، اس کی غذا مردار، اور اس کا شعار خوف

اور اس کا اوڑھنا بچھونا تلوار تھی"۔

ان حالات مین اسلام کا ظہور ہوا، اور اس نے عربون کا منتشر شیرازہ پھر مجتمع کیا، ان مین ایسی مواخات پیدا کردی جس سے وہ بالکل ناآشنا تھے، ان کو ایسا مہذب بنادیا کہ انکی سرکشی اطاعت سے بدل گئی، اور ان مین ایسی شایستگی پیدا کردی جس سے ان کو بڑا فائدہ پہنچا، اور انھون نے اپنے مذہب کی نصرت وحمایت مین آل واولاد اور جان ومال سب نثار کردیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ احسان جتلایا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ. وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرا کرو ڈرنے کا حق اور بجز اسلام کے اور کسی حال پر مت مرو، اور مضبوط پکڑے رہو اللہ کے سلسلہ کو (اسطور پر کہ باہم سب متفق ہو جاؤ) اور باہم نااتفاقی مت کرو اور اللہ تعالیٰ کا اپنے اوپر یہ انعام یاد کرو جب تم آپس مین دشمن تھے، تو اللہ نے تمھارے قلوب مین الفت ڈالدی اور تم اللہ کے انعام سے بھائی بھائی بن گئے، اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، سو اس سے خدا نے تمھاری جان بچائی، اس طرح اللہ تم کو اپنے احکام بیان کرکے بتلاتے ہین تاکہ تم سیدھی راہ پر رہو۔

وہ لوگ جن کا یہ حال ہو ان کے لیے چند برسون مین شام، عراق، ایران، مصر، جزیرہ، روم، سندھ، بخارا، مغرب، اندلس اور بحر متوسط کے جزیرے فتح کرلینا اور خاقان چین سے جزیہ وصول کرلینا کوئی بڑی بات نہین تھی، ان کا علم جہان نصب ہو جاتا تھا، توفیق الٰہی ان کی معاون ومددگار

ہوتی تھی، وہ ملکوں کو زیر نگین کرنے کے بعد خواہ وہ صلح سے فتح ہوئے ہوں یا بزور شمشیر، ان کے باشندوں کے دلوں کو اپنے عدل وانصاف سے فتح کرتے تھے، اور جہاں تک ممکن ہوتا خونریزی سے بچتے، بوڑھوں، بچوں، عورتوں اور راہب وراہبہ کے ساتھ نرمی سے پیش آتے تھے، اور حکمت ودانشمندی اور موعظہ حسنہ سے توحید کی تبلیغ کرتے، اور اپنی زیر نگین قوموں کو اپنی زبان اور اپنے طور طریقے سکھاتے، اور وہ جس حال میں بھی رہتے دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتے تھے، ان کے تمام اعمال واقوال میں ان کا یہی حال تھا،

یہ کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ جو قوم کل تک اخلاقی گمراہیوں میں مبتلا اور ملکی مدافعت میں کمزور تھی، جس کا سارا ڈھانچہ ہی بگڑا ہوا تھا، اس سے ایسے عظیم الشان کارنامے سرزد ہوئے اس سے بھی عجیب تر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تربیت کے سانچہ میں ایسے انسان ڈھالے جو ساری دنیا میں حق وصداقت کا بے نظیر نمونہ تھے، اور جو اپنی حرارت ایمانی سے خالص کندن بنکر نکلے، ان میں اکثر وہ تھے جن کی اسلام سے پہلے کوئی قدر وقیمت نہ تھی، یہ قرآن مجید کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ ہے کہ آپ نے ایسے سرکش لوگوں کی فطرت میں جو کسی نظام کے پابند نہ تھے اور ہر پابندی کو توڑنے کے عادی تھے، انقیاد واطاعت سرایت کردی، ایسی حالت میں ایک ہزار آدمیوں کا دو چار ہزار آدمیوں پر غالب آجانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، قوموں کی قدر وقیمت ان کے افراد کی کمیت کے لحاظ سے نہیں بلکہ کیفیت کے اعتبار سے ہوتی ہے، جس کے لیے اپنے مذہب کی اشاعت اور اپنی حکومت کی راہ میں جان ودینا معمولی بات ہو، وہ ایسے ایسے کام انجام دے سکتا ہے جو ضعیف العقیدہ اور مذبذب لوگوں کے لیے ناممکن ہیں، آغاز اسلام میں مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض ایسے لوگ ایمان لائے تھے، جن کا کوئی حامی ومددگار نہ تھا، قریش ان کو اسلام سے مرتد

کرنے کے لیے دوپہر کی دھوپ مین تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر طرح طرح کی اذیتین دیتے تھے، لوہا گرم کرکے ان کو داغتے تھے، لیکن ان کے پاے ثبات مین لغزش نہ آتی تھی، یہ لوگ مستضعفین کہلاتے تھے، وہ ان تمام صبر آزما مصائب اور زندگی کی تلخیون کو محض اس لیے برداشت کرتے تھے کہ ان سے ان کے مذہب کو تقویت حاصل ہوتی تھی، اسلام نے عربون کے اخلاق مین ایسی خاصیت اور تاثیر پیدا کر دی تھی کہ وہ عمل صالح کا نمونہ بن گئے، اور اپنے مقصد اور نصب العین مین متحدہ ہو گئے، یہ فطرت کا قانون ہے کہ جو جان کی پروانہ کرے گا اس کو زندگی ملے گی،

ع جسے مرنا نہین آتا اسے جینا نہین آتا

اسی کے ساتھ قرآن مجید نے اپنے ساحرانہ اسلوب اور اپنی فصاحت و بلاغت سے انکے دلون کو مسحور کرکے اپنا غلام بنا لیا، وہ قرآن اور اس کے حامل رسولؐ پر ایمان لے آئے، اور چند ہی دنون مین محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درسگاہ نے ان کو ایسا مہذب و شایستہ بنا دیا کہ ان مین ایسے ایسے لوگ پیدا ہوئے جن کی عقل و دانش اور عدل و انصاف پر زمانہ قرنہا قرن گذرنے کے بعد متحیر ہے، جو شخص بھی خواہ وہ ایمان دار ہو یا مخالف جب غیر جانب داری کی نظر سے عربون کی تاریخ پر نگاہ ڈالے گا وہ ان کے دور جدید (ظہور اسلام کا زمانہ) مین انکے کارنامون اور آزمایشون مین ان کے اثبات و استقلال پر متحیر ہوئے بغیر نہین رہ سکتا۔

اسلام نے عربون کے اخلاق مین جو انقلاب پیدا کیا تھا اس کی معمولی مثال یہ ہے کہ عرب کی مشہور شاعرہ خنساء نے زمانۂ جاہلیت مین اپنے سگے بھائی معاویہ اور سوتیلے بھائی صخر کی موت پر بڑے دردانگیز مرثیے کہے تھے، صخر زمانہ جاہلیت مین بڑے حلیم و بردبار، فیاض و سیر چشم اور اپنے قبیلہ مین بہت محبوب و مقبول تھے، خنساء کو بھی ان سے بڑی محبت تھی خنساء نے اسلام کا زمانہ پایا اور مسلمان ہوئی، اور حضرت عمرؓ کے زمانہ تک زندہ رہی، چنانچہ جنگ قادسیہ

مین اپنے چار لڑکون کو لیکر شریک ہوئی، اور ان کے سامنے کفار سے جنگ کے اجر و ثواب
دنیا کی بے ثباتی، اور آخرت کے دوام و بقا اور اس کی بھلائیون پر پُرجوش تقریر کر کے ان کو
میدان جنگ مین بھیجا، اتفاق سے چارون شہید ہو گئے، مگر وہی خنسا، جس نے اپنے سوتیلے
بھائی کی موت پر بڑے شور انگیز مرثیے کہے تھے، ایک ساتھ چار جگر گوشون کی موت سے مطلق
آزردہ نہ ہوئی، اور یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھکو ان کی شہادت سے سرفراز و سرخرو کیا،
مجھکو امید ہے کہ انشاء اللہ خدا مجھکو اور میرے بچون کو اپنے سایۂ رحمت مین جگہ دے گا۔

مسلمان عربون کی امتیازی خصوصیات

عربون نے اپنی اس مختصر کتاب (قرآن مجید) کو جس مین ان کی اور دوسرون کی ضروریات اور فلاح و بہبود کی باتین تھین، جزیرۃ العرب کے باہر کی
دنیا کے سامنے پیش کیا، ان کے اس نئے اور اچھوتے قانون نے ان کو دنیا کے اور دوسرے
تمام قانونون سے بے نیاز کر دیا، اس مین صرف یہ راز تھا کہ وہ اس پر بغیر کسی کمی اور زیادتی کے
عمل کرتے تھے، اسی کے ساتھ ان امور کا بھی لحاظ رکھتے تھے، جو ان کی سادہ اور بہتر زندگی
کے لیے مفید اور موزون ہون، مثلاً جنگ کے قواعد پر عمل، یا جن ملکون مین وہ قیام کرین
ان کے باشندون کے حالات اور طبائع سے حصول واقفیت وغیرہ، انھون نے اس قانون
سے مصائب و مشکلات مین صبر و استقامت، شجاعت و شہامت، جود و کرم، جرأت و حوصلہ مندی
اور پابندی عہد کا سبق حاصل کیا، ایسے شفاف و پاکیزہ اور سلیم الطبع نفوس کو کسی نئی تہذیب کے
نئے نقش کو جلد اور آسانی سے قبول نہین کر سکتے ....
.... لیکن ان کی فطرت سلیم ایسی بھلائی اور خوبی کو قبول کرنے
کے لیے آمادہ ہوتی ہے، جو لغویات اور خرافات سے پاک ہو اور انھون نے اپنے ملک
کی گرم آب و ہوا کے باوجود نہایت حیرت انگیز کارنامے انجام دیکر اس دعوی کو باطل کر دیا کہ

تہذیب و تمدن صرف ٹھنڈے ملکون کی پیدا وار ہے،

عرب قدیم زمانہ سے اپنے پڑوسی ملکون پر حملے کرتے چلے آرہے تھے، خواہ ان ملکون مین انھون نے صرف کچھ دنون قیام کیا ہو، یا حکومت یا نیم حکومت قائم کی ہو، اس طریقہ سے وہ ان اجنبیون سے اپنی مدافعت مین بھی لڑے جو ان کو غلام بنانا چاہتے تھے، ان کے علاوہ بہت سے غسانی تغلبی، تنوخی ایادی اور لخمی عرب ایران و روم کی حکومتون کے فوجی اور انتظامی شعبون مین بھی رہ چکے تھے، جس سے ان کو ملکی انتظام کا علمی و عملی تجربہ بھی ہو گیا تھا، اور ضرورت خود سب سے بڑی معلم ہے، ان کو اپنی توسیع مملکت مین سب سے زیادہ فائدہ اس سے پہنچا کہ ان کے دشمن جتنی ان سے واقفیت رکھتے اس سے زیادہ وہ دشمن سے واقفیت رکھتے تھے، دشمن ان کو حقیر سمجھکر نا قابل اعتنا شمار کرتے تھے لیکن عرب ان کو قابل توجہ سمجھتے تھے، وہ عربون کو اس لیے حقیر سمجھتے تھے[1] کہ وہ

[1] اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص فاتح ایران نے قادسیہ کی جنگ سے پہلے مغیرہ بن شعبہ کو ایرانی فوج کے سپہ سالار رستم کے پاس گفتگو کرنے کیلیے بھیجا، ان دونوں میں یہ گفتگو ہوئی، رستم نے کہا:

"خدا نے بہت بڑی حکومت ہم کو عطا کی ہے، ہم کو دوسری قومون پر غالب، دوسرے ملکون کو ہمارا محکوم اور روے زمین کو ہمارا اطاعت گذار بنایا ہے، ہماری نگاہ مین دنیا مین تم سے زیادہ پست کوئی قوم نہین، تمھاری تعداد بہت کم ہے، تم خشک اور بے آب و گیاہ زمین کے رہنے والے اور نہایت تنگ حال ہو، اس لیے تم نے ہمارے ملک کا رخ کرنے کی جرأت کس طرح کی، اگر تم قحط اور خشک سالی کی وجہ سے نکلنے پر مجبور ہوئے ہو تو ہم تمھاری مدد اور تمھارے ساتھ احسان و سلوک کرنے کو تیار ہین، تم اپنے ملک کو لوٹ جاؤ" مغیرہ نے اسکے جواب مین کہا

"تم نے اپنی عظمت و شان، حاکمانہ اقتدار، دولت و ثروت اور عیش و تنعم کے بارہ مین جو کچھ کہا ہے ہم اس سے واقف ہیں، لیکن اب ہمارا حال بھی سن لو" بلا شبہہ خدا نے ہم کو ایسی خشک سرزمین مین آباد کیا ہے جس مین پانی بہت کم ہے، اور زندگی بھی بڑی تنگی کی ہے، ہمارا حال یہ تھا کہ ہم مین طاقت ور ہمارے کمزور آدمی

(باقی ص ۱۲۹ پر)

پانی اور چراگاہ کی تلاش مین ان کے ملکون کا رخ کرتے تھے، خصوصاً قحط اور خشک سالی کے زمانہ مین، لیکن عرب کبھی اپنے دشمنون کی تحقیر نہین کرتے تھے، بلکہ ان کے ساتھ انصاف کرتے اور ان کی خوبیون کا اعتراف کرتے تھے، مستورد قرشی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قیامت کے وقت سب سے زیادہ تعداد رومیون کی ہوگی، (روم سے مراد وہ قومین ہین جن کو ہم آج یورپین کہتے ہین) اس پر عمرو بن العاص نے کہا جو کچھ کہہ رہے ہو اس پر خوب غور کرلو، مستورد نے جواب دیا، ہان مین نے سمجھ بوجھ کر کہا ہے، اور اس کو مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، اور جو کچھ مین نے کہا ہے وہ غلط نہین ہے، اس لیے کہ رومیون مین چار نمایان خصوصیات ہین، وہ جنگ مین بڑے حلیم وصابر ہو جاتے ہین، مشکلات و مصائب کے وقت گھبراتے نہین، پسپائی کے بعد سنبھلکر پھر حملہ کر دیتے ہین، اور مسکینون اور یتیمون اور ضعیفون کے ساتھ لطف و مہربانی کا برتاؤ کرتے ہین، اور پانچوین بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ بادشاہون کا ظلم برداشت نہین کرتے[1]" کیا یہ اقوال دشمن کے ساتھ انتہائی انصاف کا نمونہ نہین ہین، اور یہ اسی شخص کا قول ہو سکتا ہے جو اپنے دشمن اور اس کے اوصاف و خصوصیات سے پوری طرح واقف ہو۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۲۸) کو کھا جاتا تھا، ہم قطع رحم کرتے تھے، تنگدستی کے خوف سے اولاد کو قتل کر ڈالتے تھے، بتون کو پوجتے تھے، عین اس حالت مین اللہ تعالیٰ نے ہماری ہی قوم سے ہم مین ایک نبی بھیجا جو ہم مین سب سے زیادہ شریف النسب تھا۔ اور اس کو حکم دیا کہ وہ انسانون کو اسکی توحید کی دعوت دے، اور ہم اس کتاب پر جو ہمارے لیے نازل کیگئی ہی عمل کرین، ہم اس پر ایمان لائے اور اسکی تصدیق کی، اس کے بعد اس نے ہم کو حکم دیا کہ جس چیز کا خدا نے اسکو حکم دیا ہے ہم دوسرون کو بھی اسکی دعوت دین، جو اسکو قبول کرے وہ حقوق و فرائض مین ہمارے برابر ہو جائیگا، اور جو انکار کرے اس سے جزیہ طلب کرین، اگر اس کے دینے سے بھی وہ انکار کرے تو اس سے جہاد کرین گے، اس لیے مین تم کو بھی اس کی دعوت دیتا ہون، اگر تم اس سے انکار کروگے تو اس کا فیصلہ تلوار کرے گی"۔ [1] صحیح مسلم

عرب قوم کا مجموعہ اور اس کے خلفاء اور قائدون کے اخلاق	پورے جزیرۃ العرب کی زبان قریب قریب یکسان تھی اور اسلام نے ان مین سے فصیح ترین یعنی قریش کی زبان کو اختیار کیا، مگر عرب کا علاقہ

تمدن کے درجۂ ارتقا مین یکسان نہ تھا، لیکن یہ دعویٰ غلط ہے کہ جب عربون نے جزیرۃ العرب سے باہر قدم نکالا تو وہ نصف متمدن اور نصف وحشی تھے، ان مین وہ خانہ بدوش بھی تھے جن کی زندگانی کا مدار کھیتی اور مویشی پر تھا، اور بستیون مین مستقل سکونت رکھنے والے بھی، یہ لوگ تجارت وصنعت وحرفت کے پیشے کرتے تھے، اور تجارتی شہرون کے باشندون مین تجارتی لین دین کرنے والون سے میل جول اور زندگی کے داخلی وخارجی معاملات کو سمجھنے کی فطری صلاحیت ہوتی ہے، جغرافی اعتبار سے جزیرۃ العرب کے مختلف حصون کے باشندے اپنے اوصاف وخصوصیات مین ایک دوسرے سے مختلف ہین، چنانچہ یمنی، حجازی، نجدی، حضرمی، عمانی ساحلی اور غیر ساحلی اور پہاڑی اور نشیبی علاقون کے عربون کی خصوصیات جدا جدا ہین، اور ان سب کا مجموعہ عرب قوم ہے۔

رومیون کے مقابلہ مین شام پر فوج کشی کے وقت خلیفہ اسلام (حضرت ابوبکرؓ) اسلامی فوج کے سپہ سالار کو یہ ہدایت دیتا ہے کہ "تم کو عنقریب ایسے لوگ ملین گے جنھون نے اپنے کو اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کر دیا ہے، ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا (اس سے مراد گرجون کے راہب ہین) دشمنون کے ساتھ فریب نہ کرنا، ان کا مثلہ نہ کرنا، بوڑھون، عورتون اور بچون کو قتل نہ کرنا، کسی بکری اور اونٹ تک کو کھانے کی ضرورت کے علاوہ بے وجہ زخمی نہ کرنا، کسی ہرے بھرے درخت کو نہ جلانا، کسی آبادی کو ویران نہ کرنا اور مال غنیمت مین خیانت نہ کرنا"۔

جنگ کے بارہ مین اس سے زیادہ عدل وانصاف کی نصیحتین اور کیا ہو سکتی ہین، رابنسن کہتا ہے کہ "محمد کے ساتھیون کی تنہا مثال ہے جن مین دوسرون کے ساتھ حسن سلوک اور اپنے

مذہب کی تبلیغ دونوں باتیں جمع تھیں۔ اسی جذبہ نے ان کو فتوحات کی جانب متوجہ کر دیا جنہیں کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے، اور اسلام اپنی فاتح اور ظفرمند فوجوں پر جب انھوں نے شام پر یلغار کی اور بجلی کی طرح بحر احمر سے لیکر بحر اطلانٹک تک شمالی افریقہ پر ٹوٹیں، برابر سایہ افگن رہا، چنانچہ ان تمام معرکوں میں ان معمولی واقعات کے علاوہ جو لڑائیوں میں ناگزیر ہیں، ظلم و زیادتی کا نام و نشان نہیں ملتا، انھوں نے کسی قوم کو بھی جس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا ہو، کبھی مٹانے کی کوشش نہیں کی"۔

عرب اپنی فتوحات میں اس سیاست سے بالشت بھر بھی باہر نہیں نکلے، ان کے مقابلہ میں رومن ہیں، جن کی عظمت کا تخیل ان کے شیدائیوں کو مبہوت کیے رہتا ہے، لیکن اس پر وہ نگاہ نہیں ڈالتے کہ رومنوں نے اپنی فتوحات میں ملکوں کو اس طرح پامال اور قوموں کو اس طرح محکوم بنایا کہ ہر مفتوح آبادی کو ویران کر ڈالتے تھے، بچوں، عورتوں اور بوڑھوں تک کو قتل کر دیتے، جو لوگ تلوار سے بچ رہتے ان کو اس طرح غلام بناتے کہ جس میں مہر و مروت کا کوئی شائبہ نہ ہوتا تھا۔

رومن سخت بت پرست تھے، اور پتھر کے بت یا اس قسم کے چھوٹے چھوٹے معبود ان کے لیے بڑی نادر اور قیمتی چیز تھے، اور ان کی کثرت پر وہ بڑا فخر کرتے تھے، اس لیے جس شہر پر وہ قبضہ کرتے تو اپنے بتوں میں اضافہ کرنے کے لیے سب سے پہلے اس شہر کے بتوں اور قابل پرستش چیزوں پر قبضہ کرتے، ان کے مقابلہ میں عرب جن شہروں کو فتح کرتے تھے تو وہ خدائے واحد کی توحید اور رسول پر صلوٰۃ و سلام کے ساتھ اپنے دین کا اعلان کرتے، رعایا میں عدل و انصاف قائم کرتے، ان کی شریعت میں کوئی انسان درجہ میں دوسرے انسان سے بڑا نہیں تھا، اس نے بڑے چھوٹے، دولتمند و محتاج سب کو برابر کر دیا، مسلمانوں کا اقتدار خواہ کتنا ہی

زیادہ ہوتا مگر وہ اپنا مذہب قبول کرتے کے لیے کسی پر جبر نہین کرتے تھے۔ اور محض خراج یا جزیہ لینے پر اکتفا کرتے تھے۔ جس کی مقدار اس محصول کے مقابلہ مین کچھ بھی نہ ہوتی تھی جسکو وہ لوگ پہلے ادا کرتے تھے، اس لیے اگر مفتوح قومون نے گروہ در گروہ غالب قوم کا مذہب (اسلام) قبول کرلیا، اور اس سے مشابہت پیدا کرنے کے لیے اس کی زبان اختیار کرلی، تو اس مین کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، اس سے ان کے لیے غالب قوم کے اوضاع و اطوار اختیار کرلینا جس سے وہ بالکل ناآشنا تھے، بہت آسان ہو گیا، اور اس کو انھون نے بڑی نعمت سمجھا، اور حقیقت یہ ہے کہ امن و سلامتی اور سکون و طمانیت اور عدل و انصاف سے بڑھکر نعمت کیا ہو سکتی ہے،

عمر بن الخطاب جیسا جلیل القدر خلیفہ بیت المقدس کی فتح کے زمانہ مین جب قیامہ کے کنیسہ مین جاتا ہے، اور وہان نماز کا وقت آجاتا ہے تو بطریق صفرونیوس سے کہتا ہے کہ "مین نماز پڑھنا چاہتا ہون"، وہ عرض کرتا ہے، امیر المومنین اسی جگہ پڑھ لین، آپ انکار کرتے ہین تو بطریق قسطنطین کے گرجے مین نماز پڑھنے کے لیے لے جاتا ہے، یہان بھی آپ انکار کرتے ہین، اور گرجے کے باہر دروازے پر نماز ادا کرتے ہین، اور بطریق سے فرماتے ہین کہ "مین نے گرجے مین اس لیے نماز نہین پڑھی کہ مسلمان آیندہ اس دلیل پر کہ عمر نے اس گرجے مین نماز پڑھی تھی، اس پر قبضہ نہ کرلین"۔ اور ایک تحریر لکھکر بطریق کے حوالہ کرتے ہین کہ "کوئی مسلمان گرج کی سیڑھیون پر اذان اور جماعت کے ساتھ نماز نہین پڑھ سکتا، البتہ تنہا ادا کر سکتا ہے"[1]۔ اسلام کے اوج شباب کے زمانہ مین عمر بن الخطاب کا یہ طرز عمل دوست و دشمن دونون کے لیے حیرت انگیز ہے، جو ان کی دور بینی، رواداری، ملکی انتظام مین گہری بصیرت اور دلون کے مسخر کرنے

[1] تاریخ سعید بن بطریق۔

ثبوت ہے۔

خالد بن ولید جیسا فاتح اور سپہ سالار قادسیہ کے معرکہ سے پہلے ایران کے فرمانرواؤن کو اس خیال سے خط لکھتا ہے کہ "اگر وہ اطاعت قبول کر لین تو ان کا ملک ان کے قبضہ مین رہنے دیا جائے گا"، "اس کے آخر مین لکھتے ہین کہ" ورنہ تم ایسی قوم کے ہاتھون مغلوب اور مجبور ہو گے جو موت سے اس طرح محبت کرتی ہے جیسی محبت تم زندگی سے کرتے ہو"۔ اسی طرح ایران کے ایک بڑے جاگیردار کو لکھتے ہین " امابعد، اسلام قبول کر لو تو امن وسلامتی مین رہوگے، ورنہ جزیہ ادا کرو، ہم تمھاری حفاظت کے ذمہ دار ہون گے، اگر یہ بھی نہین کرتے تو یاد رکھو میرے ساتھ ایسی قوم ہے جس کو موت ایسی ہی محبوب ہے جیسی تم کو شراب محبوب ہے"[1]

درحقیقت اس سپہ سالار اعظم نے ان الفاظ مین اپنے اس بلند و رفیع مقصد کی راہ مین موت کی بے وقعتی کے بارہ مین اپنی اس پوری قوم کے عقیدہ کی ترجمانی کی ہے، جو میدان جنگ مین اپنے سے چوگنے دشمنون پر غالب آجانے کو کوئی بڑی بات نہین سمجھتی تھی، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ جس مقصد کے لیے لڑتی تھی اس سے پوری طرح واقف تھی، جب اس کو جنگ مین مسلسل تین مرتبہ تکبیر کا نعرہ لگاتے سن لو تو سمجھ لو کہ وہ اس وقت نہ ٹوٹیگی جب تک کامیاب نہ ہو گی، یا شہید نہ ہو جائے گی، ان کے دشمنون کا بیان ہے کہ "وہ دن مین شہسوار اور رات مین عابد شب زندہ دار ہین، اور رات کی تاریکی مین تلاوت قرآن مین ان کی آوازین شہد کی مکھیون کی بھنبھناہٹ کی طرح گونجتی رہتی ہین، وہ انسانون مین شیر ہین اور ایسے شیر جن سے اصل شیر بھی مشابہت نہین رکھتے"۔

ایسی قوم جو اپنی خود سری کی وجہ سے کسی نظام کے آگے نہ جھکتی تھی، اسلام قبول کرنے

---

[1] طبری حالات جنگ قادسیہ

کے بعد اس کی ایسی کایا پلٹ گئی کہ وہ کسی معاملہ مین اپنے سردار کی مخالفت نہین کرتی تھی، اور ملت کی راہ مین موت تک کی بیعت کرلیتی تھی،

عمر بن الخطاب جیسے خلیفہ کہتے تھے کہ مین تم کو اپنے عمل سے تعلیم دون گا، خدا کی قسم مین بادشاہ نہیں ہون کہ تم کو غلام بناؤن، بلکہ صرف خدا کا ایک بندہ ہون جس پر یہ بار امانت (خلافت کا بار) ڈالا گیا ہے، اگر مین اس کے اٹھانے سے انکار کردون اور تم کو تمھاری امانت واپس کردون مگر تم اپنے گھرون مین آسودہ حالی کی زندگی بسر کرو تو مین اپنے کو خوش قسمت سمجھون گا اور اگر مین اس کو اٹھائے رہون اور تم کو اپنے گھر اپنے پیچھے بیھلون تو مین اپنے کو بدبخت سمجھون گا، اس وقت مجھکو خوشی کم اور رنج زیادہ ہوگا"

یہی خلیفہ عرب کے مشہور قحط عام الرمادہ کے زمانہ مین کہتا تھا کہ "جو تکلیف تم لوگ اٹھاتے ہو اگر وہی مین بھی نہ اٹھاؤن تو مجھکو رعایا کی تکلیفون کا اندازہ کیسے ہوگا" اور قسم کھائی تھی کہ قحط کے زمانہ تک جب تک عام لوگ آسودہ حال نہ ہوجائین، چربی، دودھ اور گوشت کو زبان پر نہ رکھون گا، چنانچہ قحط کے زمانہ بھر روغن زیتون مین روٹی چور کر کے کھاتے رہے، اس کو کھاتے کھاتے جلد کا رنگ بدل گیا تھا، لیکن رعایا کو اونٹ ذبح کر کے گوشت کھلاتے تھے، ایک مرتبہ لوگ ان کے واسطے اونٹ کے کوہان کا گوشت اور کلیجی لے آئے، پوچھا یہ کہان سے آیا، معلوم ہوا عام لوگون کے لیے جو اونٹنیان آج ذبح کی گئی ہین، ان کا گوشت اور کلیجی ہے، فرمایا "بخ بخ اگر مین ان کا اچھا حصہ خود کھاؤن اور لوگون کو ان کے گوڑے پاے کھلاؤن تو کس قدر برا والی ہون" یہ کہکر گوشت اور کلیجی کا برتن اٹھوا کر قحط زدہ لوگون کو بھجوا دیا، اور روٹی اور زیتون کا تیل منگا کر کھایا، قحط کی سختی اور ارزانی کی فراغت دونون زمانون مین خلیفہ کا یہ حال تھا، جن لوگون کو اونٹ کا گوشت کھلاتے تھے ان سے فرماتے تھے کہ

اگر مین چاہون تو ان صحنون کو صلائق، سبائک اور صناب سے بھر دون، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان لوگون پر جن کی تمام خواہشین دنیا ہی مین پوری ہو جاتی ہین، افسوس کا اظہار کیا ہے کہ

اذھبتم طیبٰتکم فی حیاتکم الدنیا — تم اپنی اچھی چیزون کو دنیاوی زندگی ہی مین حاصل کر چکے۔

ایسا خلیفہ جو بغیر کسی بناوٹ، تصنع اور تردد کے ایسا کہتا ہے وہ اس لائق ہے کہ اس کی قوم اسکی محبت اور اس کے تمام احکام کی اطاعت کرے۔

عتبہ بن فرقد صحابیؓ نے جب آذربیجان فتح کیا تو دو بڑی دیگون مین خبیص[۲] پکوا کر اور اسکو نمدے سے ڈھکوا کر حضرت عمرؓ کے پاس تحفہ بھیجا، جب آپ کے سامنے پیش ہوا تو چکھ کر فرمایا بہت لذیذ ہے، کیا تمام مہاجرین شکم سیر ہو کر اس کو کھاتے ہین؟ لانے والے نے کہا، نہین، یہ مخصوص آپ کے لیے پکوایا گیا تھا، یہ سن کر اسی وقت عتبہ کو خط لکھا کہ "خدا کے بندہ امیر المومنین عمر کیجانب سے عتبہ بن فرقد کو معلوم ہو کہ مسلمانون کا مال تمھاری اور تمھارے ماں باپ کی کمائی نہین ہے، خبردار آیندہ سے کوئی چیز ایسی نہ کھایا کرو جس کو عام مسلمان پیٹ بھر کر اپنی فرودگاہون مین نہ کھا سکین۔"

ایک مرتبہ بعض ایرانیون نے ابو عبیدہ بن مسعود کو ایک خوان مین انواع واقسام کے کھانے بھیجے، اس مین خبیص بھی تھا، اور کہا یہ ہماری جانب سے آپ کی ضیافت اور بزرگداشت ہے، آپ نے پوچھا کیا تم نے پوری فوج کی ایسے ہی میزبانی کی ہے، انھون نے کہا ہم لوگ فرودر ہین، یہ ہمارے امکان مین نہین تھا، یہ سنکر ابو عبیدہ نے واپس کر دیا اور کہا مجھکو اس کی ضرورت نہین ہے، ابو عبیدہ کے جو ہم قوم اس کے ساتھ ہین، خواہ انھون نے اس کے لیے اپنا

---

[۱] یہ تینون عمدہ کھانے کی قسمین ہین۔ [۲] ایک لذیذ ایرانی کھانا۔

خون بہایا ہو یا نہ بہایا ہو، اگر وہ کسی چیز میں بھی ان پر اپنی ذات کو ترجیح دیتا ہے تو وہ بہت برا انسان ہے، خدا کی قسم مین کوئی ایسی چیز نہین کھا سکتا جسکو اوسط درجہ کے مسلمان نہ کھاتے ہون"

غرض خلیفہ سے لیکر فوجی افسرون تک جن لوگون کی یہ سیرت ہو وہ مشرق و مغرب کیون نہ فتح کر لیتے، ایسی ہی پاک سیرتین دلون کو تسخیر کر لیتی ہین، جن سے مفتوح قومین مسلمانون سے پہلے ناآشنا تھین،

لیبان اور ڈوزی کی رائے لیبان کہتا ہے کہ "جاہلیت کے زمانہ سے عربون کی جنگ و جدال کی جو عادت چلی آرہی تھی، اس سے اسلام کے زمانہ مین ان کا بڑا کام نکلا، اور جو شجاعت آپس کی خانہ جنگی مین صرف ہوتی تھی، اس کا رخ دوسری قومون کی طرف پھر گیا، اس سے ان کو بڑی قوت حاصل ہوگئی، اس کے بعد جب مقابلہ کے لیے کوئی دشمن ان کے سامنے نہ رہ گیا تو پھر انھون نے آپس مین لڑنا شروع کر دیا، اور اسی دن سے ان کا زوال شروع ہوگیا، ان کی مدت حکومت کی درازی کا سبب یہ ہے کہ مختلف قبائل ایک علم کے نیچے جمع اور ایک مقصد پر متفق ہوگئے تھے، اور وہ اسلام تھا، اس اتحاد نے ان کی پوری توجہ ایک نصب العین کیجانب موڑ دی، اس سے ان مین بڑی شجاعت پیدا ہوگئی اور وہ اس مقصد کے لیے ہر وقت جان دینے کے لیے تیار رہتے تھے، یہ نصب العین خالص دینی تھا، عربی حکومت اسی بنیاد پر قائم ہوئی دنیا مین وہ تنہا بڑی حکومت ہے جو مذہب کے نام پر قائم ہوئی، اور اسی سرچشمہ سے ان کی ساری سیاست اور اجتماعی حالت نکلی، اور پرانی دنیا کی بوسیدگی نے جو گرنے کے قریب پہنچ گئی تھی، عربون کی فتوحات کو بڑا فائدہ پہنچایا کہ درحقیقت ایک ایسی ہی قوم جو مقصد و خیالات و تصورات مین متحد ہو، ملکون کو فتح کر کے ان کی زندگی قائم اور برقرار رکھنے کی اہل تھی، اور اس راہ مین عربون کی مستعدی اور جوش و ولولہ مین کوئی کمزوری نہین پیدا ہوئی، انھون نے

اپنی مفتوح قومون کے مکتب درس سے بھی فائدہ اٹھایا اور ان کو فوج مین برابر کا شریک بنایا جس سے ان کو بڑی کامیابی ہوئی، اس زمانہ مین جب یونانیون کے دلون سے اخلاص، بہادری اور عقیدہ کی پختگی مدت ہوئی کمزور پڑ چکی تھی، عربی فوج کا ہر سپاہی اپنے مقصد کے لیے ہر وقت جان دینے کے لیے تیار رہتا تھا،

عربون کی فتوحات اور کامیابیون نے شروع مین ان کو اندھا نہین کر دیا تھا، چنانچہ فاتح مفتوحون کے ساتھ عموماً جو زیادتیان کرتے ہین، وہ انھون نے نہین کین اور نہ اپنی چیزین منوانے کے لیئے ان پر سختی کی، اور نہ اپنے دین کو جسے وہ ساری دنیا مین پھیلانا چاہتے تھے، جبر و قوت سے منوایا، اگر وہ ایسا کرتے تو وہ تمام قومین جو ابھی ان کی مطیع نہین ہوئی تھین، ان سے بھڑک جاتین اور ان کی مخالف ہو جاتین، اس لیے انھون نے اس مہلک کام سے اپنا دامن بچائے رکھا، جس مین شام کی فتح کے زمانہ مین صلیبی مبتلا ہو چکے تھے، دور اول کے خلفاء اپنی بے مثل سیاسی ذکاوت سے اس حقیقت کو خوب سمجھتے تھے کہ کسی قوم کے اوضاع و اطوار و مذہب، دوسری قومون سے زبردستی نہین منوائے جا سکتے، اس لیے جب وہ شام، مصر اور اسپین مین داخل ہوئے تو یہان کے باشندون کے ساتھ انتہائی نرمی کا برتاؤ کیا اور ان کے پرانے نظام، ان کے اوضاع و اطوار اور ان کے عقائد کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا، اور اسلام کی خاطر ان کو کوئی نقصان نہین پہنچایا، اور جزیہ کی خفیف مقدار لینے کے علاوہ جو ان ٹیکسون کے مقابلہ مین جن کو وہ دوسری حکومتون کو ادا کیا کرتے تھے، بہت کم تھی، باقی امور مین قرآن خود ان کی حفاظت کا ضامن تھا، اس رواداری کو کوئی فاتح قوم آج تک نہین پہنچ سکی، اور نہ اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب مین اتنی نرمی و ملاطفت پائی جاتی ہے، افسوس ہے کہ مورخین نے اسی نرمی و مسامحت کو بھلا دیا جو اتنی عجلت سے ساتھ عربون کی فتوحات کا سبب اور مفتوحہ قومون اور ان کے مذہب کے اوضاع و اطوار اور

ان کی زبان کو قبول کر لینے کا سب سے بڑا سبب تھی، یہ تینون عوامل ان تمام قومون مین جنھون نے عربون کی پذیرائی کی تھی، اس طرح سرایت کر گئے کہ انھون نے خود ان حملون کا جو عرب اور اسلام پر ہوئے، مقابلہ کیا اور عربون کو ضعف و کمزوری کی تباہی سے بچا لیا، اس سلسلہ مین مصر کی مثال خاص طور سے لائق غور ہے، وادی نیل پر ایرانیون، یونانیون اور رومیون نے بھی حکومت کی تھی، لیکن وہ یہان قدیم فرعونی تہذیب کے بجائے اپنا تمدن رائج نہ کر سکے، لیکن عربون نے مصر کو عرب اور مسلمان بنا دیا، مسلمانون کے مذہب اور اس سے پیدا شدہ اخلاق و اطوار کے غیر معمولی طور سے پھیلنے کے، ان کی رواداری اور حاکمانہ لطف و مدارات کے علاوہ اور بھی اسباب تھے، مثلاً ان کے اخلاق و عادات اس قدر سادہ تھے کہ وہ بہت آسانی سے مفتوح قومون کے متوسط طبقون کی سادہ ضروریات کے ساتھ میل کھا گئے، اسکے علاوہ مسلمان ان مین تھوڑی بہت ترمیم کر کے ان کو نئی ضروریات کے مطابق بنا لیتے تھے، اسی لیے ہندوستان، ایران و عرب، بربری افریقہ اور مصر وغیرہ مین اسلامی آداب و اخلاق ایک دوسرے سے مختلف ہین، حالانکہ ان سب کا سرچشمہ ایک ہے، یعنی قرآن،

جن تمدنی اصولون کی بنیاد عربون نے رکھی، ان مین سب سے بڑا فعال عامل وہ نیا دائرہ تھا، جو انھون نے بنایا اور ان کی غیر معمولی ذہانت تھی، اس لیے وہ صحرائے عرب سے نکلتے ہی وہ لاتینی یونان کے تمدن تک جس کو وہ بہت عجیب و غریب سمجھتے تھے، پہنچ گئے، اور جس طرح انھین یونانیون کی فوجی برتری کا اندازہ ہو گیا تھا، اسی طرح وہ ان کی ادبی و علمی برتری سے بھی جلد واقف ہو گئے، اور انھون نے فوراً اس کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی، اور اس قدیم تمدن سے انھون نے پورا پورا فائدہ اٹھایا، بربر نے پچھلی چند صدیون مین قدیم لاتینی تمدن کے باقیات سے فائدہ اٹھانے کی جو انتھک کوششین کی ہین، اس سے اس راہ کی مشکلات کا اندازہ

ہوتا ہے، خوش قسمتی سے جیسا کہ عام طور سے مشہور ہے، عرب کبھی خالص وحشی نہین تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے وہ تمدن کے جس درجہ پر تھے، اسکو ہم بالکل بھلادیتے ہین ہماری دنیا سے ان کے تجارتی تعلقات تھے، آپ کی بعثت کے وقت ان کا ایک خاص کلچر اور نہایت بلند ادب تھا، یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ جب کوئی ادیب قضا وقدر سے بعض چیزون سے ناواقف رہ جاتا ہے تو اس مین ان چیزون کو جلد حاصل کر لینے کی استعداد موجود ہوتی ہے، اس لیے عرب جب نئی دنیا مین نکلے تو اس کے درس و مطالعہ مین انھون نے ویسے ہی جوش و مستعدی دکھائی جیسی اس کو فتح کرنے مین دکھا چکے تھے، اور اس تمدن کے مطالعہ مین جس سے ان کو دفعۃً سابقہ پڑا تھا، وہ ان برے اوضاع و اطوار کے اثر سے متاثر نہین ہوئے جو بیزنطینون مین مدت دراز سے چھائے ہوئے تھے،

ان کے خیالات کی یہ آزادی ان کی اتنی جلد ترقی کا ایک بڑا سبب تھی، اس مین شبہہ نہین کہ قومون کا ماضی انکی زندگی مین نہایت مفید نتائج پیدا کرتا ہے، لیکن کبھی ان کو قدامت کے آثار کا غلام بنا کر ان کی ترقی مین حائل بھی ہو جاتا ہے، عربون نے جو چیزین ایجاد کین ان مین انکے فکر و تصور کی مستقل حیثیت اور ان کی قوت اختراع برابر نمایان رہی، چنانچہ تھوڑے ہی دنون مین انھون نے ہندسہ اور دوسرے فنون کو اپنے مذاق کے مطابق بنا لیا، جو ان کے تمام آثار مین پہلی نظر مین پہچان لیے جاتے ہین، یونان کا فلسفہ چونکہ نظری تھا اور عربون کی عملی فطرت سے میل نہین کھاتا تھا، اس لیے انھون نے اس کی جانب پوری توجہ نہین کی، اور تعمیرات اور دوسرے علوم و اخلاق کو اپنا مرکز توجہ بنایا، اور اس مین ان کو اتنا انہماک ہوا کہ یہ چیزین انکے دلون مین سرایت کر گئین"

ڈوزی لکھتا ہے کہ "عرب محض فلسفیانہ تعلیمات ہی کے نہین، بلکہ فطری اور جبلی تقاضون

کے بھی ماہر تھے، چنانچہ انقلابِ فرانس کے مبادیات یعنی حریت، مساوات اور اخوت کی بنیاد
انہی نے ڈالی اور ایک بدوی کو وہ آزادی حاصل ہے جس کی مثال روے زمین پر نہین،
اس کا قول ہے کہ وہ خالق کائنات کے علاوہ اور کسی کو اپنا آقا نہین جانتا، وہ حریت کے اس
درجہ پر فائز ہے کہ اگر اس کا موازنہ ہمارے انتہائی ترقی یافتہ اصول آزادی سے کیا جائے
تو وہ عربون کی آزادی کے مقابلہ مین ایک قسم کا استبداد معلوم ہوگی، حکومت کے لیے نیکی
اور بھلائی شرط ہے، لیکن ہمارے عقیدہ مین شر ایک ناگزیر چیز ہے جس سے کسی حال مین
بھی مفر نہین، بدوی حکومت سے بے نیاز ہوتا ہے، ان مین ہر قبیلہ کا سردار ہوتا ہے،
جس کو وہ خود منتخب کرتے ہین، اگرچہ وہ اس کی عزت وعظمت کرتے ہین، اس کا حکم بھی
مانتے ہین، خصوصاً اگر خطیب اور زبان آور بھی ہو لیکن قبیلہ پر اس کا اقتدار بہت معمولی
ہوتا ہے، اس کو اہل قبیلہ پر احکام نافذ کرنے کا اختیار نہین ہوتا، اس سے کہا جاتا ہے کہ وہ رائے عامہ
کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنے خدمات کا کوئی معاوضہ نہ لے، بلکہ اس کو ناپسند کرے،
یہی نہین بلکہ وہ خود اپنے پاس سے فقرا، اور محتاجون کو کھلاتا ہے. اس کے پاس جو ہدیے بھیجے
جاتے ہین ان کو وہ اپنے دوستون مین تقسیم کرتا ہے، وہ مسافرون کی میزبانی اس پیمانہ پر کرتا
ہے کہ قبیلہ کا کوئی دوسرا فرد ایسی میزبانی نہ کر سکے، سردار قبیلہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہر حال
مین قبیلہ کی مجلس شوریٰ کی جو قبیلہ کی مختلف شاخون کے امراء و عمائد پر مشتمل ہوتی ہے، رائے لیا کرے
اس کی اجازت کے بغیر نہ وہ کسی سے اعلان جنگ کر سکتا ہے نہ صلح، اور نہ فوجون کو واپس بلا
سکتا ہے، جب کوئی قبیلہ اپنے کسی فرد کو سردار کا لقب دیتا ہے تو اس کا مقصد عموماً اس شخص
کا احترام ہوتا ہے، اس سے اس کو کوئی مادی فائدہ حاصل نہین ہوتا بلکہ اہل قبیلہ کی جانب سے
محض اس کے اعزاز و اکرام کی ایک عام شہادت اور اس شخص کی عظمت کا اعتراف ہوتا ہے،

کہ وہ اپنے اثر و اقتدار، جرأت و حوصلہ مندی، فیاضی اور اخلاص سے قبیلہ کی خدمت اور اسکے کاموں کو انجام دیتا ہے، اور اس کی ضروریات پوری کرنے میں ممتاز ہوتا ہے، کسی قدیم اور آزاد بدوی نے کیا خوب کہا ہے کہ "یہ بلند مرتبہ ہم اس وقت تک کسی کو نہیں دیتے جبتک وہ اپنی پوری املاک ہمارے حوالہ نہ کردے اور ہم کو اس کا پورا اختیار نہ دیدے کہ ہم اسکی ہر عزیز چیز کو اپنے پیروں سے مسل نہ ڈالیں، اور وہ عزت وجاہ کے ہر وسیلہ اور ہر چیز سے دستبردار ہو کر غلاموں اور خادموں کی طرح ہماری خدمت نہ کرے"۔

عربوں میں حریت، مساوات اور اخوت کا جو مفہوم ہے، اس ہالینڈی مصنف نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ اس کی تفصیل بیان کی ہے، اور تاریخ سے اس کی بہت سی مثالیں اور شہادتیں پیش کی ہیں، اور ان اصطلاحوں کے بارہ میں یورپ اور عربوں کے نقطۂ نظر کا موازنہ کر کے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ "یہ چیزیں عربوں میں زیادہ بہتر شکل میں تھیں، اور ان چیزوں نے عربوں کو لامحدود حرص وطمع اور موہوم امیدوں سے جن میں ہم اہل یورپ مبتلا ہیں، نجات دلا کر امن و سکون کی دولت عطا کی۔ ہمارا یہ حال ہے کہ ہمیشہ موجودہ حالت سے بہتر شکل کے حصول کی فکر میں سرگرداں رہتے ہیں، جس سے انسانی سوسائٹی کے ستون منہدم ہوجاتے ہیں، مگر فائدہ بہت کم حاصل ہوتا ہے"۔ اسی کے ساتھ اس مصنف نے فرنگیوں کی اس رفعت فکر کی بھی تعریف کی ہے جس نے ان کو ترقی کے اس درجہ تک پہنچا دیا اور ایسی نمایاں کامیابی عطا کی جس کا مشاہدہ ہر شخص کر سکتا ہے۔ اس بحث کا خاتمہ اس نے ان الفاظ پر کیا ہے کہ "عربوں نے جن بڑے بڑے ملکوں کو زور شمشیر فتح کیا تھا، ان میں مستقل سکونت اختیار کرنے کے بعد علم وفن کی خدمت و تحصیل میں لگ گئے اور قدیم مصنفین کی کتابوں کے ترجمے کیے، ان کی شرحیں لکھیں جس سے وہ علوم مکمل ہو گئے؛ اور ان کی جانب عربوں کی دائمی توجہ اور انتہائی دقت نظر کے ساتھ انکی تحقیق

اور وضاحت و تشریح سے ان علوم کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا، لیکن انھون نے کوئی نئی چیز ایجاد نہین کی۔ اور ہم کسی بلند اور وسیع تخیل کے لیے ان کے زیر بار احسان نہین ہین۔ اور گو ہمارے اور ان کے درمیان بڑے بنیادی اختلافات ہین لیکن ان کے اخلاق ہمارے اخلاق سے زیادہ بلند اور ان کے دل ہمارے دلون سے زیادہ وسیع ہین۔ اور ان مین انسانیت کی عظمت کا میلان زیادہ ہے، اور اگرچہ ان کو شخصی آزادی سے زیادہ شغف ہے، لیکن ان مین ترقی اور کامیابی کی زیادہ استعداد نہین ہے، اور سیاسی افکار کی بھی کمی ہے، اس لیے وہ سوسائٹی کے قوانین کی پابندی پر قادر نہین ہین"۔

ڈوزی کی اس رائے کا بڑا حصہ صحیح لیکن یہ غلط ہے کہ عربون نے کوئی نئی چیز پیش نہین کی، اور کسی بلند تخیل مین یورپ ان کا زیر بار احسان نہین ہے، ہم اوپر عربون کے علوم کی بحث مین تفصیل کے ساتھ بتا چکے ہین کہ عربون نے جتنی کم مدت مین علم و فن اور ایجاد و اختراع کے جو کارنامے انجام دیے وہ اس مدت کے مقابلہ بہت کم ہے جس مین دوسری قومین اپنی سیاست کے زور سے آگے بڑھ گئین، اور اس کے ثبوت مین ہم نے ڈریپر جوٹیہ بدیلیو اور گبن جیسے مورخین کی رائے پیش کی ہے،

عربون کی نئی تہذیب کا میدان اور انکا ماخذ

دوسری قومون کی طرح عربون نے بھی ایک تہذیب پیدا کی، اور اسکے طور طریقون مین انھون نے دوسری قدیم حکومتون سے بھی فائدہ اٹھایا جس زمانہ مین انھون نے فارس اور روم پر قبضہ کیا اور ان کے لڑکون اور لڑکیون کو خادم بنایا اس وقت ابن خلدون کے بیان کے مطابق تہذیب و تمدن مین ان کا کوئی درجہ نہ تھا چنانچہ ایران کی فتح کے زمانہ مین جب ان کے سامنے بڑی بڑی چپاتیان پیش کی گئین تو اسکو انھون نے کاغذ سمجھا، اسی طرح کسریٰ کے خزانہ مین جب کافور ملا تو اس کو نمک سمجھکر آٹا گوندھنے

مین ملا دیا، مگر اسی کے ساتھ جب انھون نے دوسری حکومتون کے لوگون کو بڑی غلام بنایا تو ان کو اپنے گھریلو کامون اور ضروریات مین لگایا، اور مختلف کامون کے لیے ان کے ماہر خدام منتخب کیے جنھون نے بڑی خوبی اور سلیقہ سے ان کامون کو انجام دیا اور انمین بڑا تفنن پیدا کیا، عربون کو چونکہ سامان معیشت مین بڑی وسعت اور اس مین تفنن اور تنوع پیدا کرنے کے تمام وسائل حاصل تھے، اس لیے ان خدام کی مہارت اور سلیقہ مندی سے ان کو بڑا فائدہ پہنچا اور جس قدر عیش و تنعم کی زندگی مین تغیر پیدا ہوتا گیا، وہ بھی اس کے ساتھ بدلتے گئے اور ان کو انتہا تک پہنچا دیا، اور کھانے، لباس، عمارتون، اسلحہ، فرش و فروش، ظروف اور دوسرے گھریلو سامان اور اثاث البیت وغیرہ شادیون، دعوتون اور دوسری تقریبون وغیرہ کے تکلفات مین وہ حد اعتدال سے بہت آگے بڑھ گئے،

پہلی صدی کا نصف اول بھی ختم نہین ہوا تھا کہ عربون نے جن شہرون مین سکونت اختیار کی تھی ان کو عیش و عشرت کے سامانون سے معمور کر دیا، ان مین سے کچھ لوگ تو سر سے پاؤن تک ان تعیشات مین ڈوب گئے، اور کچھ لوگون نے اس سے اپنا دامن بچائے رکھا، چنانچہ صحابۂ کرام کی زندگی نہایت سادہ اور خشک تھی، پھر جب بنی امیہ کا زمانہ آیا تو انھون نے پہلی صدی کے آخر تک تعیش و تکلفات کے ساتھ عرب کے پرانے اخلاق اور ان کی فطری سادگی کو بھی قائم رکھا، چنانچہ بعض اموی خلفاء اس مصلحت سے کہ تعیش کی زندگی ان کے اور ان کی قوم کے اخلاق کو بگاڑ کر عربون کے تمام عزم و عمل کی قوت کو برباد نہ کر دے، شام کے شہرون مین بہت کم رہتے تھے اور اپنے قیام کے لیے بادیہ اور دیہاتی علاقون مین محلات و قصور بنوائے تھے[۱] لیکن اسکے باوجود

[۱] امیر معاویہ کبھی کبھی غوطہ دمشق مین آکر رہتے تھے، اور بدوی فضا پیدا کرنے کے لیے خیمے اور چھولداریان نصب کراتے تھے، گرمی کا موسم صنبرہ میں جو طبریہ سے تین فرسخ کی مسافت پر ہے، بسر کرتے تھے، غوطۂ دمشق مین بہت سے امویون کے محلات تھے، خشکی کے
(باقی ص ۱۴۴ پر)

نئی تہذیب کے اثر سے حجاز بھی محفوظ نہیں رہ سکا، اور یہانتک پتہ چلتا ہے کہ مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ جیسے مقدس مقامات تک مین گانے اور موسیقی کی تعلیم ہوتی تھی، اور حجاز مین تعلیم پائی ہوئی لونڈیون کی بڑی قدر و منزلت ہوتی تھی، اس لیے کہ ایران و روم کے بعد عرب کھیل تماشون کے بڑے دلدادہ تھے، پہلی صدی کے نصف اول مین عبد الحکیم بن عمرو بن عبد اللہ بن صفوان جمحی نے مکہ کے ایک گھر مین شطرنج، نرد اور گوٹی کے کھیل کا سامان کیا تھا، اس مین عام معلومات کی بعض کتابین بھی تھین، آنے جانے والون کے کپڑے ٹانگنے کے لیے دیوارون مین کھونٹیان لگی ہوئی تھین آنے والوں مین سے جس کا دل چاہتا کتاب پڑھتا جس کا دل چاہتا کھیل سے تفریح حاصل کرتا، گویا اس نے اس زمانہ مین ایک طرح کا کلب قائم کیا تھا، جس مین مطالعہ و کتب بینی اور کھیل

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۳) علاقہ مین عبد الملک کے کئی محل تھے. عمان کے قریب قصر موقر کے گرد بہت سی عمارتین بنوائی تھین، یزید بن عبد الملک بھی حصن موقر مین رہا کرتا تھا، ولید بن یزید اور عباس بن ولید قسطل (بلقا) مین مستقل رہتے تھے، اور ولید زیزا اور قصر ازرق مین رہتا تھا. تدمر کے قریب نعمان بن بشیر کا محل قصر النجرا تھا. ایک روایت یہ ہے کہ ولید بن یزید بن عبد الملک اسی مین قتل کیا گیا تھا. ہشام بن عبد الملک بادیہ شام مین زیتونہ مین رہتا تھا. پھر رصافہ کی تعمیر کے بعد اس مین منتقل ہوگیا، یزید حوارین اور تدمرین مین رہتا تھا، اور اس کا لڑکا خالد فدین اور بلقا مین، سلیمان بن عبد الملک دابق اور بطنان جیب مین گرمی کا موسم بسر کرتا تھا، ولید ایار (حوران) مین آکر ٹھہرا کرتا تھا حضرت عمرؓ بن عبد العزیز معرۃ النعمان کے قریب دیر سمعان مین ٹھہرتے تھے. یہیں ان کی وفات بھی ہوئی تھی، آپ کبھی خناصرہ مین بھی آکر ٹھہرتے تھے. غرض بیشتر اموی خلفا اور امرا، طاعون اور گرمی سے بچنے اور کھلی فضا مین رہنے کے لیے شہرون مین بہت کم قیام کرتے تھے، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ برکہ (حجاز) مین ایک گھر ہونا مجھکو شام مین بیس گھر ہونے سے زیادہ پسند ہے.

تفریح دونوں کا سامان موجود تھا،[۱]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اوائل اسلام میں عربوں میں ہر جہت سے کس قدر تمدن پھیلنے لگا تھا، عرب کے ایک مقرر عبداللہ بن اخرم نے عربوں کو عمدہ لباس میں دیکھکر ایک مرتبہ یہ تقریر کی تھی: "کیا اچھا حال اور کیا بہتر حالت ہے، افلاس و تنگدستی کے بعد یہ خوشحالی۔ یہ قورمہ، یہ عمامے اور یہ ردا ہیں، آج تم لوگ روشن و تابان اور دوسرے غبار آلود ہوگئے، دوسرے لوگ تم کو دیتے ہیں اور تم لیتے ہو، وہ سواری کے لیے بچے پیدا کرتے ہیں اور تم ان پر سواری کرتے ہو وہ بنتے ہیں اور تم پہنتے ہو، وہ بوتے ہیں اور تم کھاتے ہو"۔

عربوں کی زمانۂ جاہلیت اور اسلام کی زندگی میں جو فرق ہو گیا تھا اس کو مشہور تابعی قتادہ ابن دعامہ سدوسی نے قرآن مجید کی اس آیت

وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ	اور تم لوگ دوزخ کے کنارے پہنچ گئے، بس
فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ	تم کو اس سے نکالا، اسی طرح اللہ اپنی نشانیاں تم پر
لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ	ظاہر کرتا ہے شاید کہ تم ہدایت پاؤ۔

کی تفسیر میں بڑی خوبی سے ..... ظاہر کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ "عرب سب سے زیادہ ذلیل، سب سے زیادہ تنگ حال، سب سے زیادہ گمراہ اور سب سے زیادہ ننگے بھوکے تھے، اور دو شیروں روم اور ایران کے کچھار کے درمیان گھرے ہوئے تھے، ان کے ملک میں کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی تھی جس پر

[۱] اس میں شبہ نہیں کہ خلفاے راشدینؓ کے بعد مکہ و مدینہ تک کی زندگی بدل گئی تھی، اور وہاں بہت سے غیر اسلامی طور طریقے رائج ہو گئے تھے، لیکن مصنف نے جو واقعات نقل کیے ہیں وہ آغانی کی روایات ہیں، گو اغانی کے بہت سے واقعات صحیح بھی ہیں، لیکن وہ ادب و محاضرات کی کتاب ہے، اس سے اہم تاریخی واقعات میں ..... استشہاد نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے علاوہ علما و محدثین نے ہمیشہ غیر اسلامی طور طریقوں کی مخالفت کی ہے "م"

رشک کیا جائے، جب تک زندہ رہتے تھے برے حال مین جیتے تھے، جب مرتے تھے تو جہنم مین جاتے تھے، دوسرے ان سے فائدہ اٹھاتے تھے، اور وہ خود کسی سے فائدہ نہین اٹھا سکتے تھے، خدا کی قسم روے زمین پر کوئی قوم ان سے زیادہ بے مایہ اور بدحال نہ تھی، یہان تک کہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام بھیجا اور اس کے ذریعہ تم کو ایک کتاب کا وارث بنایا اور اس کتاب کے ذریعہ تم کو عیش و مسرت کے گھر مین اتارا، تمھارے رزق مین وسعت پیدا کی، تم کو دوسرون کا حاکم بنایا، تم کو اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی دیا ہے وہ اسلام ہی کے طفیل مین ہے، اس لیے تم اس کی نعمتون کا شکر ادا کرو، کیونکہ تمھارا منعم رب شکر گذارون کو پسند کرتا ہے

چھٹا باب

عربون کی ثروت اور ان کے علوم

جیسا کہ عام خیال ہے عرب کل کے کل بدوی نہین تھے، جو زندگی کی لذتون سے ناواقف رہے ہون، یا خوشگوار زندگی بسر کرنے کا سلیقہ نہ رکھتے ہون، بلکہ بعضون مین تھوڑی بہت ثروت بھی تھی، جو خوشحالی اور دنیاوی لذتون کی بنیاد ہے، چنانچہ زمانۂ جاہلیت مین عمرو بن لحیّ بڑا دولت مند تھا، عربون مین دستور تھا کہ جو شخص ایک ہزار اونٹون کا مالک ہو جاتا وہ ان کو نظر بد سے بچانے کے لیے ایک اونٹ کی آنکھ پھوڑ دیتا تھا، اور عمرو بن لحیّ نے بیس اونٹون کی آنکھین پھوڑی تھین، یعنی وہ بیس ہزار اونٹون کا مالک تھا، سہیلی[1] نے لکھا ہے عمرو بن لحیّ بعض مرتبہ حج کے موقع پر دس دس ہزار قربانیان کرتا تھا، اور اس نے اپنی زندگی مین دس ہزار حلّے استعمال کیے، وہ ہر سال عربون کی دعوت کرتا تھا، اور اس دعوت مین چربی اور شہد کا حیس[2] پکواتا تھا، اور ستو بنواتا تھا،

مخضرمی عرب یعنی وہ لوگ جن کی عمر کا نصف حصہ جاہلیت مین گزرا اور نصف اسلام مین، خصوصاً سرداران قبائل اور بڑے گھرانون کے اشراف خاصے خوشحال تھے، وہ خود بھی اپنی دولت سے لطف اٹھاتے تھے، اور دوسرون کے ساتھ ایسی فیاضی کرتے تھے جسکی

[1] روض الانف [2] حیس عربون کا ایک مرغوب کھانا تھا،

مثال دوسری قوموں مین نہین مل سکتی، اسلامی دور مین اسلام کی راہ مین بعضون نے بطیب خاطر اپنی دولت صرف کی، بعثت نبوی کے وقت حضرت ابوبکر صدیق چالیس ہزار درہم کے مالک تھے، جس کو وہ اپنی اور مسلمانون کی ضروریات مین صرف کرتے تھے، چنانچہ ۹ھ مین جیش عسرت کی تیاری کے لیے دس ہزار دینار دیے، اسی غزوہ مین حضرت عثمانؓ نے بھی بڑی قیمتی مدد کی تھی، وہ زمانۂ جاہلیت مین دولت مندون مین شمار کیے جاتے تھے، جیش عسرت کی امداد مین انھون نے ۹۵۰ اونٹ اور پچاس گھوڑے مع ساز و سامان کے اور ایک ہزار دینار نقد دیے، آپ کے عہد خلافت مین مدینہ مین مال و دولت کی بڑی فراوانی ہو گئی تھی، خود آپ کے پاس ایک ہزار لونڈی غلام تھے، اور اس مال مین مسلمانون کے بیت المال اور مال غنیمت کے خمس کا ایک حبہ بھی شامل نہ تھا، حضرت عمرؓ زمانۂ جاہلیت مین اہل حجاز کی منڈی "غزہ ہاشم" کے دولت مند تاجرون مین تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم حضرت خدیجہؓ صدیقہ بڑی دولت مند خاتون تھین، ان کا تجارتی کاروبار نہایت وسیع تھا، وہ اپنا تجارتی مال شام بھیجتی تھین، تنہا ان کا تجارتی قافلہ پورے قبیلہ قریش کے کاروان تجارت کے برابر ہوتا تھا، وہ مردون کے ذریعہ تجارت کراتی تھین، اور منافع کی شرکت پر لوگون کو تجارت کے لیے روپیہ دیتی تھین، ابوسفیان تجار مکہ کے شیخ تھے، اور زمانۂ اسلام سے پہلے دولت مندون مین ان کا شمار تھا، وہ دوسرے تاجرون کو اپنا اور قریش کا مال دیکر شام اور دوسرے عجمی ملکون مین بھیجتے تھے، کبھی کبھی خود مال لیکر جاتے تھے، رومی اور عجمی ملکون مین ان کے تعلقات تھے، ان کے پاس بڑی دولت اور بڑا تجارتی سامان تھا، شام مین بلقا کے مقام مین نقفس نامی ان کا اپنا مملوکہ گاؤن تھا، غزوۂ بدر کے دن وہ قریش کے ایک بڑے تجارتی کاروان کے ساتھ جس مین بڑی دولت اور بہت سا تجارتی سامان تھا، شام سے واپس ہوئے

تھے، اور اس کو مسلمانون سے بچانے کے لیے بڑی بہادری دکھائی تھی، اس قافلہ مین بنی امیہ کا چار جنس مال تھا۔ اور کل سامان کی قیمت کا تخمینہ پچاس ہزار دینار تھا،

حضرت عثمان بن مظعون بھی قریش کے بڑے صاحب ثروت لوگون مین تھے، انکی بیوی ایک مرتبہ ازواج مطہرات کے پاس گیئن، ان کو خستہ حال دیکھکر انھون نے کہا تمھارے شوہر تو قریش کے سب بڑے دولتمند آدمی ہین، پھر تم کیون اس حال مین ہو انھون نے کہا ان کی ذات سے میرے مقدر مین کچھ نہین ہے، ان کی راتین نمازون مین اور دن روزون مین بسر ہوتے ہین (یعنی پھر بناؤ سنگار کس کے لیے کرون) یہ واقعہ ازواج مطہرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا، آپ نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا، کیا تمھارے لیے میری ذات نمونۂ عمل نہین ہے، انھون نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہون، واقعہ کیا ہے؟ فرمایا تم سارے دن روزے رکھتے ہو اور ساری راتین نمازین پڑھتے ہو؟ عرض کی ایسا تو ہے فرمایا، ایسا نہ کیا کرو، اس لیے کہ تم پر تمھاری آنکھون کا بھی حق ہے، جسم کا بھی حق ہے، بیوی کا بھی حق ہے، اس لیے نمازین بھی پڑھا کرو اور سو یا بھی کرو، روزے بھی رکھا کرو اور ناغہ بھی کیا کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فہمایش کے بعد جب دوبارہ عثمان بن مظعونؓ کی بیوی ازواج مطہرات سے ملنے کے لیے گیئن تو دلہن کی طرح عطر مین بسی ہوئی تھین، ازواج مطہرات نے پوچھا، اب یہ تغیر کیسا؟ انھون نے کہا، ابہم بھی دوسری عورتون کی طرح ہو گئی۔

صحابۂ کرام پر دنیا اتنی وسیع ہو گئی تھی کہ ان مین سے بعض لوگ ایک ایک لاکھ مین ایک ایک گھوڑا خریدتے تھے، مدینہ مین ایک ایک باغ کی قیمت چار چار لاکھ تک پہنچ گئی تھی، مدینہ نہایت آباد ہو گیا تھا، آبادی، مال و دولت اور ہر قسم کے ساز و سامان کی کثرت

تھی، سارے ملک کا خراج مدینہ آتا تھا، وہ حکومت کا پایہ تخت تھا، اس لیے یہان کے باشندے مال و دولت، گھوڑون اور ہر طرح کی نعمتون کی بہتات سے پھول گئے تھے،

حکیم بن حزام نے اپنا ایک گھر امیر معاویہ کے ہاتھ ساٹھ ہزار دینار مین بیچا تھا، لوگون نے ان سے کہا کہ معاویہ نے بڑا سستا لے لیا، انھون نے کہا مین نے اس کو زمانۂ جاہلیت مین ایک مشکیزہ شراب مین خریدا تھا، تم لوگ گواہ رہو اب مین اس کو خدا کی راہ مین وقف کرتا ہون، (جیسا کہ آگے کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، اس مکان کی قیمت خیرات کی تھی) اب دیکھو کون خسارہ مین رہا، اسی گھر کے فروخت پر حضرت زبیرؓ نے انسے کہا تھا کہ تم نے قریش کی عزت و شرف کو بیچ دیا، حکیم نے کہا اسلام نے ہماری مفروضہ عزتین اور شرف ختم کر دیے صرف تقویٰ باقی ہے اور اس کی قیمت خیرات کر دی، حکیم حضرت خدیجہؓ اور حضرت زبیرؓ کے چچیرے بھائی تھے، اور زمانہ جاہلیت اور اسلام دونون مین قریش کے اشراف اور اصحاب وجاہت مین ان کا شمار تھا، ایک مرتبہ انھون نے حج کیا تو ایک سو قربانی کے جانور ساتھ لے گئے، اور ان پر بیش قیمت حبرہ[1] کی جھولین تھین، اور عرفہ مین ایک سو غلام خدا کی راہ مین آزاد کیے، جن کی گردنون مین چاندی کی تختیان تھین اور ان مین "حکیم بن حزام کی جانب سے خدا کی راہ مین آزاد" نقش تھا، اور ایک ہزار بکریان خانہ کعبہ پر چڑھائین، وہ اپنے زمانہ کے بڑے فیاض اور سیر چشم تاجر تھے، تجارت کے لیے یمن اور سال مین دو مرتبہ جاڑے اور گرمی مین شام جایا کرتے تھے، انھون نے تجارت سے بڑی دولت پیدا کی۔

حضرت عمرؓ نے جب اپنے زمانۂ خلافت مین صحابہؓ کے وظائف مقرر کرنے کا ارادہ کیا تو مہاجرین و انصار سے مشورہ کیا، سب نے اس کی تائید کی، اس کے بعد فتح مکہ کے مسلمانون

[1] ایک قیمتی کپڑا۔

کی رائے لی، انھون نے بھی حمایت کی، صرف ایک حکیم بن حزام نے اختلاف کیا، انھون نے کہا "امیر المومنین! قریش کا پیشہ تجارت ہے، جب ان کے وظیفے مقرر ہو جائین گے تو وہ تجارت چھوڑ دین گے۔ اس کے بعد جب ان کا وظیفہ کسی سبب سے بند ہو جائے گا اور وہ آپکے پاس آئینگے، اس وقت ان کی تجارت ان کے ہاتھون سے نکل چکی ہو گی"۔ حکیم کی رائے نہایت مناسب اور حکیمانہ تھی، اس لیے کہ وظیفون کے عام تقرر کے معنی یہ تھے کہ ایک ترقی یافتہ جماعت کو جو عمل اور جد وجہد کی عادی ہو سست اور کاہل بنا دیا جائے[1]۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جزیرۃ العرب خصوصاً حجاز کے عربون کو وہی صورت حال پیش آئی جو اسپینیون کو اس زمانہ مین پیش آئی تھی جس زمانہ مین جنوبی امریکہ فتح ہوا تھا، اس وقت اس نئی دنیا سے ہزارون کی تعداد مین سونے کی ڈھلی ہوئی اشیا اور نادر معدنیات اسپین آتے تھے، اس سے وہان مال و دولت کی بڑی فراوانی ہو گئی۔ اور لوگ تن آسانی اور تعیش کے عادی ہو گئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ مین اسپین یورپ کا سب سے غریب ملک ہو گیا، ایسے ہی وظائف نے بھی مہاجرین و انصار اور فتح مکہ کے مسلمانون مین بھی کچھ دنون کے لیے تھوڑی سی فراغت پیدا کر دی تھی، اور چونکہ حجاز مین سارے اسلامی ملکون سے مال غنیمت، خراج، عشور، صدقات اور جزیہ کی آمدنیان آتی تھین، اس لیے عربون کا بڑا حصہ قوم کے خزانہ پر زندگی بسر کرنے کا عادی ہو گیا اور جب فتوحات کا دور ختم ہو گیا اور اس کی آمدنیان جاتی رہین، اس وقت قریش کے ہاتھون سے تجارت نکل چکی تھی، اس لیے حجاز فقر و فاقہ مین مبتلا ہو گیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص بھی مدینہ کے بڑے دولت مندون مین تھے، اس کا اندازہ

[1] لیکن حضرت عمرؓ بھی وظائف مقرر کرنے پر مجبور تھے، اس لیے کہ جن صحابہ نے اسلام کی راہ مین قربانیان کی تھین اور جن مجاہدین نے اس کے لیے اپنا خون بہایا تھا، ان کا اس مال پر حق تھا۔ (مترجم)

اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ انھون نے اپنے نقد سرمایہ کی زکوۃ مروان کے پاس پانچ ہزار درہم بھیجی تھی، اور اپنی وفات کے وقت ڈھائی لاکھ درہم چھوڑے، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بھی صاحب ثروت اور فیاض تھے، حضرت عباسؓ زمانہ جاہلیت مین ہاشمی خاندان کے سب سے بڑے دولت مند آدمی تھے، اور جنگ بدر کے بیشتر قیدیون کو ان ہی نے کفار کی جانب سے فدیہ دیکر چھڑایا تھا اور خود اپنے فدیہ مین ایک سو اوقیہ سونا دیا تھا، یعلی بنؓ منیہ بھی بڑے دولت مند تھے، عمر بن ربیعہ شاعر کے والد عبد اللہ بن ربیعہ اتنے دولتمند تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک مرتبہ چالیس ہزار قرض لیا تھا، اور اس کو ادا کرتے وقت ان کے اہل و عیال اور مال و دولت مین برکت کی دعا کی تھی، اور فرمایا تھا کہ "قرض کا بدلہ اس کی ادائی اور حمد و تشکر ہے"، زمانہ جاہلیت مین معمول تھا کہ ایک سال پورا خاندان قریش چندہ کرکے خانۂ کعبہ پر غلاف چڑھاتا تھا اور ایک سال عبد اللہ تنہا اپنے صرف سے یہ خدمت انجام دیتے تھے، اس سے ان کا لقب "عدل" ہو گیا تھا، کیونکہ وہ تنہا قریش کی برابری کرتے تھے، وہ بڑے تاجر تھے، ان کی تجارت یمن مین ہوتی تھی، اسی طریقہ سے حویطب بن عبد العزی بھی دولتمند تھے، انھون نے بھی ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس ہزار قرض دیا تھا، اور امیر معاویہ سے پنتالیس ہزار دینار مین ایک مکان خریدا تھا،

حضرت عبد الرحمن بنؓ عوف جو آٹھوین مسلمان تھے، بڑے دولت مند اور خوش نصیب تاجر تھے، ان کے پاس اتنی دولت تھی کہ ایک مرتبہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی خدمت مین حاضر ہوکر عرض کیا، امان! مجھے خوف ہے کہ دولت کی کثرت مجھے ہلاک نہ کردے، انھون نے فرمایا بیٹا! اس کو صرف کردو، اس پر انھون نے اس طرح عمل کیا کہ ایک زمین چالیس ہزار دینار مین فروخت کرکے اس کی قیمت خیرات کی، ایک مرتبہ ایک پورا تجارتی کاروان جس مین

سات سو اونٹون پر سامان تھا مع اونٹون کے صدقہ کردیا، اپنی پوری عمر مین تیس ہزار غلام آزاد کیے،
اور وفات کے وقت امہات المومنین کے اخراجات کے لیے ایک باغ کی وصیت کر گئے،
جو چار لاکھ مین فروخت کیا گیا، پچاس ہزار دینا خدا کی راہ مین خیرات کیے، اور ہر بدری صحابی
کے لیے چار چار لاکھ دینار کی وصیت کی، اس وقت جتنے اصحاب بدر زندہ تھے، ان سب کو
وصیت کے مطابق پوری رقم دی گئی، اتنی دولت صرف کرنے کے بعد بھی بہت بڑا سرمایہ چھوڑ گئے،
سونے کی اتنی بڑی بڑی سلین تھین کہ ان کو ہتھوڑون سے کاٹا گیا اور کاٹنے والون کے ہاتھون
مین آبلے پڑ پڑ گئے، ان کے اصطبل اور مویشی خانہ مین ایک ہزار اونٹ، اسی قدر گھوڑے، اور
دس ہزار بکریان تھین، وفات کے وقت چار بیویان تھین، ان چارون کو ترکہ مین آٹھوین
حصہ مین اسی اسی ہزار ملا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مین بھی انھون نے کار خیر مین
بہت کچھ صرف کیا تھا، اور ان کی دولت جس قدر بڑھتی جاتی تھی اسی قدر صدقات وخیرات مین
اضافہ ہوتا جاتا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ چار ہزار، دوسری مرتبہ چالیس ہزار اور تیسری مرتبہ چار کرور
درہم خیرات کیے، اور پانسو اونٹ مجاہدین کی سواری کے لیے دیے، پندرہ ہزار قیدیون
پر صرف کیے، حضرت سعد بن ربیع انصاری بھی مدینہ کے دولت مند لوگون مین تھے، آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان مین اور حضرت عبد الرحمن بن عوف مین مواخاۃ کرائی تو سعد نے
عبد الرحمن رض سے کہا کہ مین مدینہ کا سب سے زیادہ دولت مند آدمی ہون میرے مال کا آدھا حصہ
تم لے لو، میرے پاس دو بیویان ہین ان مین سے جس کو تم پسند کرو اس کو مین طلاق دیدون،
لیکن عبد الرحمن نے شکریہ کے ساتھ اس پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور دعا دی کہ
اللہ تعالی تمھارے اہل ومال مین برکت دے، اور خود تجارت شروع کر دی، اس مین اللہ تعالی
نے جتنی برکت عطا کی اس کا اندازہ اوپر کے واقعات سے کیا جا سکتا ہے،

حضرت طلحہ بن عبید اللہ عرب کے گیارہ مشہور فیاض و دولت مندون مین سے تھے، ان کی فیاضی کی وجہ سے ان کو طلحۃ الفیاض، طلحۃ الجود، طلحۃ الخیر اور طلحۃ الطلحات کے القاب سے پکارا جاتا تھا، ان کی ثروت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ انھون نے اپنا ایک باغ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سات لاکھ درہم مین بیچا اور یہ پوری رقم ایک رات مین اہل مدینہ مین تقسیم کر دی، روایتون مین ہے کہ اپنے بعد انھوں نے بیس لاکھ درہم اور دو لاکھ دینار چھوڑے، بعض روایتون سے معلوم ہوتا ہے کہ انھون نے جو نقد و جنس چھوڑا تھا اس کی مجموعی قیمت تین کرور تھی، ایک روایت مین ہے کہ تین کرور درہم اور بائیس لاکھ دینار نقد چھوڑے تھے، اور دوسرے ساز و سامان کی قیمت اس کے علاوہ تھی، ان مین سے جو روایت بھی صحیح مان لیجائے وہ ان کی ثروت کے اندازہ کے لیے کافی ہے، ان کی عراق کی جائداد کی آمدنی چار لاکھ سے لیکر پانچ لاکھ سالانہ تک تھی، اور شراۃ کی جائداد کی آمدنی پندرہ ہزار دینار سالانہ تھی، صرف غلہ کی پیداوار کی قیمت ایک ہزار دانق[1] سالانہ تھی، اپنے قبیلہ بنی تیم کے تمام غربا اور اہل حاجت کی پرورش کرتے تھے، ان کی بیواؤن کی شادیان، غریبون کی کفالت اور مقروضون کا قرض ادا کرتے، جب ان کی جائداد کی سالانہ آمدنی آتی تو اس مین سے دس ہزار حضرت عائشہؓ کی خدمت مین پیش کرتے، یعلی بن امیہؓ نے جن کی دولت مندی کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے، ایک مرتبہ چار لاکھ روپیے سے حضرت زبیر بن عوام کی مدد کی، خاندان قریش کے ستر آدمیون کو سواریان دین، جنگ جمل مین حضرت عائشہؓ جس اونٹ پر سوار تھین وہ ان ہی کا تھا،

حضرت خباب بن ارتؓ بھی اغنیا مین تھے، وہ کہا کرتے تھے کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس حال مین تھا کہ میرے پاس ایک دینار بھی نہ تھا، اور آج

---

[1] ایک طلائی سکہ

میرے گھر کے ایک گوشہ مین ایک تابوت مین چالیس ہزار درہم موجود ہین، مجھکو ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کہین ہماری نعمتون کا حصہ دنیا ہی مین نہ دیدیا گیا ہو، حضرت زید بن ثابت رضی نے اپنے بعد سونے اور چاندی کی سلین چھوڑی تھین، جو ہتھوڑے سے کاٹی جاتی تھین، نقد دولت اور جائداد اسکے علاوہ تھی، جس کی مجموعی قیمت ایک لاکھ دینار تھی، یعلی بن امیہ نے اپنے بعد پندرہ ہزار دینار اور تین لاکھ قیمت کی جائداد اور دوسری چیزین چھوڑیں، ان سب سے زیادہ دولت مند حضرت زبیر رضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری اور آپ کے پھوپھیرے بھائی عوام تھے جو عشرہ مبشرہ مین تھے، یہ بہت بڑے تاجر اور صاحب ثروت تھے۔ ان کے ایک ہزار غلام ان کو خراج دیتے تھے، جس کو وہ اکثر ایک ہی نشست مین خیرات کر دیتے تھے۔ اس فیاضی اور صدقات و خیرات کی وجہ سے انھون نے اپنے بعد نقد رقم نہین چھوڑی، لیکن ایک ہزار گھوڑے، ایک ہزار لونڈیان، دو جائدادین جن مین ایک مدینہ کے قریب ایک بڑا جنگل تھا، اور گیارہ گھر مدینہ مین، دو بصرہ مین اور ایک کوفہ مین چھوڑے، وفات کے وقت مقروض تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ان کی دولتمندی اور امانت کی وجہ سے لوگ اپنی امانتین ان کے پاس رکھواتے تھے، یہ احتیاط کی بنا پر امانت کی شکل مین نہین رکھتے تھے، بلکہ قرض کے طور پر لے لیتے تھے، اس کی وجہ سے وہ بہت مقروض ہو گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر رضہ، حضرت عمر رضہ اور حضرت عثمان رضہ کے زمانہ مین غزوات مین شرکت کے علاوہ تحصیل خراج یا امارت وغیرہ کا کوئی عہدہ قبول نہین کیا، وفات کے وقت بائیس لاکھ کے مقروض تھے، حکیم بن حزام نے ان کے صاحبزادے عبد اللہ سے پوچھا کہ بھتیجے بھائی نے کتنا قرض چھوڑا، انھون نے پہلے چھپایا اور ایک لاکھ بتایا، حکیم نے کہا تمھارے مال مین تو اس کے ادا کرنے کی گنجایش نہین ہے، اس وقت عبد اللہ نے کہا اگر بائیس لاکھ ہو تو آپ کا

کیا خیال ہے. انھون نے کہا اتنی بڑی رقم کا دینا تھارے بس سے باہر ہے. اگر تم سے ادا نہ ہو سکے تو مجھ سے مدد لینا، حضرت زبیرؓ نے کسی زمانہ مین مدینہ کے قریب ایک بڑا جنگل ستر ہزار مین خریدا تھا، عبد اللہؓ نے اس کا ایک چھوٹا حصہ سولہ لاکھ مین بیچکر اعلان عام کر دیا کہ والد کے ذمہ جس کا قرض ہو وہ اس کے معاوضہ مین جنگل لے لے، عبد اللہ بن جعفر کا چار لاکھ قرض تھا، انھون نے عبد اللہؓ سے کہا، اگر تم چاہو تو مین یہ قرض چھوڑ دون اور اگر مہلت لینا چاہو تو مہلت دیدون، انھون نے ان مین سے کوئی صورت منظور نہین کی اور قرض کے بدلے مین جنگل کا ایک ٹکڑا عبد اللہ بن جعفر کو دیدیا، اس کو الگ کرنے کے بعد بھی ان کے پاس ۴½ جنگل باقی رہ گیا، جس کا ایک حصہ منذر نے ایک لاکھ مین خریدا اور ½ حصہ امیر معاویہ نے ایک لاکھ پچاس ہزار مین لیا، اور عبد اللہ بن زبیرؓ نے عبد اللہ بن جعفر کے قرض کے معاوضہ مین ان کو جنگل کا جو ٹکڑا دیا تھا اس کو انھون نے چھ لاکھ مین فروخت کیا، اس طریقہ سے ابن زبیرؓ نے اپنے والد کا کل قرض ادا کر دیا، اس کے بعد ورثہ نے باقیماندہ ترکہ کی تقسیم کا مطالبہ کیا، انھون نے کہا، مین چار سال تک برابر حج کے موقع پر اعلان کرون گا کہ جو قرضخواہ باقی رہ گیا ہو وہ آکر اپنا قرضہ لے لے. اور جب کوئی قرض خواہ باقی نہ رہ جائے گا اس وقت ترکہ تقسیم کرون گا، چنانچہ چار سال اعلان کرنے کے بعد جب کوئی قرضخواہ باقی نہیں رہ گیا اس وقت ترکہ تقسیم کیا، اس وقت بھی اتنی دولت باقی رہ گئی تھی کہ حضرت زبیرؓ کی چار بیبیوں کو آٹھوین حصہ مین گیارہ گیارہ لاکھ ملا، اس حساب سے ان کی متروکہ جائداد کی قیمت کا اندازہ تین کرور باون لاکھ کیا جاتا ہے[۱]، بعض روایتون مین پانچ کرور تک ہے۔[۲]

ان کے علاوہ صحابہ مین حضرت مقداد بن اسودؓ، عروہ بن جعفر، انس بن مالک اور

[۱] تہذیب الاسماء نووی [۲] بخاری

عمرو بن حریث مخزومی دولت مند اور سعید بن عائذ، ابو معلق انصاری، حضرت عمرؓ کے صاحبزادگان عبد اللہ اور عبید اللہ، حاطب بن ابی بلتعہ اور سوید بن قیس عبدی بڑے تاجرون مین تھے،

بعض صحابہ کرام کی صنعت وحرفت اور ان کا اور رسول اللہ کا زہد

اوپر کی مثالون سے عربون کی ثروت کا اندازہ ہوسکتا ہے، اس دولت کے ساتھ ان مین امانت، ایثار، صدقات وخیرات اور زہد بھی اسی درجہ کا تھا،

ان مین سے اکثر اسلام سے پہلے بھی دولت مند تھے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہو کہ اسلام کے بعد اس مین اور زیادہ اضافہ ہوگیا، اور اس دولت کو انھون نے بہت سے قومی وملی کامون مین صرف کیا، اس سے فوجین تیار کین، مجاہدین پر صرف کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے ابتدائی غزوات مین بڑی مدد ملی، صحابہ کی دولت مسلمانون کے مفاد ومصالح اور فقراء ومساکین دونون پر یکسان صرف ہوتی تھی، اس دولت کا بڑا حصہ انھون نے تجارت سے پیدا کیا تھا، اور زراعت اور صنعت وحرفت کا حصہ اس مین بہت کم تھا، ابوطالب عطریات اور کپڑے کی تجارت کرتے تھے[1]، حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، طلحہ اور عبدالرحمن بن عوفؓ وغیرہ کپڑون کے تاجر تھے[2]، سعد بن ابی وقاصؓ ایک زمانہ مین تیر بناتے تھے، اور ایک روایت کے مطابق کھجور کے درختون کی اصلاح کرتے تھے، عتبہ نجاری کرتے تھے، حضرت زبیرؓ کے والد عوام خیاطی کرتے تھے، عمرو بن العاص جانور ذبح کرتے تھے، اور حمزہؓ اور خوشبویات بیچتے تھے، ابوسفیان زیتون کے تیل اور چمڑے کا کاروبار کرتے تھے، عبد اللہ بن جدعان لونڈی غلامون کی تجارت کرتے تھے، عثمان بن طلحہ خیاطی کرتے تھے،

لیکن صحابہ کرام مین اسوۂ نبوی کی پیروی مین تقشف اور سادگی غالب تھی، آنحضرت صلعم

[1] معارف ابن قتیبہ [2] المحاسن والاضداد جاحظ

کے مرض الموت مین آپ کے پاس کل سات یا نو دینار تھے، اس کو بھی وفات سے پہلے انصار مین تقسیم کرا دیا تھا، اور فرمایا تھا کہ اگر ان دینارون کے ساتھ محمد خدا سے ملے گا تو کیا خیال کیا جائے گا، اپنے بعد ایک سپید خچر اور اسلحہ کے علاوہ درہم و دینار اور لونڈی غلام مین سے کوئی چیز نہین چھوڑی، ایک زمین تھی اس کو صدقہ کر دیا تھا، اور آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو مین رہن تھی، آپ قرآن مجید کے اس حکم

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ	یہ لوگ آپ سے خاص غنیمتون کا حکم دریافت کرتے ہین،
لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ	آپ ان سے فرما دیجئے کہ غنیمتین اللہ کا ہین اور رسول کی۔

کے مطابق مال غنیمت کا پانچوان حصہ لیتے تھے، پھر دوسرے حکم

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ	اور اس بات کو جان لو کہ جو شے بطور مال غنیمت
لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي	تم کو حاصل ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ کل کا پانچواں حصہ
الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَ	اللہ اور اس کے رسول کا ہے اور ایک حصہ آپکے
ابْنَ السَّبِيْلِ	قرابت دارون کا ایک حصہ یتیمون کا ہے اور ایک حصہ
. . . .	غریبون کا ہے اور ایک حصہ مسافرون کا ہے۔

کے مطابق اس کو مسلمانون مین تقسیم کر دیتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت مین بھی دستور تھا کہ مال غنیمت مین جو کچھ حاصل ہوتا تھا، اس کو تمام لڑنے والون مین تقسیم کر دیا جاتا تھا، اور فوج کے سپہ سالار کو زیادہ حصہ ملتا تھا، ایک جاہلی شاعر نے ایک شعر مین اسی کیجانب اشارہ کیا ہے،

لك المرباع منها والصفايا وحكمك والنشيطة والفضول

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اپنی وفات کے وقت حضرت عائشہ رضؓ سے فرمایا کہ "مین جب سے مسلمانون کے کامون کا والی ہوا، ان کا کوئی درہم و دینار نہین لیا، البتہ ان کے مال سے روکھا

سو کھا کھا لیا اور موٹا جھوٹا پہن لیا، اور مسلمانوں کے مال مین سے میرے پاس اس حبشی غلام اور کھجور کے درختونکو سینچنے والے ایک اونٹ اور اس پرانی چادر کے علاوہ اور کوئی چیز نہین ہے، میرے بعد ان چیزون کو عمر کے پاس بھیجکر مجھکو ان کے بار سے سبکدوش کر دینا" چنانچہ آپ کی وفات کے بعد حضرت عائشہؓ نے اس کی تعمیل کی، حضرت عمر کی سادگی کے واقعات بہت مشہور و مسلّم ہین، جب آپ بیت المقدس کی فتح کے سلسلہ مین شام تشریف لے گئے، اور آپ سے اسلامی فوجین ملین، اُس وقت آپ کے جسم پر ایک معمولی ازار اور معمولی عمامہ تھا، ہاتھ مین اونٹ کی نکیل تھی، اور ننگے پاؤن پانی مین چلے آرہے تھے، موزے بغل مین دبائے تھے، اس وضع مین دیکھکر اسلامی فوج کے سردار نے کہا، امیر المومنین! آپ اس وضع مین ہین اور ابھی روم کے بڑے بڑے امراء اور بطریق آپ سے ملنے کے لیے آئین گے، آپ نے فرمایا "ہماری قوم کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ عزت دی ہے، اس کے علاوہ مجھکو اور کسی عزت کی حاجت نہین"، اس طرح خلفائے راشدین کی خلافت جملہ امور و معاملات مین دنیوی خدمت سے زیادہ دینی خدمت سے مشابہ تھی، وہ موٹے سوتی کپڑے پہنتے تھے، پاؤن مین کھجور کی چھال کی چپل ہوتی تھی، تلوار کی نیام بھی چھال ہی کی ہوتی تھی، وہ بغیر کسی امتیاز کے ایک معمولی رعایا کی طرح بازارون مین گھومتے تھے، اگر وہ رعایا کے کسی معمولی فرد کو بھی کچھ کہہ دیتے تھے، تو اس سے زیادہ سخت جواب پاتے اور اس کو وہ اس دین کا فیض سمجھتے تھے جسکو نبی کے ذریعہ خدا نے بھیجا تھا،

تہذیب و تمدن کا آغاز مصارف مین وسعت اور بنی امیہ کی ثروت

سب سے اول خلیفۂ ثالث نے ملک کو بداوت کی سادگی سے تہذیب و تمدن کے دائرہ مین لانے کی ابتدا کی، اور اپنی بیویون اور لڑکون کے لیے مدینہ مین بڑے بڑے مکانات بنوائے، مسجد نبویؐ کی عمارت مین

تبدیلی کی، عہد نبوی مین اس کی چھت کھجور کے پتون کی تھی، ستون کھجور کی لکڑی کے اور فرش پر سنگریزے بچھے ہوئے تھے، حضرت عثمانؓ نے ۲۹ھ مین اس کی عمارت بنوائی، جس کے در اور ستون منقش پتھر کے تھے، چھت ساکھو کی لکڑی کی اور دیوارون مین چاندی کا کام تھا، حضرت عمرؓ کا حال یہ تھا کہ جب پہلی مرتبہ فارس کی فتوحات کے مال غنیمت مین یاقوت، زبرجد اور دوسرے جواہرات آپ کے پاس مدینہ آئے تو انھین دیکھکر رو دیے، لوگون نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا "بیشک یہ شکر کا مقام ہے، مگر مجھے رونا اس لیے آگیا کہ خدا کی قسم جب خدا کسی قوم کو یہ چیزین دیتا ہے تو اسی کے ساتھ اس مین بغض وحسد بھی پیدا ہو جاتا ہے، اور جب قوم مین یہ چیزین پیدا ہوئین وہ آپس مین لڑنے لگتی ہے"،

حضرت عثمانؓ کے زمانہ مین خراج کی آمدنی بہت بڑھ گئی تھی، اور سارے ملکون سے آپکے پاس دولت کھچی چلی آتی تھی، اس لیے آپنے بڑے بڑے خزانے بنوائے اور انکو بڑی فیاضی سے مسلمانون مین تقسیم کیا، ایک ایک لاکھ درہم ایک ایک آدمی کو دیدیتے تھے اپنی شہادت کے بعد بیت المال مین تین کرور پانچ لاکھ درہم اور ڈیڑھ لاکھ دینار نقد اور ربذہ کی چراگاہ مین ایک ہزار اونٹ چھوڑے، اور دو لاکھ کی مالیت کا صدقہ کا مال چھوڑا جسے صدقہ کیا کرتے تھے،

اسلام سے پہلے اور اس کے بعد اس زمانہ تک جب عربون نے زندگی کی مسرتون سے لطف اٹھانا شروع کیا، ان کی ثروت کا وہ حال تھا جو اوپر مذکور ہوا، اموی خاندان کے سرخیل امیر معاویہؓ کے لیے جب زمین کے خزانے کھل گئے تو انھون نے مسلمانون کے کامون مین بڑی دولت صرف کی، اپنے مخالفین کے ساتھ بھی سلوک کیا، اور بہت سے عمارتی کامون مین روپیہ صرف کیا، ان کے جانشین بھی ان کی روش پر چلے، ان مین سب سے زیادہ اہم شخصیت

ولید بن عبد الملک کی ہے، اس نے بہت سی عمارتین اور جامع مسجدین بنوائین، مسجد نبوی کو آراستہ کیا، اور قیصر روم کو لکھکر چالیس رومی اور چالیس قبطی کاریگر، چالیس ہزار مثقال سونا اور بہت سی گانٹھین پچی کاری کے سامان کی منگائین، اور مسجد نبوی کو سونے اور چاندی کے نقش و نگار سے آراستہ کیا، اور سنگ مرمر کا فرش لگوایا، ۸۹ھ کے آخر مین جب اس کام سے فراغت ملی تو اسی طرح حرم محترم کی تزئین و آرائش کی، جامع دمشق کی تعمیر اور تزئین مین چھپن لاکھ اشرفیان صرف کین، اس کی تعمیر کے لیے روم سے دوسو کاریگر منگائے تھے، لوگون نے اعتراض کیا کہ لکڑی اور در و دیوار کے نقش و نگار مین روپیہ صرف کرنا بیت المال کو تلف کرنا ہے، ولید کو معلوم ہوا تو اس نے اس کی تردید کے لیے تقریر کی اور کہا تمھارا یہ خیال صحیح نہین ہے، مین نے بیت المال کا جائزہ لوایا تو معلوم ہوا کہ اس مین اتنا روپیہ موجود ہے جو مسلمانون کے آیندہ سولہ سال کے وظائف کے لیے کافی ہے، ولید سے پہلے عبدالملک نے مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ کی عمارت بنوائی تھی، اور اس پر ملک مصر کا سات برس کا خراج صرف کیا تھا، اس کی تعمیر سے وہ ۷۲ھ مین فارغ ہوا تھا، اس طرح دولت و ثروت کی کثرت کے ساتھ امویون نے تعمیرات مین بڑا اضافہ کیا، اندلس کے اموی خلفاء کی تمدنی خدمات اعجوبۂ روزگار ہین، عباسی عہد کی دولت و ثروت کا یہ حال تھا کہ اگر اس کے واقعات متواتر اور مستند ذریعون سے منقول نہ ہوتے تو آج ان کا یقین کرنا مشکل ہوتا.

عربون کا جہالت سے نکلنا اور علم کی جانب بنی امیہ کی توجہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عربوں میں کوئی شخص بھی کتاب نہین پڑھ سکتا تھا[۱]، آپ نے ان مین علم و تعلیم

[۱] مصنف کا یہ بیان صحیح نہین ہے، بعثت نبوی کے وقت مکہ مین دس بارہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے بلاذری نے ان کے نام لکھے ہین،

کی اشاعت کا یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ پہلے لکھنے کی تعلیم کی جانب توجہ کی، چنانچہ غزوات میں جب عربوں کی ایسی جماعت قید ہوتی جس میں کچھ لوگ لکھنا پڑھنا جانتے ہوتے تو ان کا فدیہ یہ ہوتا کہ وہ دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں، اس طریقہ سے قریش اور دوسرے قبیلوں میں کتابت رائج ہو گئی، آپ کا ارشاد ہے کہ "علم کو تحریر کے ذریعہ قید کرو"، ایک نبی امی کا یہ حکم تھا اور امیت آپ کے لیے بڑی فضیلت تھی کہ وہ آپ کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ آپ جو دین لائے وہ آپ کے ذہن و دماغ کی اختراع نہیں تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تھا، اس لیے کہ جو شخص لکھنا پڑھنا، شعر کہنا اور شعر پڑھنا نہ جانتا ہو وہ اتنا بڑا مذہب کس طرح ایجاد کر سکتا تھا، آپ نے حضرت زید بن ثابت کو یہودیوں کی زبان (عبرانی) سیکھنے کا حکم دیا تھا، اس کے علاوہ انھوں نے فارسی زبان کسریٰ کے قاصد سے رومی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاجب سے اور حبشی اور قبطی آپ کے خادم سے سیکھی تھی[1]، اس طرح عربوں میں دوسری زبانیں سیکھنے کا رواج ہوا، کتابوں میں ایک عجیب روایت یہ ملتی ہے کہ عبد اللہ بن زبیر کے مختلف زبانیں بولنے والے بہت سے غلام تھے، اور وہ ان سب سے ان کی زبان میں گفتگو کرتے تھے[2]،

صحابۂ کرام چونکہ عام طور سے امی تھے، اس لیے جو لوگ کتاب پڑھ سکتے تھے، وہ امتیاز کے لیے قراء کہلاتے تھے، اسی لیے اس زمانہ میں حفاظ قرآن کو خاص طور سے قراء کہا جاتا تھا، کیونکہ انھوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی تھی یہ قراء فتوحات کے بعد تمام مفتوحہ ملکوں میں پھیل گئے، حجاز سے سب سے پہلا علمی وفد یزید بن ابی سفیان کے زمانۂ امارت میں شام بھیجا گیا تھا، انھوں نے حضرت عمرؓ کو لکھا تھا کہ شام میں

[1] عقد الفرید [2] مستدرک حاکم حالات ابن زبیر

مسلمانون کی بڑی تعداد ہوگئی ہے، یہان کے شہر ان سے معمور ہوگئے ہین۔ ان کو قرآن اور فقہ کی تعلیم کی ضرورت ہے، آپ معلمون سے مدد فرمایئے۔ اس درخواست پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معاذ بن جبلؓ، عبادہ بن صامت، اور ابو درداء انصاری کو شام بھیجا۔ ان مین سے اول الذکر دونون بزرگون نے فلسطین مین قیام کیا اور ابو درداء نے دمشق مین، اس طرح اس اہم کام کی ابتدا کی فضیلت ابوسفیان کی نجیب اولاد کو حاصل ہوئی، اسی طریقہ سے قرآن مجید کو کتابی صورت مین مدون کرانے کا سہرا اسی خاندان کے ایک نامور فرد حضرت عثمانؓ کے سر ہے، جس کے نسخے کوفہ، بصرہ اور دمشق بھیجے گئے۔ جو ان مقامات کی جامع مسجدون مین رکھوائے گئے، قراء ان کو پڑھتے تھے اور حفاظ تصحیح کے لیے ان کی جانب رجوع کرتے تھے، ایک نسخہ حضرت عثمانؓ نے اپنے لیے رکھ لیا تھا، جو مصحف امام کہلاتا تھا، چالیس سال کی مدت سے زیادہ مسلمان مصاحف عثمانی کی تلاوت کرتے رہے، اس کے بعد عراق کے نومسلمون نے جب قرآن پڑھنے مین غلطیان شروع کین اس وقت حجاج بن یوسف کو اسے دوبارہ لکھوانے کی ضرورت محسوس ہوئی، اور اس نے متشابہ حروف (مثلاً ب، ت، ث، ج ح خ وغیرہ) مین امتیاز کے لیے نقطے لگوائے، اس وقت سے لوگ نقطون کے عادی ہوگئے[1]، حضرت عثمانؓ مین بنی امیہ اور بنی عبدشمس کے دوسرے افراد کی طرح فضائل و محاسن کی تبلیغ و اشاعت کا بڑا جذبہ تھا، اس لیے جس شخص مین بھی کوئی اچھی خصلت ہوتی آپ اس کی عزت و توقیر کرتے تھے، نصرانی شاعر حرملہ بن منذر طائی نے جاہلیت اور اسلام دونون کا زمانہ پایا تھا، وہ بادشاہون خصوصاً عجمی سلاطین کا وزیر رہ چکا تھا، اور ان کی سیرتون

[1] عربی رسم الخط مین اس زمانہ مین نقطے نہین تھے، اور اہل زبان بغیر نقطہ کی مدد کے صحیح پڑھتے تھے، لیکن جب عجمی مسلمان ہوئے تو انھون نے غلطیان شروع کین جس سے تحریف کا خطرہ پیدا ہوا، اسوقت حجاج نے حروف پر نقطے لگوائے، "مترجم"

کا بڑا واقف کار تھا، اس وصف کی بنا پر حضرت عثمانؓ اس کو بہت مانتے تھے، اور اپنی مجلسون مین اس کو شریک کرتے تھے۔[۱]

امیر معاویہ نے طلب علم مین اور زیادہ وسعت پیدا کی، ایک دن انھون نے کہا مین چاہتا ہون کہ کوئی ایسا شخص ملتا جو مجھ سے گذشتہ زمانہ کے حالات بیان کرتا تاکہ ان سے اپنے زمانہ کے حالات کے موازنہ کا موقع ملتا، ان کو بتلایا گیا کہ حضرموت مین ایک معمر شخص آمد بن ابد حضرمی ایسا ہے، چنانچہ معاویہ نے اس کو بلوا بھیجا، اسی طریقہ سے عبید بن شریہ جو یمن اور سلاطین عرب وعجم کی تاریخ کے بڑے عالم تھے، یمن سے ان کے پاس آئے، وہ ان کو تاریخی داستانین اور ان کے متعلق دلکش قصائد سناتے تھے، اور امیر معاویہ نے اپنے کاتبون کو حکم دیا تھا کہ وہ عبید کی داستانون کو قلمبند کر لیا کرین، ان سے ان کو بڑی دلچسپی تھی، اور وہ ان سے فرمایش کرکے داستانون مین اشعار کی آمیزش کراتے تھے، ان کا قول تھا کہ "اشعار عرب کا دیوان ان کے اقوال واعمال کی دلیل ہین اور جاہلیت کے زمانہ مین ان پر حکومت کرتے تھے"، اس طرح اسلام مین تاریخ کا آغاز امیر معاویہ کے ہاتھون ہوا، انھون نے کعب احبار کو بھی جو آل ذی رعین کی شاخ حمیر سے تھے، اپنے دامن دولت سے وابستہ کر لیا تھا، وہ قبول اسلام کے بعد بیت المقدس کے سفر مین حضرت عمرؓ کے ساتھ شام آئے تھے، معاویہ نے ان کے علم وفضل کی بنا پر ان کو اپنا مشیر بنا لیا تھا، وہ جاہلیت اور اسلام کے ابتدائی دور کے بہت سے واقعات سناتے تھے البتہ ان کی بعض مرویات اسرائیلیات مین شمار کی جاتی ہین، سموئل بن عادیا کے بھیجے اور حجاز کے یہودی شاعر سعید بن عریض بن عادیا بھی کبھی کبھی امیر معاویہ کے پاس شام جایا کرتے

[۱] تاریخ دمشق ابن عساکر

تھے، امیر معاویہ قالین پر بیٹھے ہوتے تھے، سعید اس پر بے تکلف جوتے پہنے ہوئے چلے جاتے، امیر معاویہ بڑی گرمجوشی سے ان کو خوش آمدید کہتے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتے، یہ کمال نوازی امیر معاویہ اور یزید بن ابی سفیان میں موروثی تھی، عربی خط، حجاز میں سب سے پہلے ابوسفیان اور ان کے والد حرب نے جاری کیا، جو عرب میں بنو امیہ کے بڑے مآثر میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو بھی سب سے اول اسی خاندان کے ایک فرد حضرت عمر بن عبد العزیز نے مدون کرایا، انھون نے حاکم مدینہ کو لکھا کہ مجھے علم کے مٹ جانے اور علماء کے ختم ہو جانے کا خطرہ ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث و سنن کو قلمبند کر لو،

مادی علوم کی ابتدا

مادی علوم کی ابتدا بھی بنی امیہ ہی نے کی، چنانچہ عمر بن عبد العزیز نے طب میں اہرن بن اعین کی کتاب کے عربی ترجمہ کا حکم دیا اور عاصم بن عمر انصاری کو جو حدیث کے بڑے ثقہ عالم تھے، ہدایت کی کہ وہ دمشق کی جامع مسجد میں مغازی اور مناقب صحابہ بیان کیا کرین، ان سے پہلے بنی مروان اس کو برا سمجھتے تھے، اور اس سے روکتے تھے، اور سب سے پہلے عالم قریش اور حکیم آل مروان خالد بن یزید بن معاویہ المتوفی ۸۵ھ نے یونانی قبطی اور سریانی زبانون سے فلسفہ، نجوم، کیمیا، طب، محاربات، آلات اور صنعتون کی کتابون کے ترجمہ کی ابتدا کی، چنانچہ یونانی سے عبرانی مین، عبرانی سے سریانی مین اور سریانی سے عربی مین ان علوم کی کتابون کا ترجمہ کیا گیا، تاریخ اسلام مین سب سے اول خالد ہی نے کتابون کا ذخیرہ کتب خانہ کی شکل مین جمع کیا، جو غالباً دمشق مین تھا،

شام بلکہ اس زمانہ کے ساری اسلامی ممالک مختلف حیثیتون سے بنی امیہ کے زیر بار احسان تھے، سب سے پہلے ان ہی نے عربون مین بداوت کی سادگی اور خشونت کے بجائے تمدنی آب و رنگ پیدا کیا، جب اسلامی فوجین مغرب مین شمالی افریقہ سے لیکر اندلس تک اور

مشرق مین سمرقند اور سندھ کے پار پہنچ گئین، اس وقت عربون مین قبطیون، یونانیون اور سریانیون کے علوم آئے، اسلامی فتوحات کے ابتدائی دور مین انطاکیہ، رہا، نصیبین اور حران مین بڑے بڑے مدرسے تھے، اور ان کے اساتذہ یونانی تہذیب، ارسطو کے فلسفہ، دوسرے فنون اور قدیم طب کے ماہر تھے۔ ڈہیل کا بیان ہے کہ "اموی خلفار نے ان ہی مدارس کے اساتذہ کو یونانی اور بیزنطینی علم وادب کی اہم کتابون کے عربی اور سریانی ترجمہ کا حکم دیا تھا، امویون کے بعد جب عباسیون کا زمانہ آیا تو ان کا سب سے بڑا مشغلہ یہ تھا کہ وہ یونانی زبان کے مخطوطات جمع کرین اور اس کی اہم اور مشہور طب، فلسفہ اور دوسرے علوم کی کتابین ترجمہ کرائین، چنانچہ دوسری صدی کے خاتمہ کے بعد ہی بغداد مین اقلیدس، ارخمیدس، بطلیموس دلیسقوریدس، بقراط، جالینوس، ارسطو اور تاؤفرسطس کی کتابون کا ترجمہ ہونے لگا، اگر شام کے مدارس نے بیزنطینی علوم وآداب کو نقل نہ کیا ہوتا تو عرب اپنی غیر معمولی ذہانت و ذکاوت کے باوجود نیم وحشی رہتے، وہ شامیون کے تراجم کے ذریعہ علوم وفنون اور فلسفۂ یونان سے واقف ہوئے۔ پھر ان کے طفیل مین اسلامی دور مین اسپین سے لیکر ہندوستان تک ایک عقلی حرکت پیدا ہو گئی جس نے بڑے عمدہ نتائج پیدا کیے، اور قرطبہ کے عربی مدارس کے طفیل مین نصرانی یورپ ارسطو کے فلسفہ سے واقف ہوا[1]"

لیبان کا بیان ہے کہ "یونانی اور لاتینی تہذیب کے درس ومطالعہ مین عربون کی مستعدی حیرت انگیز ہے اس میدان مین عربون نے بہت سی قومون کا مقابلہ کیا اور اس مین ان کی بیشتر قومین بھی ان سے بازی نہ لیجا سکین"۔ لکرک لکھتا ہے کہ "آٹھوین صدی عیسوی کے آخر تک عربون کی کل کائنات طب کی ایک کتاب کا ترجمہ اور علم کیمیا کی چند کتابین تھین،

[1] ڈہیل کی کتاب بیزنطینیہ

لیکن نویں صدی کے خاتمہ کے قریب تمام یونانی علوم اور قدیم تہذیبوں پر وہ قابض و متصرف ہو گئے، اور ان میں مصنفین کی بڑی تعداد پیدا ہو گئی، نوبرجبر لکھتا ہے کہ" اسلامی امپائر کے اوج شباب کے زمانہ میں عربی تہذیب زندگی اور تنوع کے اعتبار سے قدیم رومی تہذیب پر فائق ہو گئی تھی، اندلس میں اسلامی تہذیب کا مرکز مختلف جہتوں سے قدیم یونانی تہذیب کے مشابہ تھا" ڈوسن کا بیان ہے کہ" یورپین تمدن بلکہ پوری مغربی تہذیب قدیم قوموں کے علم و حکمت کی وراثت میں مسلمانوں کی مقروض ہے، اسلامی شہنشاہیت کے زمانہ میں ساتویں صدی سے لیکر پندرہویں صدی تک عربوں کی فتوحات دنیا کے عجائبات میں ایک اعجوبہ تھیں، اور یہ حیرت انگیز امر ہے کہ وہ عرب جن کی زندگی ابتدائی دور میں بالکل فطری اور سادہ تھی، وہ ایک صدی کے اندر ایک فاتح قوم اور آدھی دنیا کے سردار بن گئے، اس سے بھی زیادہ تعجب خیز ان کی عظیم الشان مستعدی ہے کہ انھوں نے بہت جلد علوم و فنون میں کمال حاصل کر لیا، اور اپنی عظمت کے قیام اور بقا کے لیے ایک تہذیب بھی پیدا کر لی، اور ایک صدی کے اندر اندر وہ ایک بلند مرتبہ پر فائز ہو گئے، اس کے مقابلہ میں رومی شہنشاہیت کو فتح کرنے کے بعد جرمنوں کو وحشت کا دور ختم کرنے اور علمی نہضت میں پورے ایک ہزار برس لگ گئے"۔

جیسا کہ ابن صاعد اندلسی نے لکھا ہے[1] کہ" عربوں نے اسلام کے ابتدائی دور میں طب اور عربی زبان کے علوم اور شریعت کے احکام کی تحصیل کے سوا اور کسی علم کی جانب توجہ نہیں کی، طب ایک ایسی عام ضرورت کا فن تھا کہ وہ پہلے سے عربوں میں موجود تھا، مگر دوسرے علوم کے نقل و ترجمہ کا کام ایک زمانہ تک سریانی اور ایرانی انجام دیتے رہے، اور عرب صرف

[1] طبقات الامم ابن صاعد اندلسی

ان ترجمون کی اصلاح اور علمی اصطلاحات وضع کرتے تھے، مثلاً علم العلاج کے لیے "طب" کی اصطلاح، یہ اصطلاح وہ عربی مادون سے بھی بناتے تھے اور وضع بھی کرتے تھے۔ اس طریقہ سے ان مین ماہر مترجمون کی ایک جماعت پیدا ہو گئی، جو براہ راست عربی مین ترجمہ کرنے لگی، اس کام مین ان کو ان ایرانیون اور رومیون سے بڑی مدد ملی، جنھون نے اسلام قبول کیا تھا، خود عربون کی توجہ زیادہ تر دینی علوم، لغت اور لسانی فنون کی جانب زیادہ رہی جو مذہب کے لیے ضروری تھے، مگر ان علوم و فنون پر جن سے عرب بالکل ناآشنا تھے، انکا اس سے بڑھ کر احسان کیا ہوگا کہ خالد بن یزید نے ان اجنبی علوم کے ترجمہ پر بڑی دولت صرف کی، اس کے بعد خلیفۂ زاہد عمر بن عبد العزیز، پھر ان کے بعد عباسی خلفا، خصوصاً منصور رشید اور مامون نے اس نقطہ کو دائرہ بنا دیا، اور ترجمہ پر بے شمار دولت صرف کی بلکہ سلاطین اور خلفار کے علاوہ بعض اشخاص و افراد مثلاً موسیٰ بن شاکر کی اولاد نے اپنے جیب خاص سے کتابون کے ترجمہ پر اتنا صرف کیا[1] کہ آج یورپ کی بڑی بڑی حکومتین بھی علوم و فنون پر اتنی دولت نہین صرف کر سکتین،

شعر و ادب کی جانب عربون کی توجہ یہ تو دوسری زبانون کے علوم کے نقل و ترجمہ کے واقعات ہین عربی زبان کے ادب مین عرب، جاہلیت اور اسلام دونون زمانون مین اقلیم بلاغت کے حکمران تھے، جاہلی اور اسلامی دونون زمانون کے عربی اشعار فصاحت و بلاغت کا نمونہ ہین، عرب بغیر ضرورت اور محرک کے شعر نہین کہتے تھے، اس زمانہ مین لوگون کے دل و دماغ پر شاعری کا جو اثر تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت حسان بن ثابت کے لیے مسجد نبوی مین منبر نصب کیا جاتا تھا، جس پر بیٹھکر اشعار کے ذریعہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

[1] تاریخ الحکما قفطی حالات موسیٰ بن شاکر

مدافعت کرتے تھے ہیکڑون صحابۂ کرام سخنور تھے، جاہلیت کے زمانہ مین عرب بڑے دقیق موضوعون پر خواہ وہ کتنا ہی عمیق ہو اشعار کہتے تھے اور اسلام کے زمانہ مین بھی خصوصاً فتوحات کے خاتمہ کے بعد جب ان کا رابطہ مصر و شام و عراق کے خلفاء و امراسے پیدا ہوا اور وہ ان کے دربارون مین آنے جانے لگے، تو ان کی شاعری مین بڑی رفعت و لطافت پیدا ہو گئی، اموی خلفاء بعض شعراء کو جن مین اخطل اور نابغہ شیبانی جیسے نصرانی شاعر بھی تھے، بہت سے شعراء پر فضیلت دیتے تھے، حضرت عمر کا قول تھا کہ "شاعری ان قومون کا علم ہے جن کے پاس اس سے بہتر علم نہ ہو" اسلام کے ظہور کے بعد عربون کی توجہ شاعری سے ہٹ کر فتوحات کی جانب منعطف ہو گئی، چنانچہ جب انھون نے ایران و روم پر فوجکشی شروع کی تو شاعری کا چرچا کم ہو گیا، پھر اسلام کی اشاعت اور فتوحات کے بعد جب وہ بڑے بڑے شہرون مین آباد ہو کر اطمینان و سکون سے بیٹھے تو پھر شاعری کا چرچا شروع ہو گیا، مگر اسوقت تک انھون نے کتابی شکل مین دیوان مرتب نہین کیے تھے، بلکہ محض حافظہ پر مدار تھا، اور جب انھون نے اس کی کتابی تدوین کا ارادہ کیا، اس وقت بہت سے شعرا ختم ہو چکے تھے، اس لیے اشعار کا بہت کم حصہ محفوظ رہ سکا اور بڑا حصہ برباد ہو گیا، نعمان بن منذر کے پاس اشعار کا ایک مجموعہ تھا، جس مین بہت سے شعراء کا کلام اور وہ مدحین تھین جو خود نعمان اور اس کے گھرانے کی تعریف مین شعراء نے کہی تھین، بعد مین یہ مجموعہ آل مروان کے قبضہ مین آیا،[1]

نثر کو بھی اسلام کے زمانہ مین بڑی ترقی ہوئی اور عربون مین زیاد، حجاج، عتبہ بن ابی سفیان جیسے نامور خطیب اور اس طبقہ اول کے خارجی خطباء پیدا ہوئے ہین، لیکن حضرت علیؓ کے بعد زیاد اور حجاج سے بڑا اور زبان آور اور فصیح خطیب پیدا نہین ہوا، جاحظ نے اموی

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الکامل للمبرد

خلفا مین معاویہ، یزید، عبدالملک، معاویہ بن یزید، مروان، سلیمان بن عبدالملک، ولید بن یزید، ولید بن عبدالملک اور عمر بن عبدالعزیزؒ کو بھی خطبا مین شمار کیا ہے، چنانچہ ان کے خطبات اپنی کتاب البیان والتبیین مین نقل کیے ہین۔

صحابہ کرام کے ابتدائی دور مین علوم کی تدوین شروع ہو گئی تھی، اور تابعین کے زمانہ مین اس کا دائرہ اور زیادہ وسیع ہو گیا، چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ نے فرائض مین ایک کتاب تالیف کی تھی، عبداللہ بن عمرؓ نے حدیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا[1]، ابن عباسؓ کے زمانہ مین حضرت علیؓ کے فیصلے ایک کتاب مین مرتب کیے گئے۔ ہشام بن عروہ کا بیان ہے کہ حرہ کے معرکہ مین میرے والد کی فقہ کی چند کتابین جل گیئن۔ جو مجھے اپنے اہل وعیال اور مال و دولت سے زیادہ عزیز تھین، حرہ کا معرکہ ۶۳ھ مین ہوا ہے، اس لیے یہ کتابین لازمی طور پر اس سے پہلے مرتب ہو چکی ہون گی۔

اوپر لکھا جا چکا ہے کہ عبدالحکم جمحی نے مکہ مین پہلی صدی کے نصف اول مین ایک کلب قائم کیا تھا، اس مین ایک ایسی کتاب تھی جس مین ہر علم وفن کے معلومات تھے، یہ اس کی دلیل ہے کہ خلفائے راشدین ہی کے زمانہ مین علوم کی تدوین اور کتابون کی تحریر کی ابتدا ہو گئی تھی، اور زمانۂ جاہلیت کی طرح محض حافظہ پر اعتماد نہین رہ گیا تھا، بلکہ تحریر وکتابت پر اعتماد کیا جانے لگا تھا، اور کاغذ کے حصول مین جو مصر مین سرکنڈے یا کسی اور پودے کے گودے سے بنتا تھا، جس قدر سہولت ہوتی گئی اسی قدر علمی کتابین زیادہ پھیلنے لگین، اوائل اسلام مین چمڑے کے ٹکڑون پر لکھا جاتا تھا، چنانچہ یہود خیبر کیساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[1] مصنف نے صرف ایک مجموعہ کا ذکر کیا ہے، حالانکہ صحابہ نے بہت سے مجموعے مرتب کیے تھے، حدیث کے مجموعہ کے علاوہ فقہ اور لسانی علوم پر بہت سی کتابین تالیف ہو گئی تھین، "م"

کا معاہدہ یا کسریٰ کے نام آپ کا نامہ مبارک چمڑے پر تحریر کیے گئے تھے. جب تک کاغذ کا رواج نہین ہوا تھا. اُس وقت تک کلام مجید ہرن کی کھال پر لکھے جاتے تھے. اور جس قدر تالیف و تدوین کے اسباب و وسائل فراہم ہوتے گئے اسی قدر قرآء، حفاظ، ادبا، رواۃ، لغویین، وغیرہ کی تعداد بڑھتی گئی. اور مختلف شہرون مین میدان علم مین مسابقت شروع ہوگئی، اور ہر شہر اسلامی ثقافت کی تحصیل کے لیے سبقت کرنے لگا۔

ساتوان باب

عربی زبان کی سکونت کے علاقے

اور

مشرقی اور مغربی زبانون مین انکے اثرات

عربی زبان کی اشاعت اور اس کے اسباب

مسلمانون نے جن جن ملکون مین بود و باش اختیار اور حکومت کی وہان ان کے موالی اور نئے اسلام قبول کرنے والون کی وجہ سے انکی تعداد بہت بڑھ گئی، ان کے علاوہ عرب کے بہت سے قبائل نے ترک وطن کر کے شام، عراق، مصر، شمالی افریقہ، اندلس اور جزیرہ وغیرہ مین سکونت اختیار کر لی، اور اسی بنیاد پر اس عظیم الشان رقبہ کی تعریب[1] کی عمارت تعمیر ہوئی، اور ذمی فطرۃً عربی سیکھنے لگے، عربون کی اس پالیسی سے مختلف قومون کو بہت فائدہ پہنچا کہ انھون نے بلا امتیاز مذہب و ملت، مجوسیون، یہودیون، صابئین، نصاریٰ وغیرہ کے لیے ملازمت کے دروازے کھولدیے، اور قبطیون، ایرانیون، رومیون، اسپینیون، پرتگالیون اور اطالویون وغیرہ سے خدمت لینے مین کبھی تامل نہین کیا، اس لیے عربی حریت کے ماتحت موافق و مخالف سب کی مصلحتین ایک ہوگئین اور ذمی بھی مسلمانون کے مخلص بن گئے، اور ان کی حکومت کے زیر سایہ قابل رشک زندگی بسر کرنے لگے، اور ان سب کے تعاون سے ایک روشن و تابان تہذیب پیدا ہوئی، اور

[1] عربی بنانا۔

چند برسون کے اندر عربی زبان نے ایران و عراق مین فارسی اور سریانی کو، شام مین رومی اور سریانی کو، مصر مین قبطی اور رومی کو، اور شمالی افریقہ مین لاتینی کو بے حقیقت بنا دیا، اور ستر سال کے عرصہ مین ان تمام ملکون کی زبان عربی ہو گئی، اس کے علاوہ اسلام سے بہت پہلے غسانی، تنوخی، نبطی، لخمی، تغلبی، ضجعمی، عاملی اور قضاعی عرب جزیرۃ العرب کے پڑوسی ملکون مین آباد ہو کر ان کے باشندون سے خلط ملط ہو گئے تھے، حتیٰ کہ اس زمانہ مین شام کے بعض قریون کا نام خالص عربی تھا، ابن خلدون نے عربی زبان کی اشاعت کی یہ توجیہ کی ہے کہ "مذہب کو عجمی زبانون سے کوئی تعلق نہین تھا، اور اسلامی حکومت کے بانیون کی زبان عربی تھی، اور عوام حکومت کے پیرو ہوتے ہین، اس لیے عربی زبان کا استعمال اسلامی شعار اور عربی حکومت کی اطاعت کی نشانی سمجھا نے لگا، اور تمام اسلامی ملکون کی قومون نے اپنی زبانین چھوڑ کر عربی زبان کو اختیار کر لیا، اور ان تمام ملکون مین عربی کی جڑین مضبوط ہو گئین، اور دوسری زبانین دخیل اور اجنبی شمار ہونے لگین"۔

عجمی ملکون مین عرب قبائل اور اہل عجم کی تعریب

ان عربی قبیلون کی صحیح تعداد نہین بتائی جا سکتی جو جزیرۃ العرب سے نکل کر ایشیا، افریقہ اور یورپ کے مفتوحہ علاقون مین آباد ہو گئے تھے، غزوہ تبوک مین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ تھا، مضری اور قحطانی سوار اور پیادون کی تعداد ایک لاکھ دس ہزار تھی، اور آپ کی وفات تک عربون کے اسلام کا سلسلہ برابر قائم رہا، ان کی تعداد برابر بڑھتی رہی، اور وہ مختلف ملکون مین پھیلتے رہے، مگر جن ملکون مین وہ آباد ہوئے، وہان گو انکی تعداد بہت کم تھی، لیکن انگشتری مین نگینہ تھے اسلام کے ابتدائی پچاس برسون مین جو عرب قبائل مفتوح ملکون مین آباد ہوئے انکی تعداد پچاس لاکھ سے زیادہ نہ تھی، بعض لوگون کے تخمینہ کے مطابق جو عرب اس زمانہ مین شام

مین آباد ہوئے، ان کی تعداد ڈھائی لاکھ تھی، اور جب شام مین جو جزیرۃ العرب سے اس قدر قریب ہے، اتنی تعداد تھی تو دوسرے ملکون مین اس سے بھی کم رہی ہوگی،

عربی زبان کی اشاعت مین اس سے بھی بڑی مدد ملی کہ نماز عربی مین فرض تھی، اس لیے جو عجمی اسلام قبول کرتے وہ عربی سیکھتے اور جو نہ قبول کرتے ان کو بھی حالات حکومت کی زبان سیکھنے پر مجبور کرتے، اس سے وہ عربی رجحانات سے زیادہ قریب ہوجاتے تھے، اس موقع پر یہ نکتہ خاص طور سے ملحوظ رکھنے کے لائق ہے. کہ عربی زبان کی فطری وسعت وسلاست اور اس کی اشاعت کے مذہبی وسیاسی اسباب کے باوجود اس مین جمود اور ٹھہراؤ نہین پیدا ہوا، اور اس نے دوسری زبانون کے الفاظ کے لیے اپنا دامن تنگ نہین کیا اور بے تکلف فارسی، رومی، سریانی، عبرانی، حبشی، قبطی اور ہندوستانی الفاظ قبول کیے اور بہت سے پرانے جاہلیت کے الفاظ ترک کردیے اور ایسی نئی اصطلاحین وضع کین جن مین ان کے پرانے معنی کے بجائے نئے معنی پیدا ہوگئے، عربون نے ابتدا ہی سے اس کی کوشش کی کہ عربی جس طرح ان کی مذہبی، ادبی، اور سیاسی زبان ہے اسی طرح علمی زبان بھی بن جائے، مگر اسی کے ساتھ انھون نے دوسرے ملکون کی اصلی زبانون کی مخالفت نہین کی، بلکہ اپنی زبان کو دانشمندی سے پھیلایا، اور اس کی اشاعت مین زبان کے نشو وارتقا کے فطری قوانین کا پورا لحاظ رکھا، اور ان فطری قوانین نے جس طرح مفتوح قومون مین اپنا اثر دکھا، اسی طرح زبان مین بھی اثر دکھایا، اور کسر وانکسار کے بعد وہی چیزین باقی رہ گیئن جو مذہب وملت کے اختلاف کے باوجود سب کے لیے مفید ومناسب تھین،

عربی زبان کا کمال اور اسکی اشاعت کے اسباب وطریقے	رینان نے عربی زبان کے کمال اور اس کی توسیع اشاعت پر ان الفاظ مین حیرت ظاہر کی ہے کہ "یہ زبان ابتدا مین نہایت

غیر معروف تھی، مگر دفعۃً انتہائی کامل صورت مین ظاہر ہوئی، وہ انتہائی سلیس اور بڑی دولتمند زبان ہے، وہ شروع سے اتنی مکمل تھی کہ اس زمانہ سے لیکر ہمارے زمانہ تک اس مین کوئی اہم تغیر نہین ہوا، نہ کبھی اس کا بچپن تھا اور نہ کبھی اس پر بڑھاپا آیا، وہ ابتدا ہی سے نہایت مکمل اور مضبوط شکل مین ظاہر ہوئی، ہمارے علم مین عربی کے علاوہ روئے زمین کی تمام زبانون مین کوئی زبان ایسی نہین ہے، جس کو حصول کمال مین مختلف مراحل سے نہ گذرنا پڑا ہو...... اور نہ تاریخ مین اس سرعت کے ساتھ عربون کی جیسی عظیم الشان فتوحات کی مثال ملتی ہے، اس مین کسی کو بھی اختلاف نہین ہے کہ عربی زبان دنیا کے بڑے حصہ پر چھاگئی، اور اس کے اس شرف وامتیاز مین کہ عربی عام ومقبول زبان تھی، دینی وسیاسی زبان تھی اور قومون کے اختلاف سے بلند تھی، صرف دو زبانین اس کے مقابل کی تھین، ایک لاتینی دوسری یونانی لیکن ان دونون کو عربی زبان کے رقبہ کی وسعت سے جس مین وہ پھیلی کوئی نسبت نہین ہے؛[1]

عربی زبان قرآن مجید کے ذریعہ کامل اور مکمل شکل مین ظاہر ہوئی، اور جس تیزی سے عربون کو فتوحات حاصل ہوئین، اسی تیزی سے عربی زبان بھی پھیلی، اس قوم سے زیادہ مضبوط اور کون قوم ہو سکتی ہے، جس مین دین ودنیا دونون کی محبت کا اجتماع ہوا اور جس سے دور ونزدیک ہر حصہ کے دشمن ڈرتے اور دوست احترام کرتے ہون، عربی زبان کے ہر دور مین خواہ وہ اس کی قوت کا زمانہ رہا ہو یا ضعف کا اس کو خاص اہمیت وامتیاز حاصل رہا ہے اور ان مسلمان عجمی سلاطین کے زمانہ مین بھی جو عربی ملکون پر قابض ہو گئے تھے، ترکون کے علاوہ ایرانی، چرکسی، کرد اور بربر وغیرہ سارے سلاطین عربی ہی زبان مین معاہدے اور دستاویزین وغیرہ لکھتے تھے، اور اسلامی حکومتون سے عربی مین سرکاری مراسلت کرنے

---

[1] سامی زبانون کی تاریخ از رینان

کے لیے عرب ممالک سے عربی زبان کے ماہر کاتب اور منشی بلا بھیجتے تھے۔ اندلس، شام و مصر، بغداد و جزیرہ اور فارس و سندھ وغیرہ تمام اسلامی ملکوں کی قرون وسطیٰ کی تاریخ اس کی شاہد ہے، یہ اہمیت قدیم زمانہ میں یورپ میں لاطینی کو ماضی قریب میں فرانسیسی کو اور اسکے بعد سے اب تک انگریزی کو حاصل رہی ہے، اور یہ تینوں زبانیں عربی کی طرح بین الاقوامی سیاست و تجارت اور حکومتوں کے عام معاملات کی زبانیں بن گئی تھیں اور عربی کو یہ امتیاز حاصل رہا ہے کہ وہ ایک ہزار سال تک اسلامی مشرق سے تعلق رکھنے والی حکومتوں کی زبان رہ چکی ہے،

جارج سارٹن کا بیان ہے کہ "آٹھویں صدی عیسوی کے نصف ثانی میں عربی زبان طبقۂ خواص کی علمی زبان بن گئی تھی، اور وہ صحیح ترقی کی حامل تھی، اور اس نے کم سے کم گیارہویں صدی کے آخر تک دنیا کی تمام دوسری زبانوں میں اپنا یہ تفوق و امتیاز اور علوے مرتبہ محفوظ رکھا، اس کے بعد اسلامی تمدن اور عربی زبان نے بتدریج اپنا مرتبہ کھونا شروع کیا، بارہویں اور تیرہویں صدی میں بہت سی عربی کتابوں کا لاطینی اور عبرانی میں ترجمہ ہو چکا تھا، اور گیارہویں صدی میں جو شخص بھی اس زمانہ کے رجحانات و خیالات کا مطالعہ کرنا چاہتا تھا وہ عربی زبان سیکھنے پر مجبور ہوتا، یہ مجبوری تیرہویں صدی میں جا کر ختم ہوئی، اور اس وقت عربی کے بجائے یورپ میں لاطینی زبان کا سیکھنا ضروری ہو گیا، چنانچہ راجر باکن وغیرہ یورپ کی نشأۃ ثانیہ کے مجددین پر محض اس لیے اسلام کی تہمت لگائی گئی کہ وہ عربی زبان سے واقف تھے، اس زمانہ میں عربوں کو یہ امتیاز و فضیلت حاصل تھی کہ دوسری قومیں انکی حکومت کی پالیسی کے تابع تھیں، وہ خود کسی قوم کی پالیسی کے تابع نہیں تھے، ان کی ہمت نے

لہ علم و تمدن از جارج سارٹن۔

جس سمت کا رخ کر دیا، اس کو فتح اور تابع فرمان بنا کر مہذب بنا دیا، ابن حزم کتاب الاحکام میں لکھتے ہیں کہ "زبانوں پر اکثر ان کی حکومتوں کے زوال، ان کے ملک پر دوسروں کے قبضہ، نقل مکان اور دوسری قوموں کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے زوال آتا ہے، اور قوموں کی زبان اور ان کے علوم و تاریخ کو ان کی حکومت کی قوت اور ان کی چستی و مستعدی سے فائدہ پہنچتا ہے، اور جس قوم کی حکومت ختم ہو جاتی ہے، اس کے دشمن اس پر غالب آجاتے ہیں، اور وہ خوف، احتیاج، ذلت و پستی اور دشمن کی غلامی میں مبتلا ہو جاتی ہے، جس سے اس کا دل مردہ ہو جاتا ہے، اور کبھی زبان کے زوال کا سبب اس کی پراگندگی ہوتی ہے، یا جب قوم اپنی اصل و نسل اور اپنی تاریخ کو فراموش کر دیتی ہے، اس وقت اس کے علوم مٹ جاتے ہیں، یہ چیز مشاہدہ سے ثابت اور عقلی حیثیت سے بالکل بدیہی ہے" اکثر مغلوب و مفتوح قوم کے دلوں پر غالب قوم کے کمال کا ایسا نقش جم جاتا ہے کہ وہ اس کے طور طریقوں، لباس و زبان اور جملہ افعال کی نقل و تقلید کرنے لگتی ہے، اور اس کی زبان کو طبعاً اور مصلحتاً اختیار کر لیتی ہے، انسانی تاریخ کے آغاز سے یہی طریقہ جاری ہے، کیونکہ انسان ہمیشہ یا غالب رہا ہے، یا مغلوب اور اس نے ہمیشہ اپنے اوپر غالب یا اپنے سے مغلوب قوموں کی زبان میں خطاب کرنا پسند کیا ہے، اس کا مشاہدہ آج بھی بڑی قوموں کی زبانوں میں کیا جا سکتا ہے، چنانچہ ان ملکوں میں جنکو غالب اور بیرونی قوموں سے کسی قسم کا تعلق ہوتا ہے وہ آسانی سے پھیل جاتی ہیں، چنانچہ شمالی افریقہ میں فرانسیسی، اطالوی اور اسپینی زبانیں اسی طریقہ سے پھیلیں، اگر کسی قوم کو سیاسی اور تجارتی غرض سے ان اجنبی قوموں کی زبان سیکھنے کی ضرورت نہیں بھی ہوتی تو وہ انکو تہذیب و تمدن اور فیشن کی علامت کی حیثیت سے سیکھتی ہیں،

بعض علاقوں میں عربی زبان کی اشاعت اور بعض سے اسکا زوال

جزیرۃ العرب کے قرب و بعد کے لحاظ سے عربی زبان مختلف ملکوں

مین آسانی کے ساتھ جڑ پکڑ لیتی تھی، سب سے پہلے وہ شام اس کے بعد عراق پھر ایران و مصر مین داخل ہوئی، اور دو ہی پشتون مین ایران کے علاوہ ان تمام ملکون مین پھیل گئی، ایرانیون نے عربون کی ظاہری اطاعت تو قبول کر لی تھی، لیکن ان کا دل مطیع نہین ہوا تھا، ان مین سے کچھ لوگون مثلاً اہل خراسان نے بطیب خاطر اسلام قبول کیا تھا، لیکن عام طور سے ایرانیون مین چوتھی صدی تک مجوسیت غالب رہی اور ان کا کوئی شہر اور کوئی علاقہ آتشکدون سے خالی نہین تھا اور وہان مجوسیون کی تعداد غالب تھی، اگرچہ ایران کے بڑے بڑے مرکزی شہرون اصفہان، مرو، نیشاپور، رے، طبرستان اور ہمدان وغیرہ مین عربی رنگ غالب تھا، اور ان مین تیسری صدی سے لیکر ساتوین صدی تک بڑے بڑے علماء اور ادیب پیدا ہوئے اور ایرانیون نے گو ظاہر مین عرب اور عربیت کی مخالفت نہین کی، لیکن ان کا دل ہمیشہ اس کے خلاف رہا، حضرت عمرؓ اس کو پوری طرح سمجھتے تھے، چنانچہ فرماتے تھے کہ "خدا مجھکو ہمدانی، اصطخری (ایران کے اور بہت سے شہرون کے نام لیے) عورتون کی اولاد سے بچائے، جن کی زبانین تو عرب کی ہین لیکن ان کے دل عجمی ہین"، اور حق یہ ہے کہ ظہور اسلام کے بعد ایرانیون کا شعلہ بجھ گیا اور وہ خاکستر بن گئے جس کو ہوا کے جھونکے اڑا لیجاتے ہین، اور ان کے پرزے اڑ گئے،

باوجودیکہ خلافت عباسیہ کے زمانہ مین ایران کے شہرون مین بہت سے علمی مرکز تھے، لیکن عربی زبان صرف چند مخصوص علمی مرکزون تک محدود تھی، حالانکہ وہ سرکاری اور علمی زبان تھی، یہ شہرون کا حال تھا، دیہاتون مین مطلق عربی نہ تھی، بلکہ ان کی زبان پہلوی اور کردی تھی، چوتھی صدی مین ایران مین پانچ لاکھ سے زیادہ کرد خانہ بدوش خاندان تھے، آذربیجان اور آرمینیہ مین فارسی اور عربی دونون رائج تھین، مگر دونون زبانین کم لوگ جانتے تھے،

ورنہ جو لوگ فارسی بولتے تھے وہ عموماً عربی نہین سمجھ سکتے تھے، عربی زیادہ تر تاجر اور صاحب جائداد لوگ بولتے تھے، اور وہان آج بھی بہت سی زبانین موجود ہین، جیسی اب سے نو صدی پیشتر تھین،

عربی حکومت ابتدائی تین صدیون تک دنیا کی اپنی تمام معاصر حکومتون مین تنہا جاندار حکومت تھی، اور اس کی قومی زبان اس کی حکومت کی بھی زبان تھی، عربی زبان مشرق کی طرح جنوبی یورپ اور اس کے مشہور جزیرون مین بھی پھیل گئی، اور اس نواح مین اس کا شعلہ اندلس پر عربون کے قبضہ کے بعد روشن ہوا، اور جزیرہ نمائے اندلس، جزیرہ میورقہ اور یابسہ (لیونیا) مین پھیل گئی، جزیرہ سردانیہ پر اگرچہ عرب ۹۲ھ مین قابض ہوچکے تھے، مگر اس کے پڑوسی صقلیہ کی طرح وہان عربی کا رواج نہین ہوا، اس لیے کہ عربون نے یہان توطن اختیار نہین کیا تھا، اور نہ صقلیہ کی طرح سردانیہ مین عربی حکومت قائم ہوئی، صقلیہ مین البتہ عربی زبان رائج ہوئی، بلکہ یہان سے عربون کے نکلنے کے بعد بھی کچھ دنون تک وہ سرکاری زبان رہی، مگر اندلس کے عربون کی آخری جلاوطنی سنہ ۱۰۱۶ھ کے بعد وہان عربی زبان کا کوئی اثر باقی نہیں رہ گیا، کیونکہ یہان کے باقیماندہ عربون کو عربی زبان استعمال کرنے کی ممانعت کردی گئی تھی، اور جن عربون نے جلاوطنی کے مقابلہ مین عیسائی مذہب اختیار کرلینے کو ترجیح دی، وہ اسپینی زبان کو عربی رسم الخط مین لکھتے تھے، جس کا نام انھون نے خمیادو یعنی عجمی رکھا تھا،

بحر متوسط کے جزائر مین البتہ عربی کا عام طور سے اثر نہ ہوسکا، کیونکہ عرب، مصر، شمالی افریقہ اور اندلس کی طرح ان جزائر مین زیادہ آباد نہین ہوئے، ان مین سے بعض جزیرون کو انھون نے جنگی مرکز بنانے کے لیے فتح کیا تھا، اور بعض مین کچھ دنون

تک مقیم رہے، چنانچہ جزیرہ اروادؔ اگرچہ انطرطوس[1] سے چند قدم کی مسافت پر ہے، مگر یہان عربی کا زیادہ اثر نہین ہوا، اس کے مقابلہ مین قبرص مین جو انطرطوس سے کافی فاصلہ پر ہے، عربی کا خاصہ اثر تھا، بحر متوسط کے دوسرے جزیرون مثلاً کریٹ مین عربی کی حیثیت غیر مستقل سی رہی، یہی حال جزیرہ مالٹا مین تھا، ان مقامات مین عربی زبان اطالوی اور دوسری زبانون سے خلط ملط ہوگئی تھی، جہان آج تک یہ عجیب و غریب زبان رائج ہے، ان جزیرون کے باشندون یا ان مین سے کچھ لوگون کی اصل و نسل بیت المقدس کے ساحلی شہرون کی ہے، جب نصرانیون کے ساتھ فرنگی شام کے علاقہ سے یورپین ملکون کی جانب جلا وطن کیے گئے،[2] تو نصاریٰ کے فرمانروانے ان کو مالٹا مین بسادیا، اسی لیے ان کی زبان شامی زبان سے زیادہ قریب ہے،[3] اور اس مین ایسے ہزارون الفاظ ہین جن کی اصل عربی ہے، مگر دوسری زبانون کے غلبہ نے ان کی اصل صورت بگاڑ دی ہے، ملیہ کا بیان ہے کہ عربی زبان جس ملک مین داخل ہوئی، اپنی دینی و تمدنی حیثیت اور اسکے اثرات کی وجہ سے پھر وہان سے نہ نکل سکی، اور عیسائی مبلغون کی انتہائی کوششون اور اس تہذیب کی قدر و منزلت کے باوجود جس کو عیسائی قومین ساتھ لائین، ایک مسلمان نے بھی عیسائی مذہب قبول نہین کیا۔[4]

عربی زبان کے بارہ مین یہ بیان صرف ایشیا اور افریقہ کی حد تک صحیح ہے، مگر یورپ مین ایسا نہین ہوا، عربی زبان جنوبی فرانس مین دو صدیون تک اور صقلیہ کے جزیرون قرسقہ اور کریٹ مین ایک عرصہ تک رہی، اور شمالی افریقہ کے ملحقہ علاقے تقریباً

---

[1] شام مین اسلامی اور رومی سرحد پر مسلمانون کی جنگی چوکی [2] جنگ صلیبی مین ساحلی علاقہ پر مسلمانون کے قبضہ کے بعد

[3] الواسطہ فی احوال مالطہ از احمد فارس [4] یورپ جدید کی زبانین از ملیہ

سب عربی تھے، مگر اب ان مقامات مین عربی کا نشان تک نہین ہے، البتہ یہ کہنا صحیح ہے کہ بحر احمر، بحر فارس، بحر ظلمات اور بحر ہند کے ایک حصہ کی طرح بحر متوسط کا درمیانی حصہ بھی عربون کا سمندر ہوگیا تھا اور اگر امیر معاویہ نے قسطنطنیہ فتح کرلیا ہوتا تو عربی زبان یورپ کے جنوب مغرب کی طرح جنوب مشرق مین بھی پہنچ جاتی اور قسطنطنیہ اور اس کے علاقہ کی حکومت میں عرب جزیرہ نمائے ایبریا سے زیادہ محفوظ رہتے، کیونکہ خشکی کی سمت سے اسلامی اور رومی ملکون کے درمیان کوئی حد فاصل نہین تھی (اس لیے عربون کو اسلامی ملکون سے آسانی کے ساتھ مدد پہنچ سکتی تھی) اندلس کی فتح کے کل پچاس برس کے اندر وہان عربی اتنی عام اور مقبول زبان بن گئی تھی کہ ارباب کلیسا اپنی نمازون کا ترجمہ عربی مین کرنے کے لیے مجبور ہو گئے تھے، تاکہ عام عیسائی اس کو سمجھ سکیں۔ وہ عربی کے ایسے شیفتہ ہو گئے تھے کہ عربون کی طرح عربی زبان لکھتے تھے، اور اس کی بلاغت سے لطف اندوز ہوتے تھے، اور ملک کے عام باشندے اسپینی، پرتگالی اور عربی یکسان بولتے تھے، اور اپنے معاملات (تحریری دستاویز وغیرہ) کی کتابت عربی ہی مین کرتے تھے، اس قسم کی دو ہزار تحریریں اسپین میں ملی ہین، جنھین یہان کے اصلی باشندون نے عربی مین لکھا تھا، خاص اندلس کے عربی کے واقفکارون کو چھوڑکر جلیقیہ، قشتالیہ اور لیون وغیرہ کا ذہین اور ہونہار طبقہ عربی بولتا تھا اور اندلس کے خلفاء اور ان کے امراء واعیان کے پاس حصول خدمت کے لیے آتا تھا، اسکوریال (اسپین) کے کتب خانہ مین اب تک مسلمان مصنفین کی مرتب کردہ یونانی، عربی، لاتینی عربی، اور اسپینی عربی لغت کی کتابین موجود ہین،

لاتینی زبانون مین عربی اثرات

اندلس مین عربون اور اندلسیون کے اتنے اختلاط کے بعد یہ کوئی تعجب انگیز امر نہین ہے کہ اسپینی زبان مین ابتک عربی کے بکثرت الفاظ پائے جاتے ہین، مثلاً شہرون، دریاؤن اور اندلس کے مختلف مقامون اور بعض سامانون کے نام اور اصطلاحین وغیرہ اسپینی

زبان کے سیکڑون الفاظ کے شروع مین تعریف کا الف لام ہے، جو ان کے عربی ہونے کا ثبوت ہے، بہت سے نامون کے شروع مین "بنی" اور "وادی" کا لفظ پایا جاتا ہے، جو خالص عربی ہے، اسپینی مین عربی کے سیکڑون الفاظ داخل ہو کر اس مین بالکل مل گئے ہین، اسی طریقہ سے پرتگالی، اطالوی، فرانسیسی اور دوسری لاطینی زبانون مین بھی عربی الفاظ داخل ہو گئے ہین لیکن عربی کا زیادہ اثر اسپینی اور پرتگالی پر ہے،[۱]

آج کل بھی برازیل اور پرتگال مین جو زبانین بولی جاتی ہے وہ اپنی تعبیر، مترادفات، امثال اور حسن و خوبی مین دوسری زبانون کے مقابلہ مین عربی سے زیادہ قریب ہین، اور برازیلیون کے اجداد پرتگالی ہی ہین، پرتگالی زبان مین تقریباً عربی کے تین ہزار الفاظ ہین، جن مین سے اکثر الفاظ کے شروع مین ابتک عربی کا الف لام موجود ہے، اور اسپینی زبان کے اندازاً ایک چوتھائی الفاظ عربی سے ماخوذ ہین،[۲]

عربی زبان کا اثر و نفوذ محض لاطینی زبان تک محدود نہین رہا، بلکہ جرمنی اور سکسونی زبانون تک مین ہے، چنانچہ انگریزی، قدیم گالی، خاص جرمنی اور یورپ کی جرمنی الاصل دوسری زبانون ہالینڈی، اسکینڈنیوی، روسی، پولینڈی اور صقلی وغیرہ زبانون مین عربی کے الفاظ پائے جاتے ہین،

یہ معلوم ہے کہ عرب بحر متوسط کے ساحل پر جنوب مغربی فرانس کے صوبے سپٹی مینیا، اور شہر ناربن پر قابض ہو گئے تھے، اور اس کو اپنی بحری جولانگاہ کا مرکز بنایا تھا، پھر شہر کرکسون، اوبن، بون، سینس، اوتیون اور بورڈو فتح کیے، پھر مار سلیز، آرلس اور صوبہ بر دفینیا پر قبضہ کر کے پورٹیہ تک بڑھتے چلے گئے جو پیرس کے جنوب مغرب مین اس سے ۳۳۲ کیلو میٹر کی مسافت

[۱] انجلمان نے اس موضوع پر مستقل ایک کتاب "اسپینی اور پرتگالی زبان کے ان مفردات کا لغت جو عربی سے مشتق ہین" لکھی ہے۔ [۲] ایضاً اس کتاب مین اس کی پوری تفصیل ہے۔

پر ہے، سپٹی مینا مین انھون نے قیام کرکے اس کو مرکز بنایا اور ملک کے باشندون سے معاہدے کیے، اس طرح روزانہ کی اصطلاحون مین اپنے بہت سے الفاظ داخل کردیے،

سڈ لیو لکھتا ہے کہ جب فرانس اور جرمنی مین وحشت خیمہ زن تھی تو عرب جنوبی فرانس مین کوہستان برنیات سے لیکر الپ تک کے علاقہ پر قابض تھے، اور اپنی نوآبادیوں سے وہ علوم جو ان کے مدارس مین پڑھائے جاتے تھے، شمال مین برگنڈی اور سوئزرلینڈ تک اور جنوب مین ٹیرول اور لمبارڈیا تک پھیلاتے تھے، اسی زمانہ مین یورپ مین عربی ہندسون اور کسور عشریہ کا رواج ہوا جن کے نام باوجود تغیر کے ابتک عربی ہین، اور فرانسیسی زبان مین لاتینی سے زیادہ عربی زبان کی نادر تعبیرین داخل ہوئین، چنانچہ فرانسیسی زبان کی ترقی کے ابتدائی زمانہ مین اس مین پانسو لاتینی الفاظ کے مقابلہ مین صرف ایک یونانی لفظ تھا، اس لئے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ فرانسیسی مین عربی الفاظ کا تناسب یونانی الفاظ سے زیادہ رکھنا چاہیے، لامنس کے بیان کے مطابق فرانسیسیون نے اپنی زبان مین نوسَو عربی الفاظ داخل کیے تھے،[1] ان مین سے بعض جنگ صلیبی کے زمانہ مین داخل ہوئے تھے،

اس زمانہ مین فرانسیسی زبان اور اس کے ادب کو ایسی صورت حال پیش آئی جو ان حالات مین قدرۃً زبانون کو پیش آتی ہے،[2] یعنی جس قوم کی تہذیب زیادہ عام و رائج ہوگی اس کے حامل دوسرون پر زیادہ اثر انداز ہون گے، اور اس زمانہ مین مسلم طور سے مشرقی قومین خصوصاً عرب اور یونانی سب سے زیادہ متمدن تھے، اس لیے فرانسیسی زبان قدرۃً عربی سے متاثر ہوئی، سرکاری مترجمین کے علاوہ بعض عربون، ترکون اور کردون نے بھی فرنگیون کی

---

[1] فرانسیسی زبان مین عربی کے مشتق الفاظ پر ایک نظر از لامنس [2] فرانسیسی زبان و ادب کی تاریخ از ٹی ڈی کا جر لیول

زبانین سیکھین، لیکن اس کے مقابلہ مین بہت سے صلیبیون نے فلسطین آنے کے بعد یہان کی ملکی زبان (عربی) سیکھی۔ فرنگیون پر عربی علوم و فنون کا ایک مدت سے جو اثر پڑ رہا تھا، اس مین اسلامی تمدن سے صلیبیون کی قربت کے بعد اور زیادہ اضافہ ہوگیا، ٹی فرانسیسی لغت اور ادب کی تاریخ مین لکھتا ہے کہ "ہمارے تمام علوم فلسفہ، ریاضی، ہیئت، جہاز رانی، آتش گیر مادون کی ترکیب، طب، کیمیا و طباخی وغیرہ سب عربون کے اثرات کے مقروض ہین، ہم نے عربون سے بہت سی چیزین رقم کا طریقہ، ارسطو کی شرحین، نامہ بر کبوتر، موسیقی کے آلات، لباس، اس کی تراش و خراش، پھولوں، سبزیون اور ترکاریون کی قسمین وغیرہ حاصل کین، اگرچہ ان مین سے بہت سی چیزین اپنے اصل نامون سے موسوم نہین رہین، مثلاً عسقلان کا پیاز، اور دمشق کی چادرین وغیرہ، پھر بھی کافی چیزون کے اصل عربی نام تھوڑے تغیر کے ساتھ اب تک محفوظ ہین، اور انکی تعداد اتنی ہے کہ فرانسیسی زبان مین ان کا ایک بڑا مجموعہ مرتب کیا جاسکتا ہے۔

میڈرڈ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر ہیودا نے اپنی ایک تقریر مین یہ اعتراف کیا ہے[1]، کہ "لوگون کو اس کا اندازہ ہونے لگا ہے کہ قرون وسطیٰ کا یورپ اس عربی تمدن کا مقروض ہے، جس کے چشمۂ فیض سے مسلمان، یہودی اور عیسائی یکسان سیراب ہوتے تھے اور اب اس حقیقت کو لوگ سمجھنے لگے ہین کہ یورپ کی اصلاح و ترقی کے زمانہ مین علوم طبعی فلسفہ و ریاضی کے اساسی قوانین اور دوسرے تمدنی علوم کی روح اسی شیرین چشمہ سے مستفید ہوئی ہے، جس کو عربی تمدن کہتے ہین اور اس زمانہ کے علما اس تہذیب کے مطالعہ مین جب دقت نظر سے کام لیتے ہین تو وہ اس کا اثر موجودہ تہذیب مین پاتے ہین، انھون نے یورپین زبانون مین سیکڑون ایسے الفاظ کا انکشاف کیا ہے، جو عربی تمدن کے زمانہ

[1] یہ تقریر قاہرہ کی امریکن یونیورسٹی مین مارچ ۱۹۲۶ء میں کی تھی۔

مین داخل ہوئے تھے؛

مشرقی زبانون پر عربی کا اثر یہ تو عربی کے عروج و شباب کے زمانہ مین اس کی پڑوسی یورپین زبانون پر اس کے اثرات کا حال تھا، جو عربی حکومتون کی قوت و عظمت اور اس کی تہذیب کی سرایت کرنے والی روح کا نتیجہ تھا، اب مشرقی زبانون پر عربی زبان کے اثرات ملاحظہ ہون،

مشرق کی اہم زبانون مین سب سے زیادہ فارسی عربی سے متاثر ہوئی، حالانکہ وہ خود ایک ترقی یافتہ تمدن کی مالک تھی، چنانچہ موجودہ فارسی زبان مین آدھے الفاظ عربی کے ہین، یہی حال عثمانی اور ترکی زبان اور اس کی مختلف بولیون قزقز، قفجاق، نشغرت اور چغتائی وغیرہ کا ہے، اسی طریقہ سے ملائی یعنی جاوی، افغانی (پشتو) مصری، سوڈان، اور افریقہ کی بربری زبانین عربی سے متاثر ہو ہین سنیگال کے مسلمانون کی زبان عربی ہے، اور باقی دوسری ملکی زبانین بھی عربی رسم الخط مین لکھی جاتی ہین[1]، عربی، فرانسیسی سوڈان اور عاج کے ساحلی علاقہ مین عام طور سے رائج ہے، نائیجریا مین تجارتی تحریرین اور مقامی زبانین عربی رسم الخط مین لکھی جاتی ہین، لیبریا کے غیر مسلم اپنی لغت کی تدوین مین عربی رسم الخط پر اعتماد کرتے ہین، شمالی نائیجریا کے پرائمری اسکولون مین عربی پڑھائی جاتی ہے، اور ملکی زبانین عربی رسم الخط مین لکھی جاتی ہین، اور شاد جیبوٹی اور حبشہ کے علاقون مین بھی عربی پھیلی ہوئی ہے، ان ملکون کے مسلمان عام طور سے دو زبانین بولتے ہین، ایک مقامی دوسری عربی، یوگوسلاویہ کے مسلم سروی اور ترکی زبانون کی تحریر مین عربی رسم الخط پر اعتماد کرتے ہین، قازان اور قرم کے تمام علما، عربی بولتے ہین، یہی حال گرجستان، طاغستان اور چرکستان کے علما کا ہے، افغانستان کی مقامی زبان (پشتو) عربی رسم الخط مین لکھی جاتی ہے، سیام مین

---

[1] ماسینیون کی تقویم عالم اسلامی

بھی تھوڑی بہت عربی پائی جاتی ہے، فلپائن کے مسلمان بھی اپنی زبان کی تدوین میں عربی کو کام میں لاتے ہیں، ہندوستان کے تمام مذہبی مدرسون میں عربی پڑھائی جاتی ہے، اور علی گڈھ یونیورسٹی اور حیدرآباد میں اس کا بڑا چرچا ہے[1]، یہی حال ایران کا ہے۔

کتاب "لغات العالم" میں ہے کہ عربی جس طرح اسلامی قومون کی زبان ہے، اسی طرح کم درجہ کی متمدن قومون کی تحریری زبان ہے، حالانکہ عربی میں بے شمار مذہبی اور علمی الفاظ ہیں، جو ترکی اور فارسی زبانون میں داخل ہوگئے ہیں، افریقہ کے جو اُن پڑھ زنگی لکھ پڑھ جاتے ہیں، وہ جب کوئی کتاب لکھنا چاہتے ہیں تو عربی میں لکھتے ہیں، مگر ہر موقع پر اس کو نہیں بولتے، لیکن انھون نے تحریری عربی سے ایک علمی اور خط وکتابت کی زبان بنالی ہے، ڈریپر لکھتا ہے کہ "اسلام کی ترقی کو تلوار کی جانب منسوب کرنا نہایت لغو اور غلط ہے، تلوار کبھی کسی قوم کا عقیدہ نہیں بدل سکتی، مگر وہ دلون کی اثر پذیری کو بھی نہیں روک سکتی، جو تلوار سے زیادہ قوی عامل اور خوف سے زیادہ اثر کرنے والا ہے، اسلیے اسلام ایشیا اور افریقہ کے خواص وعوام کی زندگی پر چھاگیا، اور اس نے مختلف بے شمار قومون میں عربی کی اشاعت میں بڑی مدد پہنچائی"۔

عربی بولنے والی قومین

آج عربی تنہا یا دوسری زبانون کے ساتھ مل کر حسب ذیل ملکون میں بولی جاتی ہے، عرب، عراق اور شام میں ایشیائے کوچک کی سرحد تک، شمالی افریقہ میں طرابلس، برقہ، تونس، الجزائر اور مغرب اقصیٰ وغیرہ میں، ریگستان اور مالٹا کے حدود اور مصر کے

---

[1] ان مقامات میں عربی کی اتنی اہمیت نہیں ہے جتنی مصنف نے تحریر کی ہے، مسلم یونیورسٹی میں دوسری یونیورسٹیون کی طرح عربی کا شعبہ بھی ہے، البتہ دینیات کا شعبہ زیادہ ہے، حیدرآباد میں البتہ عربی کی اہمیت نسبۃً زیادہ تھی، یونیورسٹی میں بھی اسکو اہمیت حاصل تھی اور دائرۃ المعارف عربی کتابون کی اشاعت کا ایک اہم ادارہ ہے جس نے عربی کی سیکڑون اہم نادر اور نایاب کتابیں شائع کیں۔ "م"

انتہائی جنوب مغربی تیل کے منبع تک اور کردوخان، ڈارفور، واڈائی، جوانبو، نائیجریا سینیگال اور مغرب اقصیٰ اور اسنیگال کے درمیانی مغربی صحرا تک پھیلی ہوئی ہے، جنوبی عرب کے باشندون نے زنجبار مین کبھی نوآبادی قائم نہین کی بلکہ اس سے متصل شمالی افریقہ کے علاقہ کو نوآبادی بنایا اور یہ نوآبادکار ارجبیل اور مالیزیا تک پہنچ گئے، اور تونس اور صقلیہ کے درمیان جزیرۂ قوصرہ مین اٹھارہوین صدی تک عربی بولی جاتی تھی،

جزیرہ قوصرہ اور جزائرہ بالیار کے باشندون کی بول چال مین عربی کے بہت سے مفرد الفاظ ہین، مڈگاسکر کے بعض باشندے بھی عربی بولتے ہین، یہ صحیح طور پر نہین معلوم کہ جنوبی ہند مین موپلا قوم کی زبان عربی ہے یا نہین[1]، یمن کے حضرمی عربون نے ہندوستان اور ہالینڈ کی نوآبادیون مین جہان کہین سکونت اختیار کی وہان انھون نے عربی کے اخبارات نکالے، اور ان کی تعلیم کے ابتدائی مدارس قائم کیے، جس سے عربی کی اشاعت ہوئی اور آج عرب ملکون مین عربی بولنے والون کی تعداد کم سے کم چھ کرور ہے، یہ تعداد چین، ہندوستان، جاوا، سماٹرا، ترکستان، ایران، افغانستان اور سوڈان وغیرہ کے ان مسلمانون کے علاوہ ہے جو عربی لکھ اور بول سکتے ہین، اگرچہ ادھر چند صدیون سے عربی کی علمی حیثیت گھٹ جانے کی وجہ سے اس مین کچھ کمزوری پیدا ہوگئی ہے، اور صرف مذہب، خطبون اور شعروشاعری پر اس کی حکومت رہ گئی ہے، اور اس کا ادب کمزور پڑ گیا ہے، کیونکہ ادب اپنی قوم کی تمدنی ترقی کا تابع، اس کی بولتی ہوئی تصویر، اور قوم کی قوت اور اس کے نمو کا نتیجہ ہوتا ہے، تاہم اگر کسی زبان کو یہ صورت حال پیش آجائے تو اس کے یہ معنی نہین کہ وہ زبان پارینہ ہوگئی اور اس مین کوئی صلاحیت باقی نہین رہی، جیسا کہ بعض مغربی شعوبیون کا دعویٰ ہے اور مشرق

---

[1] موپلا نسلاً تو عرب ہین، انکی زبان کسی زمانہ مین عربی رہی ہوگی مگر اب نہین ہے، مگر انکی موجودہ زبان مین عربی کے بکثرت الفاظ ہین۔ م،

کے بعض احمق اور مصنوعی فصحا بھی ان کے ہمنوا ہین ،

عربی دور آخرین اور اسکی عوامی بولیان

خلفاے راشدین کے زمانہ سے لیکر اس وقت تک تینون براعظمون کے مسلمانون کے درمیان فصیح عربی ہی افہام و تفہیم کا ذریعہ رہی ہے ، ایسی حالت مین یہ کس قدر افسوسناک بات ہو کہ مغربی قومین اس کو صرف لاتینی زبان کا درجہ دیتی ہین، حالانکہ اس کی مذہبی اہمیت اور ایک ترقی یافتہ تہذیب کی زبان ہونے کی وجہ سے اس کے قواعد نہایت مکمل اور مستحکم ہین ، اور جو شخص بھی اس کی موجودہ حالت کا ایک صدی پیشتر کی حالت سے موازنہ کرے گا، اور جدید تہذیب اور عربی بولنے والون کی ترقی کے اثر سے عربی زبان مین جو ترقی ہوئی ہے اس پر نگاہ ڈالے گا تو اس کو بدیہی طور سے نظر آئے گا کہ عربی نے پرانے اور نئے ہر زمانہ مین جدید خیالات کو قبول کرنے کیلیے ہمیشہ اپنا سینہ کشادہ رکھا، عربی کی تحریری زبان اگرچہ بول چال کی زبان سے مختلف تھی، لیکن اس سے عربی ملکون مین اس کے عام بول چال کی زبان ہونے مین کوئی رکاوٹ نہین پیدا ہوئی، کیونکہ عربی مین اس کے مادون کی کثرت کی وجہ سے زندگی اور بقا کی بڑی طاقت تھی اور ہر مسلمان اس کی حفاظت کا متمنی تھا، کسی زبان کے لیئے اس کے بولنے والون کا عرصۂ دراز تک جہالت مین مبتلا رہنا سب سے زیادہ مضر ہے، مگر ماضی قریب مین جب سے عربی ملکون نے جدید تعلیمی طریقون کو اختیار کیا ہے، اُس وقت سے عوام کی زبان خواص کی زبان سے قریب تر ہوگئی ہے، جس کا سہرا مدارس، اخبارات، کتابون اور تقریرون کے سر ہے، چنانچہ آج بہت سے فصیح الفاظ کثرتِ استعمال کی وجہ سے عوام مین رائج ہوگئے ہین، اور عربون کی جہالت جس قدر گھٹتی جائے گی، اور فصیح ماحول مین ان کی اولادون کی نشوونما ہوگی ، وہ جامع مسجد، عبادت گاہون، گھر، مدرسہ اور بازار وغیرہ مین فصیح الفاظ سنین گی، اسیقدر

عامی زبان فصیح عربی سے قریب تر ہوتی جائے گی، کیونکہ جس طرح تحریری زبان طباعت کے ذریعہ رائج ہوتی ہے، اسی طرح عوامی زبان استعمال سے رواج پذیر ہوتی ہے،

مصر و شام کی اسّی برس پہلے کی عامی زبان پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو جائے گا کہ اب سے پہلے مدرسین، خطبا، معلّمون اور طالب علموں کی زبان پر کس قدر مبتذل الفاظ چڑھے ہوئے تھے، اور آج نہ صرف ان کے قلم و زبان بلکہ عوام اور ان پڑھ لوگوں کی زبانوں تک پر کس قدر فصیح الفاظ آگئے ہیں، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اتنی مدت میں عربی زبان نے ترقی کے کتنے مدارج طے کیے، اسی اندازے سے مستقبل میں اور زیادہ ترقی ہوگی، کیونکہ ابتدائی دور میں ترقی کی رفتار سست ہوتی ہے، اور اس کے بعد اس کا قدم تیزی سے بڑھتا ہے، اور تاسیس و تعمیر کا دور ہمیشہ بار آوری کے دور سے زیادہ سخت ہوتا ہے، جس زبان کی تر و تازگی صدیوں کی جہالت اور عرب ملکوں کی عجمی حکمرانوں کی طویل محکومی کے ہاتھوں کھو چکی ہو اسکو دوبارہ زندہ کرنا آسان نہیں ہے، باوجودیکہ عجمی حکومتوں کی مذہبی زبان بھی عربی تھی، لیکن وہ اپنے انتہائی قومی تعصب کی وجہ سے عربی زبان کی پستی و انحطاط سے خوش ہوتی تھیں، اور انھوں نے قومیت و وطنیت کا مقصد و مفہوم یہ سمجھا تھا کہ جو چیز اس میں خارج ہو اسکو ختم کر دیا جائے، اس لیے انھوں نے اپنے زعم میں اپنی زبان کو عربی سے پاک کرنے کی کوشش کی، اگر ان کا یہ مزعومہ عمل تطہیر پورا ہو جائے تو ان کی پست اور حقیر زبانوں میں مفردات کے علاوہ کیا رہ جائے گا[1]،

بعض اہل یورپ جو مسلمانوں کے مسائل میں بدنیتی سے بحث و نظر کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ عرب اپنے تمام اوضاع و اطوار و خصوصیات بالکل بدل دیں، ان میں سے بعض

[1] غالباً اس سے مراد ترک ہیں " م "

کا گمان ہے کہ عربی زبان مین کبھی علم و تمدن کی زبان بننے کی صلاحیت نہین پیدا ہوئی، اسلیے عربون کو چاہیے کہ وہ زبان کے سارے اسلوب بدل دین، اور ہر خطہ کے باشندے عوام کی زبان کو جوان مین رائج ہو اختیار کر لین، یہ لوگ اس حقیقت سے واقف ہین کہ ہر قوم کی خاص اصطلاحات ہوتی ہین، اور وہ اپنے ماضی کے سہارے زندہ رہتی ہے، بلکہ اسی کا تکملہ ہوتی ہے، اس لیے ماضی سے کس طرح تعلق منقطع کر سکتی ہے،، ان کی یہ رائے بھی کہ عربی زبان مین فنی اصطلاحات کی گنجایش نہین ہے، ایک باطل دعوی ہے، اسکی تردید کے لیے وہ علمی تصانیف کافی ہین جو مصر، شام، عراق اور تونس وغیرہ سے نکلتی رہتی ہین "کتاب لغات العالم" کا مصنف لکھتا ہے کہ "فصیح عربی زبان یعنی قدیم ادبی و علمی زبان جو قرآن کی زبان ہے، تاریخ کی اہم ترین زبانون مین سے ہے اسکے مولفین کی اتنی کثرت ہے کہ انکا شمار نہین کیا جا سکتا، وہ اسلام سے پہلے اور اسکے بعد دونون زمانون مین شعر کہتے تھے، انھون نے بہت سی قرآن کی تفسیرین اور حدیث و عبادات (اس سے مراد غالباً فقہ ہے) کی بہت سی تصانیف چھوڑین، اور تاریخ، لغات خالص علمی کتب، قصص و حکایات مختلف النوع حالات و واقعات، سفرنامے وغیرہ ہر موضوع پر اور تالیف و تصنیف کی ہر قسم پر بے شمار کتابین لکھین"۔

عربی زبان مین بہت سی بولیون کے پیدا ہو جانے کا سبب یہ ہے کہ اسکے بولنے والے خطے بہت دور دور تھے، اور انکے درمیان وحدت کا رشتہ ٹوٹ گیا تھا، اور جیسا کہ جاحظ نے لکھا ہے کہ "مختلف اسلامی ملکون کے باشندے اس زبان مین باتیں کرتے تھے جو ان مین عرب لائے تھے، اسلیے مختلف ملکون کی عربی زبان کے الفاظ مختلف ہو گئے، لیکن اگر فصیح عربی زبان کو مدار و معیار رکھا جائے تو بولیون کی کثرت اور ان کے اختلاف سے زیادہ نقصان نہین پہنچ سکتا، اور عامی زبان اس سے قریب تر ہوتی جائے گی، عربون کی جہالت البتہ زبان کے لیے مضر ہے۔

آٹھوان باب

اسلام کے دورِ شباب مین یورپ کی حالت

انگریزی اور فرانسیسی ملکون کی وحشت و بربریت

اس زمانہ مین جبکہ عرب عقل و عمل کی لذتون سے بہرہ یاب تھے، اور بلند و برتر زندگی کی مسرتین ان کو زیادہ سے زیادہ حاصل تھین، اور ہر ملک کے متمدن اور غیر متمدن باشندے خواہ وہ ملک مسلمانون کے قبضہ مین رہے ہون یا نہ رہے ہون ان کی سطوت سے ڈرتے تھے، اور مسلمان ایک ایسی قوم کی تعمیر مین منہمک تھے جو علوم و آداب کی حامل ہو، جس کی ترقیان و اقدامات نمایان ہون اور جو ترقی یافتہ حکومتون کے مالک ہو، اہل یورپ بالکل وحشی اور جاہل تھے، وہ نہ آرام و راحت کے مزے سے واقف تھے، نہ زندگی کی آسودگیون سے لذت آشنا، نہ امن و امان کا نام جانتے تھے، اور نہ نظم و تنظیم کا، نہ ان مین ایسے بادشاہ تھے جو عدل و انصاف و قیام امن مین اپنے فرائض سے واقف ہون، وہ زندگی کے ہر شعبہ مین وحشت و بدوات سے زیادہ قریب تھے،

اینگلو سکسن انگلینڈ کی سرزمین ساتوین صدی سے لیکر دسوین صدی تک بالکل بےخبر و بےمایہ تھی، اس کا دوسرے ملکون سے کوئی علاقہ نہ تھا، وہ ایک بے ہنگم و وحشی ملک تھا، اس کے باشندے نشیبی زمینون مین بن گڑھے پتھرون کے مکانات بناتے تھے، اور اوپر سے مٹی تھوپ دیتے تھے، مکانون مین ہوا کے منفذ بہت تنگ ہوتے تھے، ان کے بند رکھنے

کی کوئی قابل اعتماد صورت نہ تھی، ان کے اصطبل اور مویشی خانون کی باڑھ مین کوئی روزن اور جھروکہ نہ ہوتا تھا، جس کی وجہ سے بیماریان اور وبائین مویشیون کا جو مالک کی آمدنی کا تنہا ذریعہ تھے، خاتمہ کردیتی تھین. رہائش کی آسایش اور امن وامان کے لحاظ سے انسان حیوانون سے زیادہ بہتر حالت مین نہ تھے، قبیلہ کا سردار اپنے خاندان اور ملازمون اور متوسلین کے ساتھ ایک جھونپڑے نما مکان مین زندگی بسر کرتا تھا، سب کے سب ایک بڑے دالان مین دھنسے رہتے تھے، جس کے وسط مین آتشدان ہوتا تھا، اور اس کا دھوان چھت کے ایک بھونڈے شگاف سے نکلتا تھا، سب کے سب ایک دسترخوان پر کھاتے تھے، صاحب خانہ اور اس کی بیوی دسترخوان کے ایک کنارہ بیٹھتے تھے، اس زمانہ مین کانٹے چھری کا وجود نہ تھا، پیالون مین دستے لگے ہوئے تھے، اور ہر مہمان اپنا پیالہ اپنے ہاتھون سے تھامے رہتا تھا، اور اس کو اکبارگی منہ مین انڈیل لیتا تھا، گھر کا مالک شام کے وقت اپنی اٹاری مین چلا جاتا تھا، کھانے کے بعد سب شراب پی کر بدمستی کرتے تھے، اس کے بعد میز وغیرہ اٹھا لیجاتی تھی، اور سب کے سب ایک ساتھ ایک ہی کمرے مین زمین یا چبوترے پر سو رہتے تھے. ہر شخص اپنے ہتھیار اپنے سرہانے رکھتا تھا، چور اس قدر تھے کہ ان کے ڈر سے ہر شخص ہر وقت اپنی حفاظت کا سامان رکھنے پر مجبور تھا،

اس زمانہ مین سارا یورپ گھنے جنگلون سے بھرا ہوا اور زراعت مین بہت پیچھے تھا، گندے جوہڑون سے جو شہرون کے کنارے تھے نہایت مہلک قسم کے بخارات اٹھتے تھے جو انسانون کو تباہ و برباد کردیتے تھے. پیرس اور لندن مین لکڑی اور بانس کے کھپاچون کے گھر بنائے جاتے تھے، جن کو اوپر سے مٹی اور بھوسے سے لیپ دیا جاتا تھا، ان مین نہ روشنی کا انتظام ہوتا تھا، نہ گرمی پہنچانے کا. بستر سے وہ ناواقف تھے. بھوسا اور پیال ان کا بستر تھا، اسی کو بچھا کر پڑ رہتے تھے، صفائی اور پاکیزگی کے نام تک سے آشنا نہ تھے، جانورون کی اوجھڑی اور آنتین اور باورچیخانہ

کاکوڑا کرکٹ گھرون کے سامنے ڈالدیتے تھے، جس سے نہایت تکلیف دہ بدبو پھیلتی تھی، پورا خاندان مرد عورتین اور بچے سب ایک ساتھ مل کر ایک کمرے مین سوتے تھے، اکثر گھریلو جانور بھی گھر والون کے ساتھ ہی رہتے تھے، تخت یا چارپائی نام تھا، بھوسا بھرے گدون کا، جس کے اوپر جانورون کے بالون کا ایک نمدا ہوتا تھا، جس کو وہ توشک یا بستر کے طور پر استعمال کرتے تھے، چلنے کیلیے نہ پختہ سڑکین تھین نہ نالیان اور نہ روشنی، ڈریپر کا بیان ہے کہ یورپ مین جہالت عام تھی اور اوہام چھائے ہوئے تھے، بیماریون کا علاج مقاماتِ مقدسہ کی زیارت تھی، طب مردہ ہو چکی تھی، اور جعل سازون کے پھندے اور ہتھکنڈے زندہ تھے، جب کسی مقام پر وبا پھوٹ پڑتی تو علماء و مشائخ نماز کی پناہ لیتے اور صفائی کیجانب کوئی توجہ نہ کرتا، اس سے وبائین آبادی کو بری طرح تباہ و برباد کر دیتین، اس لیے یورپ مین بار بار وبائین پھیلین جن مین لاکھون آدمی تقمۂ اجل بنگئے،

گیارہوین صدی مین قدیم دنیا دو تہذیبون مین تقسیم تھی، ایک مغرب کی دوسری مشرق کی مغرب کی تہذیب کا یہ حال تھا کہ نہایت چھوٹے حقیر شہر اور کسانون کے جھونپڑے بنے تھے قلعون کو فن تعمیر سے کوئی علاقہ نہ تھا، ملک مین دائمی جنگ و جدال سے ہمیشہ بےچینی برپا رہتی تھی، بدامنی ایسی تھی کہ کوئی راہ گیر اور مسافر دس کوس بھی لٹے ہوئے بغیر نہین چل سکتا تھا، اسکے مقابلہ مین مشرق کی تہذیب یہ تھی کہ یہان قسطنطنیہ، قاہرہ، دمشق اور بغداد جیسے عظیم الشان شہر تھے، جن کی تصویریں الف لیلہ و لیلہ مین نظر آتی ہین، ان شہرون مین سنگ مرمر کے بڑے بڑے قصر و ایوان، کارخانے، مدرسے، بازار اور تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر بڑے بڑے باغ و چمن تھے، ان کی سرزمین نہایت سرسبز و شاداب اور قریون اور جائدادون سے معمور تھی، تجارت کا بازار گرم تھا، تاجر پورے امن و امان کیساتھ اسپین سے لیکر فارس تک آتے جاتے تھے،[2]

[1] لامنس رامبو کی تاریخ عام [2] مکسیم پٹی کی تاریخ عام

سینیبو بوس کا بیان ہے کہ بلا شک وشبہہ اسلامی اور بزنطینی دنیا یورپی دنیا سے زیادہ دولت مند، منظم و مرتب اور روشن و منور تھی، عیسائی اپنی تہذیبی کمی کو محسوس کرتے تھے، اور مشرق کے عجائبات کو بڑی حیرت سے دیکھتے تھے، جو شخص تعلیم حاصل کرنا چاہتا وہ عربی تعلیم گاہون کا رخ کرتا، گیارہوین صدی سے مشرقی و مغربی دنیا کا تعارف شروع ہوا، اور وحشی نصارٰی مہذب اور متمدن مسلمانون کے ممالک محروسہ مین جنگ و تجارت کی راہ سے داخل ہوئے، اور پانچوین صدی ہجری مین جب صلیبیون نے سرزمین مشرق مین قدم رکھا تو بزنطینی علاقے قدس و شام وغیرہ، اسلامی ملکون کے بڑے بڑے آباد، منظم و مرتب شہرون کو دیکھکر متحیر ہوگئے، کیونکہ وہ چھوٹے چھوٹے قریون اور بے حقیقت عبادت گاہون کے علاوہ بڑے شہرون سے واقف ہی نہ تھے، [1]

یورپ کی جہالت اور اسکے ملکون کی وحشت و بربریت

جس زمانہ مین یورپ کا سب سے بڑا اور ہارون رشید کا معاصر بادشاہ شارلیمان جو پورے فرانس، جرمنی اور شمالی اٹلی کا حکمران تھا علم و دانشمندی کے مقابلہ مین جہالت سے زیادہ قریب تھا، اس زمانہ مین بغداد اور قرطبہ کے عرب علماء فلسفہ اور دوسرے مادی اور ادبی علوم مین ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتے تھے، اور منصور عباسی کے لیے عجمی زبانون کی کتابین ترجمہ کی جارہی تھین، اور کلیلہ و دمنہ، سندھ ہند، ارسطاطالیس کی منطقیات، اقلیدس اور ارثماطیقی کی کتابین یونانی، پہلوی، فارسی اور سریانی وغیرہ سے ترجمہ ہو رہی تھین، جنھین پڑھکر عام لوگ بھی فائدہ اٹھاتے تھے، بنی عباس کے ابتدائی نامور خلفاء کو دوسری قومون کے علوم اور جدید و قدیم فلاسفہ اور مقننون کے افکار و خیالات سے بڑی دلچسپی تھی، انکی مجلسون مین مختلف النوع عقلی و نقلی علوم کے اصول و فروع پر مباحثے ہوتے تھے،

[1] تاریخ تمدن سینیبو بوس

عربون مین مامون عباسی جیسا خلیفہ پیدا ہوا عقلی و علمی لحاظ سے جس کے ٹکر کا یورپ مین کوئی حکمران نہین تھا، اس نے قیصر روم کو مغلوب کر کے کے بعد اس سے کتابین مانگ بھیجین، اس کی مثال قدیم اور جدید کسی زمانہ کے حکمران مین نہین مل سکتی کہ کسی فاتح بادشاہ نے اپنے مفتوح دشمن سے اس قسم کی درخواست کی ہو، اس سے اس کے مرتبے کا اندازہ ہوتا ہے، فران لکھتا ہے کہ مامون کے زمانہ مین لوگ علمی و وجدانی آزادی کی نعمت سے متمتع تھے، اس کا عہد عربون مین ایسا ہی تھا جیسا ایتھنز مین ہرکلیس کا اور روم مین اگسٹس کا، عین اسی زمانہ مین شارلیمان نے حصول تعلیم کی جانب توجہ کی، وہ ان غیر تعلیم یافتہ لوگون کی طرح جو کبھی کبھی لکھی ہوئی سطرون پر نگاہ ڈال لیتے ہین، ادب سے بہت معمولی دلچسپی رکھتا تھا، اور اس کے زمانہ کا ادب آجکل کے مکتب کے بچون کے ادب اور ان کی مشقون سے زیادہ نہ تھا، درحقیقت گال مین کوئی چیز ادب کے مشابہ تھی ہی نہین، انھون نے کبھی کوئی کتاب یا تاریخ نہین لکھی، ضروری سرکاری تحریرین مثلاً معاہدے، ہبہ نامے اور وصیتین وغیرہ بربری لاطینی مین لکھی جاتی تھین، جس کا رسم الخط ایسا ناقص تھا کہ اس کا پڑھنا مشکل ہوتا تھا، قرون وسطیٰ کے اثرات تعلیم و تہذیب مین اونچے طبقہ اور کسانون مین کوئی فرق و امتیاز نہین رکھتے تھے، بڑے بڑے قائد اور رہنما ان پڑھ تھے، ان کی زندگی کا مقصد صرف شراب نوشی، کھانا، شکار اور جنگ جوئی تھا، وہ فطرۃً نہایت اجڈ، تند خو، اور درشت مزاج ہوتے تھے، رچرڈ شیر دل نے جو یورپ مین شجاعت کی مثال سمجھا جاتا ہے، دو ہزار پانسو (۲۵۰۰) عرب قیدیون کو قتل کیا، اور بیدردہ بہادرون کی جن پر بادشاہ اگسٹس کے خلاف جنگ بھڑکانے کا الزام تھا، آنکھین پھوڑ دیئیں، یہ لوگ اکثر عورتون تک کی آنکھین پھوڑ دیتے تھے، اور ان کی ناکین کاٹ لیتے تھے، اس قسم کی سنگدلی اور بربریت چودھوین بلکہ پندرھوین صدی تک قائم رہی، اسی وحشیانہ زندگی نے یورپ کے

سورماؤن کو نہایت سنگدل اور درشت مزاج بنا دیا تھا، وہ معمولی معمولی باتون پر لڑ پڑتے تھے، اور جس کا مقصد صرف لوٹ مار ہوتی تھی. بعض سوار گذرگاہون پر کھڑے ہو جاتے اور جو تاجر نکلتے ان کو لوٹ لیتے. اور ان سے روپیہ حاصل کرنے کے لیے ان کو قید کر کے طرح طرح کی اذیتین دیتے. ان کے یہان امن وامان کا نام ہی نہ تھا.

شارلیمان کے زمانہ مین بلکہ اس کے بعد ایک عرصۂ دراز تک گال سے عمومی تہذیب کا اہتمام ہی اٹھ گیا تھا[1]، اور تنہا لاطینی زبان جو انتہا درجہ کی ناقص تھی. تحریری زبان رہ گئی تھی، اور کاتب کبریت احمر سے زیادہ نادر ونایاب تھے، جن لوگون مین علم کی طلب اور اسکا شوق بھی تھا وہ محض اس حد تک کہ توریت پڑھ اور اپنی پرانی مذہبی کتابون کو دیکھکر سرکاری تمسکات اور دستاویزین وغیرہ لکھ لین، باقی ان کے اور تمام کرتوت انتہا درجہ کے لغو اور وحشیانہ تھے"

رابرٹسن[2] کا بیان ہے کہ "ایسے بہت سے قوانین اور دستاویزین ملی ہین، جو درجہ اول کے اعیان واشراف کی جانب سے لکھی گئی تھین، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سب کے سب ان پڑھ تھے، اسی لیے وہ اس قسم کی دستاویزون پر صلیب کا نشان بنا دیتے تھے، سلطنت کا چیف جسٹس ہر یون ان پڑھ تھا، چودھوین صدی مین فرانسیسی فوجون کا سپہ سالار اعظم دجلیین جو اپنے عہد کا سب سے بڑا آدمی تھا، جاہل مطلق تھا، اس زمانہ مین جو شخص سلطنت کا عہدہ چاہتا، اس کے لیے صرف اتنا کافی تھا کہ انجیل اور انبیاء کے رسائل پڑھ لے اور بغیر پورے جملہ کی تشریح کے صرف الفاظ کے معنی بتا سکے، اس زمانہ مین کتابین نادر الوجود تھین، اور گرجون کی چار دیواری سے باہر نہین نکل سکتی تھین، پندرہوین صدی مین طباعت کی ایجاد کے بعد یورپ جہالت سے نکل سکا، قزوینی نے لکھا ہے کہ "عرب تاجر عنبر کی تلاش مین شلشویق (موجودہ

[1] بربر لولس ہالپین [2] رابرٹسن کی تاریخ شارلکان،

ڈنمارک کا ایک مقام) گئے تھے، وہان کے باشندون کے متعلق ان کا بیان ہے کہ وہ بالکل وحشی ہین ننگے رہتے ہین، اور چمڑے کے ٹکڑون سے ستر پوشی کرتے ہین۔[1]

یہ تو مغربی یورپ کا حال تھا، مشرقی کا حال اس سے بھی ابتر تھا، یہان کے باشندے مطلق وحشی تھے، اور روس کی تاریخ تو نوین صدی عیسوی مین بھی شروع نہین ہوسکی تھی، اور یہ وسیع علاقہ صقلبی قبائل کا آماجگاہ تھا، تاتاری ان پر مسلط ہوکر ان کو طرح طرح کی اذیتین دیتے تھے، بلکہ روس مین اس کے بعد بھی کئی صدیون تک جہالت کا دور دورہ رہا، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس مسئلہ کے اختلاف پر کہ "اشارہ سے صلیب کا نشان بنانے مین کتنی انگلیان استعمال کرنی چاہئین"، مدتون خانہ جنگی برپا رہی[2]، روس درحقیقت اپنے مصلح پیٹر اعظم کے عہد اٹھارہوین صدی سے پہلے جہالت کی تاریکی سے نہین نکل سکا، یہی حال اٹلی کے علاوہ یورپ کے باقی تمام ملکون کا تھا، جب شمال کے بربرنے اٹلی سے رومن تمدن کا خاتمہ کیا تو ان کی بعض پرانی یادگارین اور عمارتین باقی رہ گئین، جنھون نے ان کے اخلاف مین ترقی کا ولولہ پیدا کیا، اس طرح چند صدیون کے بعد ان مین ترقی کی لہر پیدا ہوئی، اور چودہوین صدی مین اس کی روشنی یورپ کے بڑے حصہ مین پھیل گئی،

عرب ممالک اور یورپین ملکون کا موازنہ

عربون کے عروج کے زمانہ مین یورپ پر پاپاؤن کا تسلط تھا، وہ اپنی خواہش نفس سے جو چاہتے تھے کرتے تھے، اور انسانون کے جسم و روح دونون پر ان کی حکومت تھی، اور بقول ڈوزی لوگ جہالت کے اندھیرے مین سرگردان تھے، ان کو صرف سوئی کے ناکہ سے روشنی کی کرن نظر آتی تھی، اور علم و فن، ادب و فلسفہ، صنعت و حرفت اور دستکاری وغیرہ کا نور مسلمانون کی سمت ظاہر ہوتا تھا،

---

[1] آثار البلاد قزوینی [2] بنتھم کی اصول شرائع [3] تاریخ اسپین ڈوزی

بغداد، بصرہ، سمرقند، دمشق، قیروان، مصر، فاس، غرناطہ اور قرطبہ وغیرہ علم کے بڑے بڑے مرکز تھے، اور یورپ کے وہ پایہ تخت جو آج متحیر کردیتے ہین، اس زمانہ مین ان کی حیثیت قریہ سے زیادہ نہ تھی، ان مین نہ علم تھا نہ آبادی اور نہ تہذیب، وہ علمی و مادی ہر حیثیت سے بہت پیچھے تھے، اور اسلامی ملکون مین کوئی مدرسہ، کوئی جامع مسجد اور کوئی بڑا گھرانہ ایسا نہ تھا جس مین کتب خانہ موجود نہ ہو، جو ہر مطالعہ کرنے والے کے لیے کھلا رہتا تھا، حالانکہ اس زمانہ مین قلمی کتابین نایاب تھین، ان کتب خانون مین علماء کا اجتماع ہوتا، اور وہ خود پڑھتے، دوسرون کو درس دیتے اور علمی بحث و مذاکرے کرتے جس مین مرد عورت سب حصہ لیتے، تمام شہرون بلکہ قریون تک خصوصاً اندلس مین ہر طالب علم کے لیے مدرسے موجود تھے، ایک دوسرے فرنگی مورخ کا بیان ہے کہ "اس زمانہ مین جب نصرانی یورپ کا اونچا طبقہ تک ان پڑھ تھا، اور صرف بعض پادری لکھنا پڑھنا جانتے تھے، جنھون نے اس کو خاص اپنا فن بنا رکھا تھا، اسلامی اندلس کی آبادی کا بڑا حصہ لکھا پڑھا تھا،" رابرٹسن لکھتا ہے کہ "پندرہوین صدی کے آغاز مین اسپین کے بہت سے شہر اٹلی اور بلاد القاع کے علاوہ باقی یورپ کے تمام شہرون سے زیادہ آباد تھے، اور عربون نے اپنے دور حکومت مین اندلس کے شہرون مین بہت سے کارخانے قائم کیے اور عمارتین بنوائین"

اسلامی ممالک علمی مجالس سے معمور رہتے تھے، جن مین ہر مذہب وملت کے علماء شامل ہوتے تھے، اور اس مین مذہب کا لحاظ نہین کیا جاتا تھا، بلکہ صرف کمال کو دیکھا جاتا تھا، خلفاء، سلاطین اور امرا اپنے محلون مین علماء کا اجتماع اور مختلف علوم وفنون پر مباحثے کرتے تھے، ان کی کوئی مجلس اہل علم سے خالی نہین ہوتی تھی، حاضرین خاموشی کے ساتھ ان سے استفادہ کرتے تھے بعض سلاطین لڑائیون تک مین علماء کو ساتھ لیجاتے اور سفر مین ایک چھوٹا سا کتب خانہ ساتھ رکھتے تھے، ان پر علم کا ذوق اتنا غالب تھا کہ وہ علمی مباحثہ ومذاکرے کو کسی حال مین بھی نہین چھوڑ سکتے تھے،

اس قسم کے اہل علم سلاطین مین اندلس مین منصور بن ابی عامر اور بغداد مین مامون بیسیون مین دو مثالین ہین،

گبن مشرق و مغرب مین مسلمانون کی علمی خدمات پر بحث کرتے ہوے لکھتا ہے کہ "علم و علماء کا مرتبہ بلند کرنے علمی ادارون پر فیاضی سے خرچ کرنے اور نادار طالب علمون کی مدد کرنے مین صوبون کے گورنر اور وزراء، خلفاء پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتے تھے جس سے علم کا ذوق بہت پھیل گیا، اور سمرقند و بخارا سے لیکر فاس اور قرطبہ تک لوگون کو تحصیل علم مین لطف آنے لگا، ایک . بادشاہ (ملک شاہ سلجوقی) کے وزیر نظام الملک نے بغداد مین مدرسۂ نظامیہ کے قیام و تعمیر مین دو لاکھ اشرفیان صرف کین، اور پندرہ ہزار سالانہ اشرفی کی جائداد اس کے مصارف کے لیے مقرر کی، اس مدرسہ مین چھ ہزار طلبہ تعلیم پاتے تھے، جن مین بڑے بڑے اراکین سلطنت کے لڑکے بھی تھے اور غریب پیشہ ورون کے بھی، ان دونون مین صرف یہ فرق تھا کہ امراء کے لڑکے اپنے والدین کے صرف سے تعلیم حاصل کرتے تھے اور غریب طالب علمون کی کفالت مدرسہ کی جائداد سے ہوتی تھی، اساتذہ اور معلمون کو معقول مشاہرے ملتے تھے،

سلاطین اور خلفاء کی علماء نوازی کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اندلس کا نامور اموی خلیفہ عبدالرحمن ثالث (۳۰۰ - ۳۵۰) جو سلاطین مین سب سے بڑا عالم، علوم و آداب و صنعت و حرفت و تجارت کا بڑا سرپرست اور تلوار و قلم دونون کا دھنی تھا، اس کے اور جس کے اخلاف کے کارنامون کے بدولت اسپین قرون وسطی مین سب سے زیادہ متمدن اور منظم ملک بن گیا تھا، اس نے اندلس کا مشہور قصر الزہرا تعمیر کرایا اس کی تعمیر و استحکام اور اس کے قصر و ایوان کی خوبصورتی اور تزئین و آرایش مین اس کو اتنا انہاک ہو گیا تھا کہ وہ کچھ دنون تک جمعہ کی نماز مین نہ جاسکا

ایک دن جب وہ گیا تو قاضی منذر بن سعید بلوطی نے جو قرطبہ میں جمعہ و جماعت کے قاضی تھے، عبدالرحمن
کی تنبیہ کے لیے ایک خطبہ دیا، جس کا آغاز قرآن مجید کی اس آیت سے کیا

اتبنون بکل ریع اٰیۃ تعبثون
وتتخذون مصانع لعلکم تخلدون
واذا بطشتم بطشتم جبارین
فاتقوا اللہ واطیعون واتقوا
الذی امدکم بما تعلمون
امدکم بانعام وبنین وجنات
وعیون انی اخاف علیکم عذاب
یوم عظیم
(شعراء ۔۷)

کیا تم ہر اونچے مقام پر یادگار بناتے ہو جس کو
محض فضول بناتے ہو اور بڑے بڑے محل بناتے
ہو جیسے دنیا میں تم کو ہمیشہ رہنا ہے، اور جب
کسی پر دار و گیر کرنے لگتے ہو تو بالکل جابر بن کر
دار و گیر کرتے ہو سو تم اللہ سے ڈرو اور میری
اطاعت کرو اور اس سے ڈرو جس نے تمھاری
ان چیزوں سے امداد کی ہے جسکو تم جانتے ہو، مویشی
بیٹوں، باغوں اور چشموں سے تمھاری امداد کی، مجھکو
تمھارے حق میں ایک بڑے سخت دن کے عذاب کا اندیشہ ہے،

اس کے بعد عمارتوں کی تعمیر، ان کی تزئین و آرائش اور روپیہ کے اسراف کی مذمت کر کے
یہ آیت تلاوت کی.

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَہٗ عَلٰی تَقْوٰی
من اللہ ورضوان خیر ام من اَسَّسَ
بنیانہ علی شفا جرف ہار فانہار
بہ فی نار جہنم واللہ لا یہدی
القوم الظالمین لا یزال بنیانہم
الذی بنوا ریبۃ فی قلوبہم

پھر آیا ایسا شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت (یعنی
مسجد کی بنیاد خدا سے ڈرتے اور خدا کی خوشنودی
پر رکھی ہو یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد
کسی گھاٹی کے کنارے جو گرنے کے قریب ہو
رکھی ہو پھر وہ (عمارت) اسکے بانی کو لیکر آتش دوزخ
میں گر پڑے اور اللہ ایسے ظالموں کو دین کی سمجھ

إِلَّآ أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ

ہی نہین دیتا انکی یہ عمارت جو انھون نے بنائی ہو ہمیشہ انکے دلون مین کانٹا سا کھٹکتی رہیگی مگر انکے دل ہی فنا ہو جاوین تو خیر اور اللہ تعالیٰ بڑی علم اور بڑی حکمت والا ہے

(ترجمہ)

اسی طرح کی اور بہت سی تخویف و ترہیب اور وعظ و پند کی باتین کہین، ان کو سنکر خلیفہ اور سارے نمازی زار و قطار رونے لگے، مسجد سے واپسی کے بعد عبدالرحمن نے اپنے لڑکے حکم سے قاضی منذر بن سعید سے اس تنبیہ کی شکایت کی اور قسم کھائی کہ آیندہ سے ان کے پیچھے نماز نہ پڑھے گا، حکم نے باپ سے کہا کہ قاضی منذر کو ہٹا کر ان کی جگہ کسی دوسرے کو آپ کیون نہین امام بنا دیتے. گو عبدالرحمن کو قاضی صاحب کی تلخ نصیحت سے تکلیف پہنچی تھی، لیکن اسکا دل حق پرست تھا، اس نے حکم کو ڈانٹا اور کہا کہ قاضی منذر بن سعید کے جیسے عالم فاضل متقی اور حلیم کو ایک گمراہ نفس کی خواہش اور رضامندی کے لیے معزول نہین کیا جا سکتا، مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ اس کے اور میرے درمیان نماز جمعہ کے بارہ مین قاضی منذر جیسا شخص سفارشی نہ ہو اگرچہ انھون نے مجھ پہ بڑی کاری ضرب لگائی ہے، مگر کاش مین اپنی قسم کے کفارہ مین اپنا پورا ملک دے سکتا، وہ میری اور اپنی زندگی مین برابر نماز پڑھاتے رہین گے، ان کا کوئی بدل نہین ہو سکتا۔

اس زمانہ مین جب سارا یورپ اپنے بادشاہون، پاپاؤن اور بڑے لوگون کا غلام تھا اور کوئی شخص ان کے کسی فعل پر تنقید اور کسی سیاست پر اعتراض کی جرأت نہین کر سکتا تھا، نامورانِ اسلام خلفاء کو علانیہ نصیحت کرتے تھے، اور ان کی سطوت اور مواخذہ سے مطلق نہ ڈرتے تھے اس کی ایک معمولی مثال یہ ہے کہ ایک مرتبہ منصور عباسی جیسے جلیل القدر خلیفہ کو ایک بزرگ نے برملا یہ تلخ باتین سنائین کہ تمھاری جیسی طمع کسی انسان مین نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنے

بندون کے معاملات کا نگہبان بنایا ہے، اور تم نے اس مین غفلت کی، ان کا مال سمیٹنا مقصد بنا لیا، ان کے اور اپنے درمیان اینٹ اور چونے کا پردہ اور لوہے کے پھاٹکون اور مسلح سپاہیون کی دیوار کھڑی کر دی، اور اس حصار مین بیٹھکر اپنے کو ان سے بالکل الگ کر لیا، تم نے خراج کی تحصیل وصول اور اس کو جمع کرنے کے لیے عمال بھیجے، تم نے حکم دیدیا کہ فلان فلان مخصوص لوگون کے علاوہ کوئی شخص تمھارے پاس پھٹکنے نہ پائے، تم نے مظلومون، مصیبت زدون اور ننگے بھوکون کو آنے کی اجازت نہین دی، اس مال مین جو تمھارے پاس ہے، ہر رعایا کا حق ہے، جب تمھارے ان ندیمون اور خواص نے جن کو تم نے اپنی ساری رعایا پر ترجیح دے رکھی ہے اور جن کو تمھارے پاس آنے جانے کی ہر وقت اجازت ہے، دیکھا کہ تم مال وصول کر کے جمع کرتے ہو تو انھون نے خیال کیا کہ جب یہ شخص خدا کے مال مین خیانت کرتا ہے تو ہم کیون نہ کرین، اس وقت انھون نے یہ انتظام کیا کہ ان کی مرضی اور مقصد کے خلاف تمھارے پاس کوئی خبر نہ آنے پائے اور تم جو عامل مقرر کرو اس کو خائن ظاہر کر کے تمھاری نگاہ سے گرا دین جب تمھارے اور ان کے اس طرز عمل کی عام شہرت ہوئی تو لوگ ان سے ڈر کر ان کی مدارات کرنے لگے، اور سب سے پہلے تمھارے عمال نے ہدایا و تحائف اور نقد سے ان کی مدارات کی، تاکہ وہ اس کے ذریعہ رعایا پر ظلم کر سکین، اس کے بعد ملک کے صاحب ثروت و وجاہت طبقہ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا کہ وہ اپنے زیر دستون پر ظلم کر سکین، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کا ملک طمع کی وجہ سے ظلم و بغاوت اور فتنہ و فساد سے بھر گیا اور تمھارے یہ ندما، اور خواص تمھاری غفلت مین ملک و سلطنت مین تمھارے شریک و سہیم بن گئے، اور اب جب کوئی مظلوم و داد خواہ تمھارے پاس آنا چاہتا ہے تو یہ لوگ اس کو تمھارے پاس پہنچنے نہین دیتے، اگر تم یہ کہو کہ حکومت کے بقا و استحکام کے لیے دولت جمع کرتے ہو تو خدا نے بنی امیہ مین تمھارے لیے

عبرت کا سامان کر دیا ہے، جب خدا نے ان کو ختم کرنا چاہا تو سونے کے ڈھیر، فوج وسپاہ، اسلحہ وہتھیار اور سواریاں جن کو انھون نے اسی مقصد کیلیے جمع کیا تھا، مگر کوئی چیز انکو نہ بچا سکی، اور اگر یہ کہتے ہو کہ تم کسی ایسے مقصد اور درجہ کے حصول کے لیے روپیہ جمع کرتے ہو جو تمھارے موجودہ درجہ سے زیادہ بلند ہے، تو خدا کی قسم اس کے اوپر جو درجہ ہے وہ تمھاری موجودہ روش سے نہین بلکہ اس کے خلاف عمل کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے، (اس سے مراد زہد وورع کا درجہ ہے)

مسلمان دنیا مین اس طرح کے حاکم و محکوم تھے کہ بادشاہ حکومت کے کام انجام دیتے تھے، وعظ نصیحت کا فرض ادا کرتے تھے، اور رعایا امن وآزادی کے ساتھ مطمئن ومسرور زندگی بسر کرتی تھی، عرب اس زمانہ سے آزادی کی نعمت سے فائدہ اٹھاتے تھے، جب دوسری قومین اسکے نام تک سے واقف نہ تھین، اسی آزادی نے ان مین سیاست، فن جنگ، نظم وانتظام، علم وفن، صنعت وحرفت وتجارت، ہر شعبہ مین اتنے بڑے بڑے آدمی پیدا کیے جو ایک زمانہ کیلئے باعث فخر تھے، اس مختصر بحث مین ان سب کے نام گنوانے اور ان کی ذکاوت وذہانت، علمی کمالات، بلندی اخلاق اور حسن تدبیر وغیرہ کی تفصیل بیان کرنے کی گنجایش نہین ہے، ان کی سیرتون پر سرسری نظر ڈالنے سے اس کا اندازہ ہو جائے گا کہ ان کا مذہب تمدنی ترقی اور اس کے دلفریب مظاہر کے ظہور مین بھی کبھی حائل نہین ہوا، جس کا ہر واقف کار فریفتہ تھا، اور یورپ کے دور نہضت سے پہلے بہت کم اہل یورپ فضل وکمال مین مشرق ومغرب کے اموییون اور بعض عباسیون بلکہ طوائف الملوکی کے دور کے زمانہ کے چھوٹے چھوٹے حکمرانون تک کے درجہ کو پہنچ سکے اور یورپ مین بہت ہی کم لوگ صاحب بن عباد، ابن العمید، رکن الدولہ بن بویہ، منصور بن نوح سامانی، ابو القاسم محمود بن سبکتگین، صلاح الدین ایوبی، نور الدین زنگی، طغتگین اور منصور بن عامر وغیرہ سیکڑون مسلمان اکابر کے اوصاف وخصوصیات کے حامل تھے،

جنھون نے اپنے اعمال صالحہ سے اور لوگون کو ایسے صحیح راستہ پر چلا کر جس سے ان کو دین اور دنیا دونون کی سعادتین حاصل ہون، انسانیت کا چہرہ روشن کیا،

اس طویل مدت مین جب عرب دنیا کی تمام قومون مین سب سے زیادہ معزز اور ترقی یافتہ تھے، عربی اور اسلامی ملکون کی ترقیان پہلے اندلس، سسلی اور اٹلی کی راہ سے پھر صلیبیون کے ذریعہ اہل یورپ تک پہنچین اور انھون نے بھی اپنے ملکون مین ان کا نمونہ قائم کرنا چاہا، مگر یہ اس لیے ممکن نہ تھا کہ ان کی زندگی کے ہر شعبہ پر مذہبی پیشواؤن کا تسلط تھا، اور ان کے فوجی امرا، اور سلاطین تعمیر کے بجائے تخریب کا آلہ تھے، ان کے تمام کامون مین درشتی اور پوری سوسائٹی مین بدنمائی اور بھدا پن نمایان تھا، ان کی تہذیب بالکل ابتدائی حالت مین تھی، ان مین جب آگے بڑھنے کا کوئی محرک پیدا ہوتا تو رجعت کے وہ عوامل جو ان مین راسخ ہو گئے تھے، پھر ان کو پیچھے ڈھکیل دیتے،

یورپ پر عربون کے اثرات کے بارہ مین لیبان کی رائے

لیبان نے ایک صفحہ مین یورپ کے عبوری دور پر عربون کے اثرات کا بہت اچھا تبصرہ کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ "یورپ پر عربون کا بڑا اثر پڑا اور یورپ کی تہذیب کا سہرا ان ہی کے سر ہے، ان کے اثرات یورپ پر مشرق سے کم نہین تھے، صرف فرق یہ تھا کہ مشرقی ملکون مین مذہب، زبان اور صنعت و حرفت سب پر ان کے اثرات پڑے، اور مغرب مین مذہبی اثر نہین پڑا، آرٹ اور زبان سے بھی کم متاثر ہوئے، لیکن ان کے علم و ادب اور اخلاقی تعلیمات کا نہایت گہرا اثر پڑا، اسکا اندازہ اس کے بغیر نہین ہو سکتا جب تک یورپ کی اس زمانہ کی حالت کا تصور نہ کیا جائے، جب وہان تہذیب کی کرن پھوٹی تھی، جب ہم نوین اور دسوین صدی عیسوی پر جب اسپین مین اسلامی تمدن کا شباب تھا نظر ڈالین تو معلوم ہوگا کہ سارے یورپ مین علمی مرکز عبارت تھے

چند برجون سے جن مین ایسے نیم وحشی سردار رہتے تھے، جو اس جہالت پر فخر کرتے تھے کہ وہ لکھنا پڑھنا نہین جانتے اور علیسوی مذہب مین اونچا اور تعلیم یافتہ طبقہ جاہل اور فقیر راہبون سے عبارت تھا، جس کا سارا وقت حصولِ معاش اور کاغذ کی خریداری کے لیے قدیم کی کتابون کی نقل مین صرف ہوتا تھا، جو کتب عبادت کی نقل کے لیے ضروری تھا،

یورپ مین جہالت کا یہ دور اتنا طویل تھا کہ ان کو اپنی جہالت کا احساس بھی نہین رہ گیا تھا، ان مین گیارہوین صدی سے علم کا ابتدائی رجحان پیدا ہو سکا، بلکہ بارہوین صدی کہنا زیادہ صحیح ہے، اور جب بعض روشن دماغ لوگون نے جہالت کا بھاری کفن جس کے نیچے وہ دبے ہوئے تھے، پھاڑنے کی ضرورت محسوس کی، تو وہ بے تحاشا عربون کی جانب لپکے کیونکہ اس زمانہ مین تنہا انہی کو علم کی سیادت حاصل تھی، جیسا کہ عام طور سے مشہور ہے، یورپ مین علم جنگ صلیبی کی زمانہ سے نہین بلکہ اندلس، سسلی اور اٹلی کے راستہ سے داخل ہوا، اور ۱۱۳۰ء مین رئیس الاساقفہ ریمنڈ کی توجہ سے طلیطلہ مین ترجمہ کا پہلا مدرسہ قائم ہوا، اور عربون کی مشہور تصانیف کا لاطینی زبان مین ترجمہ ہونے لگا، ان ترجمون سے بڑی کامیابی حاصل ہوئی، اور یورپ کو ایک نئی دنیا نظر آئی. جس کا سلسلہ بارہوین صدی سے چودہوین صدی تک برابر جاری رہا، اور اس سلسلہ مین محض رازی، ابو القاسم، ابن سینا اور ابن رشد ہی کی کتابین نہین ترجمہ کی گئین، بلکہ جالینوس، بقراط، افلاطون، ارسطو، اقلیدس، ارشمیدس، بطلیموس وغیرہ کی کتابون کا لاطینی ترجمہ بھی عربون کے عربی ترجمہ سے کیا گیا،

لکرک نے طب عربی کی تاریخ مین تین سو عربی کتابین شمار کرائی ہین جن کا لاطینی مین ترجمہ کیا گیا، اس طرح قرونِ وسطی پیروانِ محمدؐ ہی کے ذریعہ تہذیب و تمدن سے آشنا ہوا

بعض قدیم کتابین جن کی اصل دستبرد زمانہ سے ضائع ہوگئی تھی، عربی ترجمون ہی کے ذریعہ یورپ پہنچین اس لیے قدما سے واقفیت کا سہرا درحقیقت عربون کے سر ہے، ان راہبون کو اس سے تعلق نہین ہے جو یونانی زبان کے وجود تک ناواقف تھے، اس قیمتی علمی خزانہ کے تحفظ کی وجہ سے ساری دنیا عربون کی زیر بار احسان رہے گی، لیبٹری لکھتا ہے کہ "اگر عرب تاریخ سے نکال دیے جاتے تو یورپ علمی ترقی مین صدیون کے لیے پچھڑ جاتا"

لیبان ایک دوسرے مقام پر لکھتا ہے کہ "اسپین اس زمانہ مین عربون کی بدولت ایک بلند تہذیب سے متمتع ہوا، جب سارا یورپ سخت وحشت مین مبتلا تھا، اگر وہ عربون کے جھنڈے کے نیچے چلتا تو اس کا درجہ بہت بلند ہوجاتا، اور اگر اہل یورپ کے اخلاق نرم ہوتے تو وہ مذہبی لڑائیون، سان بارتھلمیو اور محکمۂ تفتیش جیسے خون آشام واقعات ومصائب مین مبتلا نہ ہوتے، جنھون نے صدیون یورپ کو خون کے دریا مین غرق رکھا، ایسے واقعات کا مسلمانون مین کوئی وجود نہین تھا...... ان تمام خطون کی تہذیب مین جہان جہان عربون نے قیام کیا، ان کا بڑا اثر رہا، البتہ فرانس کو اس سے کم حصہ ملا، جن جن ملکون مین رسول اللہ کا علم سایہ فگن ہوا، بڑی سرعت کے ساتھ ان کی کایا پلٹ گئی، اور ان مین علوم وفنون و ادب اور صنعت وحرفت وتجارت کا چمن لہلہانے لگا"

نوان باب

عربون کے مفتوحہ ملکون مین انکے اثرات

قیصر اور کسریٰ کے مقبوضہ ممالک کی بدحالی

ظہور اسلام سے پہلے ایرانی اور رومی حکومتون کے مقبوضہ ملک مسلسل لڑائیون، وباؤن اور قحط کی وجہ سے بالکل کمزور ہو رہے تھے، قیصر روم ہرقل نے ایران پر ایسی کاری ضرب لگائی تھی جس سے دونون کی قوت کمزور ہوگئی تھی، اور ایرانیون نے قیصر کے مقبوضات شام و مصر وغیرہ کو تباہ کر ڈالا تھا، دونون کی رعایا اپنے حکمرانون سے سخت ناراض اور ان کے جابرانہ احکام اور بھاری ٹیکسون سے سخت مصیبت مین مبتلا تھی، کسریٰ نے مسلسل چھ سال تک قسطنطنیہ کا ایسا سخت محاصرہ کیا کہ اس کی آبادی کا بڑا حصہ بھوکون مر گیا، اور ہرقل نے ایران مین عورتون اور بچون تک کو قتل کر ڈالا اور بہتون کو قیدی بنایا، یہ واقعہ ۶۲۸ء مین پیش آیا،

ایران کا آخری بادشاہ یزدگرد کسریٰ کا پوتا یا پروتا تھا، ایرانیون نے اپنے دور انتشار مین اسکو بادشاہ بنایا تھا، اس کی عمر کل ۱۵ سال تھی، اس سے پہلے بھی وہ ایک لڑکے کو بادشاہ بناچکے تھے، بلکہ ایک عورت بوران دخت تک کو تخت نشین کیا تھا، اس طرح ایران کا ملک ظہور اسلام سے کچھ پہلے عورتون اور لڑکون کے ہاتھون مین کھلونا بنا ہوا تھا، اور رعایا مختلف مذہبون مین بٹی ہوئی تھی، حکومت کا مذہب مجوسی تھا، مگر ملک مین یہودیون

اور نسطوریون کی بھی خاصی تعداد تھی،

ہرقل جب ضعیفی کی عمر کو پہنچا تو ایلیا کے راہبون نے اس کو یہودیون کے خلاف بھڑکا کر بیت المقدس اور جبل الجلیل مین ان کا قتل عام کرایا، ان پر الزام یہ تھا کہ فلسطین پر ایرانیون کے حملہ کے وقت انھون نے عیسائیون کے قتل مین ایرانیون کی مدد کی تھی اور ان کے گرجون کو مسمار کیا اور ان کو جلایا تھا، اور صور کے عیسائیون کو قتل اور ان کو تباہ و برباد کیا تھا، ابن بطریق کے بیان کے مطابق اس قتل عام مین بے شمار یہودی مارے گئے، پھر خود راہبون نے یہودیون سے ہرقل کی عہد شکنی[1] اور ان کے قتلِ عام کے کفارہ مین روزہ رکھکر اس کو راضی کیا۔ اس زمانہ مین رومی سلطنت کے عیسائیون مین بڑے سخت مذہبی اختلافات برپا تھے، ایک بڑا اختلاف یہ تھا کہ ایک گروہ کہتا تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی حیثیت فعل اور اقنوم اگرچہ واحد ہے لیکن ان کی طبیعتین دو ہین، اور دوسرا گروہ کہتا ہو کہ جس طرح آپ کی طبیعتین دو ہین اسی طرح مشیتین اور فعل بھی دو ہین، کیونکہ یہ محال ہے کہ جس کی طبیعتین دو ہون اس کی مشیت اور فعل ایک ہی ہو، اگر مشیت ایک مانی جائے تو طبیعت بھی ایک ماننا پڑیگی، مگر آپ کی طبیعتیں دو تھین، اس لیے مشیتین بھی دو ہون گی،[2]

ایران و روم دونون کا یہ حال تھا کہ ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا، مسلسل لڑائیون نے ان کی زندگی کے تمام وسائل کو کمزور کر دیا تھا، نہ ان کے پاس مال تھا جو دنیاوی سیہ بختی سے ان کو نجات دلا سکے اور نہ کسی ایسی چیز کا وجود تھا، جس کو آسودگی اور خوش عیشی کا وسیلہ

[1] ہرقل نے یہودیوں سے انکی حفاظت کا عہد کیا تھا [2] غالباً اس کا مفہوم یہ ہو کہ عیسائیون کے عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ مین دو خواص تھے، ایک خدائی دوسرا انسانی، ایک گروہ کہتا تھا کہ جب آپ مین دو خواص تھے تو آپ کے مشیت اور فعل مین بھی یہ دونون خواص ہونگے، اور دوسرا گروہ کہتا تھا کہ گو آپ کی ذات مین دو خواص تھے لیکن مشیت مین وحدت تھی۔ "م"

کہا جا سکے. فقر و افلاس نے ملک کو تباہ کر دیا تھا، قحط و بربادی اور اس قسم کی دوسری بلائیں روزانہ کی عام زندگی ہو گئی تھیں، اس لیے رومی اور ایرانی دونون ان مصیبتون سے نجات کے متلاشی تھے، خواہ اس کا ذریعہ کوئی بھی ہو، عین ان حالات مین عرب فاتح پہنچے، اس لیے اہل ملک کو ان کی آمد سے بڑی مسرت ہوئی اور بعضون نے ان کی مدد بھی کی، مگر ایرانیون اور رومیون کا ایک طبقہ اپنے بادشاہون کے ساتھ ملک کی مدافعت پر بھی مجبور رہوا، اس زمانہ مین دونون ملکون کے باشندون مین قومیت کا کوئی جذبہ نہین رہ گیا تھا، اور ان کے دلون سے آزادی کا احساس گھٹ گیا تھا، وہ اس بری نوبت کو پہنچ چکے تھے کہ جو شخص بھی ان کو فقر و فاقہ سے نجات دلا سکے، خواہ کچھ ہی دنون کے لیے سہی اور ان کو بدنظمی اور انتشار کے نتائج بد سے بچا سکے، اس کے ہاتھ مین ہاتھ دینے کے لیے تیار تھے،

ان حالات مین یہ کوئی تعجب انگیز بات نہین ہے کہ عرب فاتحین ان دونون ملکون کے باشندون کو اپنے مشکلات و مصائب سے نجات کا وسیلہ نظر آئے اور وہ اس کے لیے اپنا مذہب اور اپنی زبان چھوڑنے تک آمادہ ہو گئے، کیونکہ ان کے سامنے جو نمونہ (اسلامی تعلیمات یا اس کے عملی نمونے) پیش ہوا وہ ان کو بہت موزون نظر آیا، اور جس حد تک وہ اس سے واقف ہو چکے تھے اور آیندہ جس کی امید تھی، اس مین ان کو بہت کم اختلاف نظر آیا، اس لیے انھون نے اپنے قومی مشخصات کو چھوڑ کر اس کو اختیار کر لیا، اس کے علاوہ اگر جدید مذہب مین سادگی ہو، اس کے عقائد پیچیدگیون اور مشتبہات سے خالی ہون تو اس کی حیرت انگیز تاثیر اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، اس کے علاوہ جب قوم کا اختر اقبال ترقی پر ہوتا ہے اس کا استقبال دوسرے لوگ فطرۃً بڑی مسرت اور گرمجوشی سے کرتے ہین، اس کی تقلید کرتے ہین، اس کے گرد جمع ہو جاتے ہین اور اس کے ساتھ چلنے مین ان کی بڑی امیدین وابستہ ہو جاتی ہین،

مصر و شام کے ملک بزنطینی حکومت سے گلو خلاصی چاہتے تھے، اور ہرقل اور اسکی جماعت دینی مسائل اور مذہبی اختلافات مین مبتلا تھی، لوگون کے دلون سے اس کا اعتماد اٹھ گیا تھا، یہودیون سے انتقام لینے کے بعد (اس کا واقعہ اوپر گذر چکا ہے) راہبون کے دل کو تو تسلی ہو گئی تھی، لیکن ہرقل کی اس عہد شکنی کی وجہ سے خود اس کی قوم کے دل مین یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ جب اس کے اور ہرقل کے اغراض و مصالح مین تصادم ہو گا یا جب وہ لوگ جنگ کے انسداد کے لیے خراج روک لین گے تو ہرقل ان کے ساتھ بھی بدعہدی کرے گا، یہ سب کے سب حکومت کے مظالم اور مالی تاوانون کی وجہ سے اس سے برگشتہ تھے، مسلسل لڑائیون اور بیرونی حملون کی وجہ سے تھک گئے تھے، اور کسی ایسی حکومت کے انتظار مین تھے جو ان کو اس مصیبت سے نجات دلا سکے، ایسی نوخیز حکومت عربون کی تھی جو ان کی سرحد کے پار قائم ہوئی تھی، اور ان کو نجات دلانے کے لیے اپنا مضبوط ہاتھ ان کی جانب بڑھا رہی تھی،

لیکن اس ضعف کے باوجود جو ایرانی اور رومی حکومتون پر طاری تھا ابھی چند صدیون تک دنیا مین ان کا اثر و نفوذ قائم رہ سکتا تھا، کیونکہ حکومت کی خرابیون اور ان کے مذہبی اور تمدنی حکمرانون مین عدم توازن کے باوجود ان مین دوسری قومون کے مقابلہ مین زندہ رہنے کی زیادہ صلاحیت تھی، اگر عرب ایک نئی ذہنیت اور حیرت انگیز قوت کیساتھ جو ان کے ہر فرد مین سرایت کیے ہوئے تھی، نہ اٹھے ہوتے تو مذکورہ بالا خرابیان چونکہ ایران و روم کے علاوہ ان کی پڑوسی حکومتون اور قومون مین بھی تھین، اس لیے ایران و روم کو عربون کے علاوہ کوئی دوسری قوم زیر نہین کر سکتی تھی،

عرب سلاطین کی رواداری اور اسلام کی اشاعت مسلمانون کی فتوحات کے زمانہ اور اس کے بعد ان کی

حکومت کے تعمیری دور مین جب عیسائی اور مجوسی عربون کی رواداری کو دیکھتے تھے تو ان پر ان کا اعتماد اور بڑھ جاتا تھا، اور وہ ان کی دعوت کی جانب زیادہ توجہ سے مائل ہوتے تھے، اور ان کے طول بقا کی تمنا کرتے تھے، وہ دیکھتے تھے کہ قیام حکومت کے بعد بھی عرب کے ان کے مذہبی شعائر سے کوئی تعرض نہین کرتے، اور ان کے ساتھ ان کا طرز حکمرانی نہایت نرم اور لطف و احسان کا ہے، وہ جو عہد کرتے ہین اس کو پورا کرتے ہین، عہد شکنی نہین کرتے، ان کے سامنے شام کے حاکم ابو عبیدہؓ کا یہ قول اور نمونہ بھی تھا کہ "لوگو مین قریش کا ایک معمولی آدمی ہون اور تم مین سے بلا امتیاز رنگ و نسل، جو شخص بھی تقوی مین مجھ پر فضیلت رکھتا ہے مین اس کی کھال بن جانا چاہتا ہون"۔ انھون نے دیکھا کہ عرب، یہود و نصاری کی پوری حفاظت کرتے ہین، ان کے معابدون کا لحاظ رکھتے ہین، ان کے گرجون اور کنیسون کی حفاظت کرتے ہین، اگر ایک طرف عبد الملک نے ۸۶ھ مین مصر مین بتون اور مجسمون کے توڑنے کا حکم دیا تو دوسری طرف موسی بن عیسی نے جو ہارون رشید کی جانب سے مصر کا والی تھا، ان کنیسون کو دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت دی، جس کو علی بن سلیمان نے توڑ دیا تھا، اور وہ لیث بن سعد اور عبد اللہ بن لہیعہ جیسے علماے امت کے مشورے سے دوبارہ تعمیر کیے گئے، انھون نے کہا کہ یہ ملک کی آبادکاری ہے اور مصر کے سارے کنیسے اسلام اور صحابہ و تابعین کے زمانہ مین تعمیر ہوئے تھے،[۱]

گذشتہ زمانے کے مسلمان حکمران صرف اتنی احتیاط کرتے تھے اور اس کی نگرانی رکھتے تھے کہ دیر اور کنیسون مین ان کی حکومت و سیاست کے خلاف کوئی سازش نہ ہونے پائے، لیکن بطریقون پر ان کو اتنا اعتماد تھا کہ وہ ان کے ہم مذہبون کے اس قسم کے معاملات بھی

---

[۱] ہنری ڈی کاسٹری کی کتاب کا عربی ترجمہ الاسلام خواطر و سوانح

ان کے متعلق کردیتے تھے. ذمیون کے ساتھ ابتدائی معاہدہ کے زمانہ ہی سے یہودیون کی عبادت گاہون کے جملہ امور و معاملات پر گفتگو کرنے کا دائمی حق ان کے رئیس کو حاصل تھا، اور ملکانی عیسائیون کے گرجون کی نگرانی ان کے بطریق کے متعلق تھی، ان کا یہ فرض تھا کہ وہ ان کی تحقیقات کرتے رہین اور ان کے بارہ مین حکومت کو جو شکوک و شبہات پیدا ہون ان کو دور کرتے رہین، اور دیر کے راہبون کو مالی پھندون مین پھنسنے سے ڈراتے رہین، ان کو تنہائی مین عورتون کیساتھ ملنے جلنے سے روکین اور کوئی مشتبہ نووار ان کے پاس نہ آنے پائے اگر اس قسم کی کسی بات کی اطلاع ملے تو اس کو حکومت سے نہ چھپائین، اور جب کسی بیرونی بادشاہ کی جانب سے کوئی خط آئے اور اسکا جو جواب دیا جائے تو اس کو مخفی نہ رکھا جائے، بحری راستہ کے مشتبہ کامون سے بچا جائے، یعقوبی بطریقون سے یہ شرط تھی کہ حبشہ کی حکومتون کی جانب سے ان کے پاس جو خفیہ نامہ و پیام آتے ہین ان مین پوری احتیاط رکھین[۱]، اور ان سے بچتے رہین، دیر و کنیسون کے جملہ امور و معاملات بطریق سے متعلق ہوتے تھے، اور جب ان مین آپس مین کوئی نزاع ہوتی تھی تو بطریق کا قائم مقام وہی شخص ہو سکتا تھا جس پر حکومت کو اعتماد ہو، عرب فرمانرواؤن نے اپنے انتہائی عروج و اقتدار کے زمانہ مین بھی رومانی کلیسا کو اسلامی ملکون مین تبلیغ و اشاعت کے لیے مبلغین بھیجنے کی اجازت دی تھی، باوجودیکہ یہ کلیسا اسلامی حکومتون کے مقابلہ مین ان حکومتون کا زیادہ لحاظ کرتا تھا مسلمانون اور عیسائیون مین باہم اتنا اتحاد پیدا ہو گیا تھا کہ عیسائی اپنے جماعتی اختلافات کا فیصلہ بھی اسلامی عدالتون سے کراتے تھے، پوپ گریگوری ہفتم نے اپنے ہم مذہبون کو اس پر بڑی

[۱] ان احتیاطون کا سبب یہ تھا کہ عیسائی حکومتین اسلامی ملکون کے کلیسا اور ارباب کلیسا کے ذریعہ اسلامی حکومت کے خلاف سازشین کیا کرتی تھین، "م"

ملامت کی تھی کہ وہ اپنے علماء اور پیشواؤن کی موجودگی مین اپنے معاملات کا فیصلہ مسلمان عدالتون سے کراتے ہین،

اندلس مین عربون کے ابتدائی دور مین جب کسی فوجی مسلمان اور عیسائی مین کوئی تنازعہ ہوتا تھا تو مسلمان حکام عموماً عیسائی کے حق مین فیصلہ کرتے تھے،[1] اس سے فاتح اور مفتوح قومون مین وطنی وحدت پیدا ہوگئی تھی، چنانچہ اندلس کے اموی فرمانروا عبدالرحمن ثانی نے اسپین کے عیسائیون کے اس تعصب کو دور کرنے کے لیے کہ عیسائی مبلغین اپنے خیال کے مطابق مذہب کی راہ مین شہادت حاصل کرنے کے لیے اسلام کی علانیہ توہین کرتے تھے، اشبیلیہ کے رئیس الاساقفہ کی صدارت مین، عیسائیون کے مقدس علماء کی ایک کانفرنس منعقد کرنے کا ارادہ کیا تھا،

اس عظیم الشان رواداری اور صلح و آشتی کی وجہ سے جو مغلوب قوم کے ساتھ غالب قوم کے تمام اعمال مین نمایان تھی، مجوسی گروہ در گروہ اسلام مین داخل ہوئے، اور نصرانیت کمزور پڑگئی اور شمالی افریقہ سے تو بالکل ختم ہوگئی، حالانکہ عیسائیت کی طرح اسلام مین مبلغین کی ایسی جماعتین نہ تھین، جن کا کام ہی اس کے احکام و تعلیمات کی اشاعت ہو، اگر ایسا ہوتا تو اسلام کی حیرت انگیز ترقی کے اسباب جاننے مین آج جو مشکلات پیش آتی ہین وہ حل ہوجائین (یعنی اسلام کی اشاعت ان مبلغین کی کوششون کا نتیجہ سمجھی جاتی) عیسائیون مین اپنے مذہب کی تبلیغ کا اتنا اہتمام تھا کہ شارلیمان لڑائیون مین ہمیشہ عیسائی علماء و مشائخ کی جماعت ساتھ لیجاتا تھا، تاکہ ان خونخوار فوجون کے ذریعہ جو قومون کو تباہ کر ڈالتی تھین.... ملکون کو فتح کرنے کے بعد مبلغین کی جماعت دلون کو فتح کرے، اس کے مقابلہ مین اسلام مین کوئی مخصوص دینی جماعت، کوئی مذہبی پیغامبر اور کوئی عالم خاص اس غرض سے اسلامی فوج کے ساتھ نہین

---

[1] عجائبات یورپ از مصنف

جاتا تھا اور حصول فتح کے بعد راہبون کا دور چلتا تھا، چنانچہ اسلام مین کسی شخص کو تلوار یا زبان کے زور سے مسلمان نہین بنایا گیا، بلکہ وہ اپنی خوبیون کی وجہ سے رضا و رغبت کے ساتھ دلون مین گھر کر لیتا تھا، اور یہ نتیجہ تھا قرآن مجید کی اثر آفرینی اور دلون مین اس کے اتر جانے کا، ڈی کاسٹری کا بیان ہے کہ "جن لوگون نے دلی میلان اور اخلاص و صدق دل سے اسلام قبول کیا ان کے مقابلہ مین ان کی تعداد بہت کم ہے جو اپنے اغراض و فوائد کے لیے مسلمان ہوئے"

اس کے مقابلہ مین جب غیر مسلم سلاطین کوئی ملک فتح کرتے تھے تو فاتح قومون کے عقب سے مذہبی مبلغین کی فوجین بھیجتے تھے جو مفتوحون کے گھرون مین گھس کر ان کے مجمعون مین جا کر ان کو فاتح دین قبول کرنے پر مجبور کرتے تھے، اور ان کی دلیل صرف غلبہ اور قوت ہوتی تھی لیکن کسی مسلمان فاتح نے ایسا نہین کیا، اسلامی فتوحات کی تاریخ مین مبلغون کی کوئی مخصوص جماعت نہ تھی، جس کا کام ہی تبلیغ رہا ہو اور جس نے تبلیغ کو اپنا فرض و مقصد بنا لیا ہو اور اپنی ساری کوششین غیر مسلمون مین اپنے عقائد کی تبلیغ کے لیے وقف کر دی ہون،[1] بلکہ مسلمان اپنے دشمنون سے اختلاط، میل جول اور معاملات مین ان کے ساتھ حسن عمل کو تبلیغ کے لیے کافی سمجھتے تھے (یعنی وہ اسلام کا عملی نمونہ پیش کرتے تھے، جس سے متاثر ہو کر غیر مسلم اسلام قبول کرتے تھے) دنیا اس کی شاہد ہے کہ مسلمان جن قومون کو مغلوب کرتے تھے، ان کے ساتھ

---

[1] مصنف کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانون مین عیسائی مشنری کی طرح ان کا کوئی باقاعدہ اور مرتب تبلیغی نظام نہین تھا، اور نہ اس کام کے لیے کوئی مخصوص جماعت تھی، جس کا مقصد صرف تبلیغ رہا ہو، اور اس نے اپنے کو اسی کام کے لیے وقف کر دیا ہو، ورنہ یون تو ہر مسلمان مبلغ ہے اور اس پر اپنے مذہب کی تبلیغ فرض ہے۔ "م"

حسن وسلوک کو فضل و احسان تصور کرتے تھے، اس کے برخلاف اہل یورپ اس کو کمزوری شمار کرتے ہین،

اسلام نے تمام بھاری ٹیکس ایک قلم بند کر دیے، چھینا ہوا مال ان کے مالکون اور غصب شدہ حقوق ان کے مستحقین کو واپس دلائے، حقوق کے فیصلہ مین مسلم اور غیر مسلم مین مساوات قائم کی، مسلمان ایک زمانہ مین غیر مسلمون کے تبدیل مذہب مین اتنی احتیاط برتتے تھے کہ جو شخص اسلام قبول کرنا چاہتا تھا اس کو قاضی کے سامنے جا کر اس کا اقرار کرنا پڑتا تھا کہ وہ بغیر کسی جبر واکراہ اور دنیاوی طمع کے رضا و رغبت سے اسلام قبول کرتا ہے، مسلمان خلفاء و سلاطین نے ہر زمانہ مین اس کا پتہ چلا کر کہ ان کے محکوم اہل کتاب اور غیر اہل کتاب کن کن کامون مین مہارت رکھتے ہین، ان کی خدمات سے فائدہ اٹھایا، اور وہ لوگ بڑے بڑے عہدون پر فائز ہوئے حتیٰ کہ بعض اہل کتاب اندلس مین فوجون کے سپہ سالار تک بنائے گئے، اور مسلمانون کی مذہبی رواداری کا شہرہ سنکر یہودی یورپ کے دوسرے ملکون سے بھاگ بھاگ کر اندلس مین آکر آباد ہوگئے، یہ تھا ان لوگون کے ساتھ مسلمانون کا سلوک جن کو وہ اپنے تلوار کے سایۂ حفاظت مین لائے تھے، انھون نے اپنے مذہب کی تبلیغ کا کوئی مخصوص اہتمام نہین کیا[1] اور نہ لوگون کو جبر و قوت سے اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا، جزیہ کی تعداد اتنی تھی کہ جس پر وہ لگایا جاتا تھا

[1] علماء و محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ افریقہ اور ایشیا کے خطون مین مسلمان تاجرون کے ذریعہ اسلام کی اشاعت ہوئی، ان دونون بر اعظمون مین ان مذاہب کے مقابلہ مین جن کی تبلیغ کے لیے وہان منظم اور دولتمند تبلیغی جماعتین موجود تھین جن کی امداد و سرپرستی بڑی بڑی حکومتین کرتی تھین، اسلام قبول کرنے کی جانب زیادہ مائل تھے، افریقہ مین مختلف پچاس عیسائی قومون کے سیکڑون کیتھلک مبلغین موجود تھے جن کی تفصیل یہ ہے، ۱۳۳، جرمن ۱۰، امریکن ۹۹، انگریزی ۱۲، آسٹرین ۳۸۵، بلجیم ۵، کناڈین ۸۲، اسپینی ۴۹، فرانسیسی ۲۰۹۰، ہالینڈی (باقی ص ۲۱۶ پر)

اس پر اس کی ادائیگی گران نہ ہوتی تھی، مسلمانون کا یہی وہ طرز عمل تھا جس کی بنا پر مختلف اہلِ مذاہب اسلام کی جانب مائل ہوگئے، اور اس کو اپنے مذہب کے مقابلہ مین حق یقین کرکے اس مین جوق درجوق داخل ہونے لگے، اور اس کی خدمت کی راہ مین اتنا ایثار کیا جو خود عربون سے بھی نہ ہوسکا،

یہودیون اور عیسائیون کے ساتھ مسلمانون کا طرزعمل اور عیسائیون پر ان کی خاص توجہ

اس رواداری کی دوسری بلکہ سب سے پہلی مثال یہ ہے کہ غزوۂ خیبر مین دوسرے مال غنیمت کے ساتھ توراۃ کے چند نسخے بھی مسلمانون کے ہاتھ آئے تھے، جب یہودیون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو مانگا تو آپ نے دلوا دیا، آپ کے اس طرزعمل کا یہودیون پر بڑا اثر پڑا، اور ان کے دل مین آپ کی بڑی وقعت پیدا ہوگئی، اور اس احسان کو انھون نے ہمیشہ یاد رکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مذہبی صحیفون سے کوئی تعرض نہین فرمایا، اس کے مقابلہ مین ان کو رومن کا یہ طرزعمل بھی یاد تھا کہ ۷۰ ب م مین جب وہ یروشلم پر قابض ہوئے تھے، تو کتب مقدسہ کو پیرون سے روندا تھا، اور آگ مین جلا دیا تھا، اور جب متعصب عیسائیون نے اندلس مین یہودیون کو تباہ کرنے کے لیے خونریز لڑائیاں کین تو توراۃ کے نسخون کو بھی جلا دیا تھا، ان فاتحون اور رسول رحمت صلعم کے درمیان کتنا عظیم الشان فرق تھا، حجاز کے یہودیوں کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا وہ خود ان کے اعمال کا نتیجہ تھا، اگر وہ مسلمانون کے ساتھ ظلم وزیادتی نہ کرتے تو وہ بھی ان کو تکلیف نہ پہنچاتے اور ان کیساتھ بھی وہ وہی معاملہ کرتے جو انھون نے نجران کے عیسائیون کے ساتھ کیا تھا، ان سے

(باقی حاشیہ ص ۲۱۵) ۲۱۵ اطالوی، ۳۷ ہسپانوی، پروٹسٹنٹ کی تعداد ان کے علاوہ ہے،

ملاحظہ ہو رسالہ لاروس ۱۹۳۳ء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نامہ مین اس شرط پر صلح کی تھی کہ "وہ فے اور پیداوار کا آدھا اور دسوان حصہ دیا کرینگے"، صلح نامہ مین یہ بھی تھا کہ "اسقف اور راہب کے عہدون سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا"۔ ایک شرط یہ بھی تھی کہ "وہ سود نہ لین گے"۔ چنانچہ جب تک عیسائی اس عہد پر قائم رہے، اس وقت تک ان سے کوئی تعرض نہین کیا گیا اور وہ سکون و اطمینان کی زندگی بسر کرتے رہے، پھر جب حضرت عمرؓ کے زمانہ مین انھون نے سود خواری شروع کر دی تو آپ نے ان کو جلا وطن کر دیا، لیکن اس وقت بھی ان کے ساتھ یہ رعایت کی کہ ان کی متروکہ زمینون کی پوری قیمت ادا کر دی اور شام و عراق کے باشندون کو جہان وہ جلا وطن کیے گئے تھے، ہدایت لکھ بھیجی کہ وہ ان کو کھیتی کے لیے زمین دین اور جس زمین کو وہ آباد کر لین گے وہ ان کی متروکہ زمین کے بدلہ مین ان کی مملوکہ ہو جائے گی[1]، بعض مورخین کا بیان ہے کہ نجران کے عیسائیون کی تعداد چالیس ہزار تک پہنچ گئی تھی، اس لیے ان مین خود پھوٹ پڑ گئی، اور وہ آپس مین رشک و حسد کرنے لگے، اور انھون نے خود خواہش کی کہ انھین نجران سے دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے۔

حضرت عمرؓ نے فارس اور روم کے دلون مین دیبا و حریر کے فرش و فروش، جواہرات کے مرصع پیالون، نشان لگے ہوئے گھوڑون، سونے سے منڈھی ہوئی کمانون اور سر بفلک عمارتون سے نہین رعب بٹھایا تھا بلکہ اپنے عدل و انصاف سے رعب قائم کیا تھا، اور ان کے سرکش اور متکبر لوگون کو حکمت بالغہ سے خاموش کیا، وہ حکمت بالغہ سید الحکماء کی شریعت تھی، ابو عبید نے کتاب الاموال مین لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "مین جزیرۃ العرب سے یہود و نصاریٰ کو نکال دون گا اور مسلمانون کے علاوہ اس مین کسی کو نہ رہنے دونگا"۔

---

[1] یمن کی زمین کی تو پوری قیمت حضرت عمرؓ نے عیسائیونکو دیدی تھی، یہ مزید احسان تھا کہ ان کی آباد کردہ زمینون کا بھی ان کو مالک بنا دیا۔ "م"

اس کے باوجود آپ نے نجران کے عیسائیون کے ساتھ بڑی رعایت کی، اس لیے کہ انھون نے فی الجملہ عہد کی پابندی کی تھی اور امت قائمہ و مسلمانون کے دین کا مذاق نہین اڑایا تھا، اور اہل کتاب مین سب سے پہلے جزیہ ادا کیا تھا، کلام مجید مین عیسائیون کے بارے مین ارشاد ہے،

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً	تمام آدمیون مین سب سے زیادہ عداوت رکھنے والے
لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ	مسلمانون سے آپ ان یہود اور مشرکین کو پائینگے
اَشْرَكُوْا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً	اور ان مین مسلمانون کیساتھ دوستی رکھنے والے
لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْا	قریب تر آپ ان لوگون کو پائیں گے جو اپنے کو
اِنَّا نَصَارٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ	نصاری کہتے ہیں یہ اسلیے کہ ان مین بہت سے علم دوست
قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ	عالم ہین اور بہت سے تارک الدنیا درویش ہین اور
لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (مائدہ)	اس سبب سے یہ لوگ متکبر نہین ہین،

اس لیے کہ اعتماد کا بدلہ اعتماد ہے، خود قرآن مجید مین ہے کہ "احسان کا بدلہ احسان ہے" صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے سب سے زیادہ اعتماد ان لوگون پر کیا جو کل تک آپ کے دشمن تھے، مثلاً ابوسفیان، عمرو بن العاص اور خالد بن ولید وغیرہ لیکن جب ان لوگون نے اسلام قبول کر لیا تو اسلام نے ان کی پہلی باتون کو بالکل ختم کر دیا، اور یہ اپنے بغض اور کینون کو بھلا دیا اور یہ لوگ اسلامی حکومت کے معزز ارکان بن گئے، جن سے مہمات امور مین رائے لیجاتی تھی اور بڑے بڑے کام ان کے سپرد کیے جاتے تھے، ایسی حالت مین، ان مین بہترین خلفاء، فوجی افسر اور امراء کیون نہ پیدا ہوتے، خلفاء نے تو ان غیر عرب لوگون تک پر اعتماد کیا جنھون نے اپنے آبائی مذہب پر قائم رہتے ہوئے خلفاء کی اطاعت قبول کر لی تھی، اس کی ابتدا امیر معاویہ نے کی اور شام کے بعض عیسائیون کو بیت المال

اور دفتری خدمات پر مامور کیا، حضرت عمر کا ایک غلام عیسائی تھا، جس کا نام آسک تھا، آپنے اس کو مسلمانون کی بعض خدمات پر مامور کرنا چاہا، اور اس سے فرمایا کہ وہ اسلام قبول کرلے کیونکہ خاص مسلمانون کے معاملات مین غیر مسلم سے مدد لینا مناسب نہین ہے، مگر اس نے انکار کیا، اس کے انکار پر آپنے اس کو آزاد کردیا اور فرمایا جہان تمھارا دل چاہے چلے جاؤ۔

خلفاء اور امراء نے دوسری صدی ہی سے صابی، عیسائی اور یہودی عمال پر اعتماد کرنا شروع کردیا تھا، اور بغداد اور اندلس مین بہت سے نصاری کو اسلامی فوج کی قیادت سپرد کی گئی، اس پر علی بن عیسی نے عباسی وزیر حسن بن فرات پر اعتراض کیا اور کہا تم نے ایک نصرانی کو مسلمان فوجون کی قیادت سپرد کرنے مین خدا کا خوف نہین، کیونکہ ان کے ہاتھون کو دین کے انصار اور ملک کے محافظ تک بوسہ دیتے ہین، ابن فرات نے جواب دیا کہ مین نے اس کی ابتدا اور نئی بات نہیں کی، مجھ سے پہلے مستنصر باللہ اپنے نصرانی کاتب اسرائیل کو اور معتضد باللہ امیر بدر کے عیسائی کاتب مالک بن ولید کو فوج کا قائد بنا چکا ہے، علی بن عیسی نے کہا، انھون نے بھی صحیح نہین کیا تھا، ابن فرات نے جواب دیا، گو انھون نے تمھارے نزدیک غلطی کی ہو، لیکن میرے لیے ان دونون کی مثال کافی ہے، ابن فرات کی دوسری وزارت کے زمانہ مین اس کا دستور تھا کہ وہ روزانہ علماء و فضلا کی ایک جماعت کو کھانے پر مدعو کرتا تھا، اور ان کو اپنے پہلو مین اور سامنے بٹھاتا تھا، ان مین ابو بشر عبد اللہ ابن فرخان، ابو منصور عبد اللہ بن جبیر اور ابو عمرو سعید بن فرخان وغیرہ عیسائی فضلاء بھی ہوتے تھے، ایک مستشرق عالم گاسٹن دیاٹ نے لکھا ہے کہ ۳۷۵ھ مین خلیفہ نے نصاری اور مسلمانون مین مساوات برتنے کے لیے ایک فرمان جاری کیا تھا، یہ رواداری کا وہ نمونہ ہے جس پر یورپ صدیون کے بعد عمل کرسکا، (البلاغ مصر ذیحجہ ۱۳۵۱ھ)

تاریخ اسپین کا مشہور "سید" ایک نصرانی تھا، جس نے "خواتین" کی خدمت کی تھی، اندلس اور اسپین مین اسکی سیکڑون مثالین ہین کہ غیر مسلمون سے حکومت کی خدمت لیجاتی تھی اور وہ اخلاص کے ساتھ انکی خدمت کرتے تھے، نہ ان پر کوئی نکیر کرتا تھا اور نہ ان لوگون پر جوان کو مقرب بناتے تھے، اسی قسم کے اعتماد سے دوسرون مین اعتماد پیدا ہوتا ہے،

یہ طرز عمل اس حکومت کے لیے کتنا عجیب ہے جس مین دین و مذہب کو سب سے پہلا درجہ حاصل تھا، یہ امر بھی کچھ کم تعجب انگیز نہین ہے کہ عرب آسمانی دین رکھنے والے ذمیون کو اپنا معتمد علیہ بناتے تھے یہی طرز عمل مسلمانون کا دوسری قومون اور مذاہب کے ساتھ بھی تھا، چنانچہ انھون نے ہندوستان کے بت پرستون اور ایران کے آتش پرستون کیساتھ بھی کسی قسم کی زیادتی نہین کی، جب انھون نے ہندوون کے مقدس شہر بنارس کو جسکی آبادی کا بڑا حصہ برہمنون پر مشتمل تھا، فتح کیا تو انکے ساتھ بہت بہتر سلوک کیا اور انکے مذہبی شعائر کا پورا لحاظ رکھا۱، مسلمانون کی اسی حسن سیاست کا نتیجہ تھا کہ انکی حکومت اسپین و پرتگال کے دریائے تاجہ سے لیکر گنگا تک پھیلی ہوئی تھی، اور حاکم و محکوم مختلف مذہبون اور اقلیت و اکثریت کے درمیان پورا اتحاد و اتفاق تھا اور یہ تعجب انگیز امر ہے کہ اقلیت کو کبھی اسکی ضرورت پیش نہین آئی کہ کوئی دوسری قوت اسکی حفاظت اور اسکے مصالح کی رعایت کرتی، کیونکہ عربون کی عدل پرور اور منصف حکومت ان سب کی محافظ و نگہبان تھی،

یہ انسان کی فطرت ہے کہ جو شخص اس کیساتھ احسان و سلوک سے پیش آتا ہے تو وہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے، مشرق مین ایران کی اور مغرب مین رومیون کی عربون جیسی کوئی باقتدار حکومت نہین تھی، لوگ اپنی حفاظت کے لیے جسکی پناہ مین جا سکین اور اسکے زیر سایہ عربون کی حکومت سے زیادہ بہتر زندگی بسر کرسکین،

---

۱ مصنف کو چونکہ ہندوستان کی تاریخ سے زیادہ واقفیت نہیں ہے اس لیے انھون نے صرف ایک بنارس کی مثال دی ہے، نہ ہندوستان مین مسلمانون کی تاریخ انکی رواداری کی مثالون سے بھری ہوئی ہے، (مترجم)

دسواں باب

یورپ میں عربوں کے علوم کے اثرات

عربی تمدن کے بارہ میں یورپ کے منصف مزاجوں اور شعوبیوں کے خیالات

یورپ کے بعض اہل قلم اب تک عربوں کی تمدنی خدمات کو گھٹا کر دکھانا چاہتے ہیں ان میں سے بعض کا گمان ہے کہ عربوں نے قدیم قوموں کے علوم کو تحریف کے ساتھ نقل کیا ہے۔ بعض کا دعویٰ ہے کہ عربوں کی پیدا کردہ تہذیب زیادہ قابل اعتنا نہیں ہے اور صرف یونان و روما ہی اہل مغرب کے استاد تھے، عربوں کو ان پر کسی چیز میں بھی فضیلت حاصل نہیں ہے، بعض عربی تہذیب کے اثرات کی وسعت کو گھٹا کر دکھانا چاہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عربوں نے ان علوم میں جن میں غور و فکر کی ضرورت نہیں پڑتی، مثلاً تاریخ و جغرافیہ وغیرہ میں مہارت پیدا کی اور ان کو ترقی دی اور ان کو سریانی کتابوں میں جو مواد مل گیا، اس کو انھوں نے لے لیا، مگر تنقید اور چھان بین کی جانب توجہ نہیں کی، وہ اپنے دل و دماغ سے کوئی چیز پیدا نہ کر سکے، صرف دوسروں کی نقل و تقلید کرتے رہے اور ان کی بھی اصل شکل و صورت بگاڑ دی، وہ افسانوی اور ڈرامائی شاعری سے بالکل ناواقف تھے، کیونکہ اس میں اختراعی صلاحیت کی ضرورت ہے جو ان میں موجود نہیں تھی، اور اسلام نے جو عربی عقل و ذہن کا خلاصہ اور عطر ہے فکر و نظر کی قوت کو بالکل مفلوج کر دیا [1]

[1] سر ویر کی کتاب اسلام اور مسلمان

یہ عرب کے ان فرنگی دشمنوں کے خیالات ہیں جو ان کے مرتبہ سے ناواقف ا - ان کے
تمدن کا درجہ گھٹانا چاہتے ہیں، لیکن ان میں بعض منصف مزاج بھی ہیں، چنانچہ ڈریپر لکھتا ہے
کہ "یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ یورپین ادب یہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں کے متعلق ہمارے
جو علمی فرائض ہیں ان کو ہم بھلا دیں لیکن اب وقت آگیا ہے کہ ہم ان کو پہچانیں، اور یہ ناانصافی
جو مذہبی عناد اور قومی جہالت و وحشت پر مبنی ہے ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتی۔"[۱] تاریخ عالم میں ہے
کہ "جب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہر قوم کے کارناموں کا ذکر کریں، تو پھر کسی منصف مزاج کیلیے
اس کی گنجایش نہیں رہجاتی کہ وہ عربوں کے کارناموں کا انکار کرے جو دوسری قوموں کے
کارناموں سے زیادہ ہیں، انھوں نے افریقہ، ایشیا اور لاطینی یورپ کی جاہل قوموں
میں صرف مشرق قریب اور مشرق بعید کی صنعتوں اور ایجادات و اختراعات ہی کو
نہیں پہنچایا بلکہ ہر ملک و قوم کے پراگندہ مواد کو چن کر ان سے بہترین طریقہ سے کام لیا،
اور یہ مختلف مواد آپس میں مل جل کر ایک قالب میں ڈھل گئے، جس سے عربوں نے
ایک زندہ تہذیب پیدا کی، جن پر ان کے مذاق اور فطرت کا ٹھپہ لگا ہوا ہے، اسمیں
ایک خاص قسم کی وحدت اور بہت عمدہ صفات تھیں۔"[۲]

یہ عربوں کی تہذیب کے بارہ میں بعض منصف مزاج اہل مغرب کے اقوال کے
چند نمونے ہیں، اس قسم کی رائیں اور لوگوں کی بھی ہیں، مگر یہ شعوبی (سرویر) محض اسلیے
عربوں کو فضیلت دینا نہیں چاہتا کہ انھوں نے تاریخ اور جغرافیہ کی جانب زیادہ توجہ
کی جن کے لیے اس کے زعم میں کسی غور و فکر کی ضرورت نہیں ہے، حالانکہ اس سے بہت
بیشتر علماے مشرقیات جنھوں نے عربوں کی کتابوں کے ذریعہ ان کی تہذیب کو سمجھا ہو وہ

---

[۱] یورپ میں عقلی علوم کا ارتقا ڈریپر [۲] لامنس اور رامبو کی کتاب تاریخ عام

ان کتابون کو بہت پسند کرتے تھے، اور مقدسی، ابن حوقل، یاقوت، مسعودی، طبری،
ابن اثیر، ادریسی، ابن خرداذبہ، بلاذری، یعقوبی، خوارزمی، ابن الفقیہ، ابن رستہ،
ابن فضلان، قدامہ، بلخی، بیرونی، بکری، شیخ الربوہ، ابو الفداء، ابن جبیر، ابن سعید،
ابن سعد، ابن فضل اللہ، ابن ابی اصیبعہ، ابن القفطی، ابن خلکان، صفدی، ابن الخطیب،
ابن بسام، ابن عساکر، ابن طباطبا اور ابن بشکوال وغیرہ سیکڑون علما، کے کامون کو
جنھون نے ان دونون فنون (تاریخ وجغرافیہ) پر لکھا ہے، بڑی اہمیت دیتے تھے،
ان سب کی کتابین موجود ہین، البتہ ان کے پڑھنے والون کی ضرورت ہے، اہل یورپ
نے ان سے بڑے فوائد حاصل کیے، اور ہر موقع پر ان کی عظمت کا اعتراف کیا ہے[1]،
آج تک یورپ کی کسی قوم نے بھی تاریخ مین فلسفۂ تاریخ اور علم الاجتماع کے موجد
ابن خلدون کے درجہ کی باتین پیدا نہین کین،

جوڈیہ کا بیان ہے کہ "شریف ادریسی فن جغرافیہ کا استاد تھا، جس نے یورپ
کو یہ فن سکھایا، بطلیموس نہین تھا، وہ تین صدیون تک اس فن کا معلم رہا، جب یورپ
مین ادریسی کے نقشہ کے سوا دنیا کا اور کوئی نقشہ موجود نہین تھا، یہ نقشہ اس فن مین
عربون کے علم کا خلاصہ اور ان غلطیون سے پاک ہے جو بطلیموس نے کی تھین، اگر یہ
سوال کیا جائے کہ براعظم افریقہ کے گرد سب سے پہلے کس نے چکر لگایا یا امریکہ کو کس نے
دریافت کیا تو بلاتکلف جواب دیا جائے گا کہ واسکوڈی گاما اور کولمبس نے، لیکن یہ دونون
اکتشافات جو اپنے پہلے کے تمام جغرافی اکتشافات پر فوقیت رکھتے ہین، عرب جہازرانون
کی وجہ سے تکمیل کو پہنچے، کیونکہ جغرافیہ مین عربون کی ترقی کے بغیر ان دونون کی تحقیق و

[1] عربون کا جغرافی اور تاریخی ادب از گوڈیے

انکشاف دشوار تھا، اس لیے درحقیقت یہ دونوں عظیم الشان اکتشافات عربوں کی عقل اور ان کے فراہم کیے ہوئے معلومات و مواد اور ان کے اشخاص کے ذریعہ عیسائی حکومت کے ماتحت حاصل ہوئے،

وہ فنون جن کی جانب عربوں نے زیادہ توجہ کی

بلاشبہہ افسانوی اور ڈرامائی شاعری کی جانب عربوں نے توجہ نہین کی، کیونکہ وہ بدیہہ گو تھے اور اپنے علاوہ دوسرون کے حالات پر نظر نہین ڈالتے تھے، دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ باتون مین انتہائی اختصار کے عادی تھے اور افسانوی شاعری طوالت اور تخلیل کی طالب ہے، تیسرا سبب یہ تھا کہ ان کے ملک و سرزمین کی خاصیت، ان کے مذہب کی سادگی اور عقیدۂ توحید نے پارینہ قصص و افسانون کو حرام قرار دیا تھا، جو افسانوی شاعری کا سب سے بڑا عنصر ہین، لیکن عربی شاعری، فخر، حماسہ مدح، ہجو، مرثیہ، عتاب، غزل، وصف نگاری، اعتذار اور حکمت کے اصناف سے معمور و مزین ہے، مگر اس وسعت اور تنوع کے باوجود ایسی طویل رزمیہ داستانون سے خالی ہے جو قومی مفاخر کی شہرت اور بہادرون کے بقائے دوام کے لیے لکھی گئی ہین، مثلاً یونان کی الیڈ، روم کی اینیاڈ، ہندوون کی مہابھارت اور ایرانیون کا شاہنامہ وغیرہ۔

عربون نے ان خیالی فنون کے بجائے ان علوم کی جانب زیادہ توجہ کی جوانکی سوسائٹی کے لیے افسانوی اور ڈرامائی شاعری سے زیادہ مفید اور کارآمد تھے، مثلاً انھون نے ہیئت اور فلکیات کی طرف زیادہ توجہ کی، ڈلامبر لکھتا ہے کہ "ہم کو رومیون مین افلاک کے صرف دو یا تین رصد ملتے ہین اور عربون مین ان کی بڑی تعداد تھی، جو فلکیات مین ان کے غور و فکر کی وسعت کا ثبوت ہے"، بیکورڈین لکھتا ہے کہ "عربون مین

علم الفلک کو یہ درجہ اس لیے حاصل ہوا کہ ان مین ریاضی اور حساب کے بہت سے ماہرین تھے، اور
مثلثات کے حساب کی بنیاد انھون نے ایجاد کی تھی، ان کے پاس ایسے آلات تھے جس کے
ذریعہ انھون نے کرۂ زمین کے محیط کے طول کی تحقیق کر لی تھی، اور قطب کے ارتفاع اور پورے
کرۂ ارض کے دور کو جو خشکی اور تری پر محیط ہے معلوم کر لیا تھا، بحر متوسط کے طول کی بھی تحقیقات
کر لی تھی، بطلیموس کے اندازہ کے مطابق اس کا طول جب ۱۲ درجہ تھا، عربون نے پہلے
۴۵ بھر ۴۶ قرار دیا جو موجودہ تحقیقات کے قریب قریب ہے،

مامون نے اپنے زمانہ کے بڑے بڑے حکما کو جمع کر کے ان سے پورے عالم کا ایک
نقشہ بنوایا تھا، جو اس کے نام کی نسبت سے "الصورۃ المامونیہ" کہلاتا تھا، اس مین تمام افلاک
مع کواکب، خشکی و تری کے خطے، ویرانون اور قومون کے بود و باش کے علاقے اور بڑے بڑے
شہر دکھائے گئے تھے، یہ نقشہ اپنے پہلے کے بطلیموس اور مارتیوس کے جغرافیون سے بہتر تھا،
اس کے علاوہ زمین کے نقشہ نگار علما کی ایک جماعت نے جس مین عراق کے ستر (۷۰) فلسفی تھے
جغرافیہ پر اس کے لیے ایک کتاب لکھی تھی، اس کی تالیف مین دولت عباسیہ کے ماتحت ملکون
اور قومون کے حالات اور ان سے متعلق معلومات فراہم کرنے مین عباسی حکام نے بھی مدد
کی تھی، یہ فلکیات سے مامون کی دلچسپی اور شغف کا حال تھا، عربون مین اس کے درباری
ماہر فلکیات فزاری نے سب سے پہلے اسطرلاب کا استعمال کیا اور عربون نے بغداد،
رقہ، دمشق، قاہرہ، سمرقند، قرطبہ اور فارس مین رصدگاہین قائم کین، اور بطلیموس کی مجسطی کے
ذریعہ افلاک کی ترصید کی، اور فلکیات نہایت دقیق نقشے بنائے،
عربون نے تیل کا منبع معلوم کر لیا تھا[1]، اور انکے
اہل یورپ کی تحقیقات سے بہت پہلے

[1] مسالک الابصار فضل اللہ عمری

دماغ مین یہ بھی تھا کہ زمین کے بعض حصون کا ابھی تک پتہ نہین چلا ہے اور ایک عالم نے تو کولمبس سے ڈیڑھ صدی پہلے یہ خیال تک ظاہر کر دیا تھا کہ "یہ ناممکن نہین ہے کہ کرۂ زمین کے جس رخ پر ہم آباد ہین اور اس کا جو حصہ پانی سے کھلا ہوا ہے اسی طریقہ سے اس کے دوسرے رخ کا کوئی حصہ بھی پانی سے کھلا ہوا ہو، اور جب پانی سے کھلا ہوگا تو اس مین ہماری زمین کے جیسے یا اس سے مختلف قسم کے حیوانات، نباتات اور معدنیات بھی ہو سکتے ہین"[2]

اندھون کے پڑھنے کے ابھرے ہوئے حروف کی ابتدائی شکل بھی عربون نے ایجاد کی تھی، ایک عالم علی بن احمد بن یوسف المعروف بہ زین الدین آمدی المتوفی ۷۱۲ھ ابتدائی عمر مین نابینا ہو گئے تھے، اسی حالت مین انھون نے تعلیم حاصل کی، جب وہ اپنے کتبخانے کے لیے کوئی کتاب خریدتے تھے تو کاغذ کا ورق کسی خاص حرف کی شکل مین موڑ کر کتاب مین چپکا دیتے تھے، اور جب ضرورت پڑتی تھی تو اسی سے وہ کتاب کی قیمت کا پتہ چلا لیتے تھے، نابینا مسلمان علما کتابین تصنیف کرتے تھے، مثلاً لغت کی مشہور کتاب مخصص اور محکم کے مصنف ابن سیدہ، ان کے علاوہ اور بہت سے نابینا مصنفین تھے، صفدی نے ان کے حالات مین ایک مستقل رسالہ نکت الهمیان فی نکت العمیان لکھا ہے[2]، نابینا طبیب بھی تھے، ان سے مریض کا حال بیان کرایا جاتا تھا، وہ اس بیان پر دوا تجویز کر دیتے تھے، ابن الحناط اندلسی اسی قسم کے نابینا طبیب تھے[3]،

اسی طرح اہل یورپ سے پہلے عربون کو ہوا مین پرواز کرنے کا خیال پیدا ہوا چنانچہ سب سے پہلے عباس بن فرناس اندلسی نے اس کی کوشش کی، اسی نے سب سے پہلے پتھر سے شیشہ بنانے کی صنعت ایجاد کی اور موسیقی کو مرتب کیا اور سایہ کی مدد کے بغیر وقت

---

[1] مقالات احمد تیمور و احمد زکی [2] یہ رسالہ اب چھپ گیا ہے، م [3] رسالہ المقتبس

معلوم کرنے کے لیے ایک آلہ ایجاد کیا جو منقال کہلاتا تھا، اس نے اپنے گھر مین آسمان کا ایک
ایسا مرقع بنایا تھا جس مین تارے، بادل اور بجلی وغیرہ اسطرح دکھائے تھے کہ دیکھنے والون
کو اصل کا دھوکا ہوتا تھا، ابن خاتمہ[1] کے ایک رسالہ سے جو وبا پر لکھا گیا ہے، ظاہر ہوتا ہے
کہ اہل اندلس کو ایک حد تک جراثیم کا بھی علم ہوگیا تھا، وہ بیماریون مین ایسی ہی احتیاطین
کرتے تھے جیسی اس زمانہ مین کیجاتی ہین، مرض النوم سے بھی وہ واقف تھے اور اس کا نام
انھون نے "زام" رکھا تھا، اور اس کے اسباب وعوارض کی تشریح کی تھی، طباعت سے
وہ سب سے پہلے واقف ہوئے، ابوبکر قدسی اندلسی نے ایک کتاب مختلف چیزون کے خواص[2]
اور روشنائی سازی اور طباعت کے آلات پر لکھی تھی جو اس موضوع پر ایک نادر کتاب ہے،
ناصر کا ایک وزیر عبدالرحمن بن بدر جو چوتھی صدی مین ایک صوبے کا خودمختار حاکم تھا جو احکام
لکھتا تھا وہ چھاپے جاتے تھے، اور اس کی مطبوعہ کاپیان عمال کے پاس بھیجی جاتی تھین اور وہ
اس کی جانب سے نافذ کرتے تھے، یعنی ٹائپ کے موجد جوٹنبرگ سے چار سو سال پہلے اہل اندلس
طباعت سے واقف ہو چکے تھے، اگر اس کا سلسلہ جاری رہتا تو وہ اس فن کو کمال تک
پہنچا دیتے اور دنیا پر عربی تمدن کا احسان اور زیادہ بڑھ جاتا، اور کم از کم مختلف علوم و
فنون مین عربون کی قدیم تصانیف کا بڑا حصہ جو اندلس اور بغداد کے کتاب خانون مین
تھا بربادی سے بچ جاتا،

جوٹیہ کا بیان ہے کہ عربون نے جو ایجادات کین وہ اپنے زمانہ کے لحاظ سے بہت
قیمتی تھین، انھون نے برف بنانے کا طریقہ معلوم کر لیا تھا جس سے یورپ کو سولھوین صدی

---

[1] مین نے وبا کے بارہ مین ابن خاتمہ کی رائے پر ایک مضمون لکھا ہے اس مین اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے، یہ مضمون
المقتطف ج ۲۰ مین شائع ہوا ہے۔ [2] الاحاطہ فی اخبار غرناطہ لسان الدین الخطیب

کے نصف اول مین واقفیت ہوئی، عربون نے روئی سے بنایا ہوا سستا کاغذ یورپ پہنچایا، اس سے پہلے وہ لوگ "بردی" پر لکھتے تھے، جو بہت گران ہوتا تھا، جس زمانہ مین مشرقی یورپ مشرق قریب کے ملکون سے کاغذ خریدتا تھا، جیسا کہ دمشق کاغذ کے یورپین نام "شارٹا داماسینا" سے ظاہر ہوتا ہے، اس زمانہ مین شاطبہ (اندلس) کے کاغذ سازی کے کارخانے مغربی یورپ کو کاغذ سپلائی کرتے تھے، سب سے پہلے ۶۶ھ مین سمرقند و بخارا مین ریشم سے کاغذ بنایا گیا، اس کے بعد ۶۶۸ء مین یوسف بن عمرو نے ریشم کے بجائے روئی سے بنانا شروع کیا، دمشقی کاغذ بھی روئی کا ہوتا تھا، اس کا یونانیون نے ذکر کیا ہے۔

جوٹیہ کا بیان ہے کہ "عربون نے ہم کو فن کتابت، بارود سازی اور قطب نما بنانے کی صنعتین سکھائین، اگر ہماری پشت پر عربی تہذیب کی یہ یادگارین جو ہم تک پہنچین نہ ہوتین تو آج ہماری ترقی کا یہ درجہ نہ ہوتا، عرب آلۃ الظل (سایہ سے وقت کی شناخت کا آلہ) اور مدور اور پہل دار آتشی شیشہ کے اصول سے بھی واقف تھے، آلات سازی مین بھی انھون نے خاصی ترقی کی تھی، چنانچہ ہارون رشید نے جب ایک بڑی گھڑی شارلیمان کو بھیجی تو سیڈیلیو کے بیان کے مطابق اس کے اہل دربار اس کو دیکھکر حیرت زدہ ہو گئے، اور اس کے کل پرزون کی ترکیب کو نہ پہچان سکے،[1] عباسیون کے زمانہ مین فن زراعت و باغبانی کو بڑی اہمیت حاصل تھی، اور عربون نے اپنی مہارت فن سے ایران کے پھلون اور مازندران کے پھولون، کے خواص ظاہر کیے، اور مختلف علوم و فنون خصوصاً فن نباتات کو نئے نئے معلومات و مسائل سے معمور کر دیا، اور مشروبات، روغنیات، مرہم الملحق، بعوق سنا رکمی، راوند، خیار شنبر اور جواز القی وغیرہ بہت سی دواؤن کا پتہ چلایا، صرع کی

[1] تاریخ عرب سیڈیلیو

مختلف قسمون کے علاج مین وہ فتیلہ اور پچھنے کے ذریعہ علاج پر زیادہ اعتماد کرتے تھے،
مزمن بخار مین ٹھنڈا پانی استعمال کراتے تھے، ان کے جراحون نے سنگ مثانہ اور آنکھ
قدح کرنے کے ایسے آلات ایجاد کیے تھے جن کے ذریعہ پتھری توڑ کر نکال دیتے تھے، اور
حریم عبدسی شفاف کو (آنکھ کا دہ منجمد اور ناقص مادہ جو موتیابند وغیرہ مین پیدا ہوجاتا ہی)
نکال لیتے تھے، اور تاریخ عام مین ہے کہ "اگرچہ اس مجد و شرف سے جو عربی طب کو حاصل
ہے، یہ ظاہر نہین ہوتا کہ اس مین ان کے نظریات بہت دقیق تھے، تاہم اتنا ضرور ثابت ہوتا ہی کہ
طب مین ان کے مشاہدات عاقلانہ اور ان کے تجربات ماہرانہ تھے اور عرب اطبا کو اس
فن مین بڑی عملی مہارت حاصل تھی، جدید کیمیا کی بنیاد سب سے پہلے زکریا رازی اور ابن جابر نے
رکھی اور انھون نے حیات بخش اور اعادۂ شباب کرنے والی اکسیر کو دریافت کرنے کی کوشش
کی، وہ حجر الفلاسفہ سے بھی واقف تھے، جو دوسری دھاتون کو سونے مین تبدیل کر دیتا ہی
اور ان کے یہ مباحث محض خیالی نہین بلکہ علمی تھے، کیونکہ وہ تقطیر، تصعید، تجمید اور حل[1] سے
پوری طرح واقف تھے، اور انھون نے شکر اور گاڑھے نشہ آور مواد سے الکحل بنا لیا تھا،

ایک زمانہ دراز تک صرف عربی حکومت مین بسنے والی قومین زراعت کی ماہر، اچھی
کاریگر اور دنیائے قدیم کی سب سے حوصلہ مند تاجر تھین، اور عربون نے بابل، شام اور مصر سے زراعت
کے جو طریقے سیکھے ان کو ترقی دیکر مستقل فن بنا دیا، انھون نے اس کے نظریات قدیم کتابون
سے حاصل کیے، مگر اپنی تحقیقات اور تجربون سے اس مین بڑا اضافہ کیا، اور ان کو عملاً انتہائی
مہارت کے ساتھ استعمال کیا، اس زمانہ مین جب کھیتی کرنا ادنی اور پست درجہ کا کام سمجھا جاتا
تھا، عرب کے اونچے طبقہ کے لوگ تک اس مین عار نہین سمجھتے تھے،

---

[1] مقطر کرنا، کسی مادہ کو آگ سے اڑا دینا، رقیق مادہ کو جمانا، تحلیل کرنا " م "

ایران، اندلس، سسلی اور افریقہ مین عربون نے معدنیات سے بھی فائدہ اٹھانے کی جانب توجہ کی، چنانچہ اسپین کے عرب وہان کی کانون سے پارہ، توتیا، لوہا، سیسہ، چاندی اور سونا نکالتے تھے، سسلی مین جس قدر معدنیات تھے، وہان کے مسلمان ان سب کو نکالتے تھے، جس مین چاندی اور سونا بھی تھا، غرض مشرق و مغرب مین عربون کے مقبوضہ ملکون مین جس قدر کانین تھین، ان سب سے انھون نے فائدہ اٹھایا، چنانچہ خراسان کی کانون سے لوہا اور کرمان سے سیسہ اور رانگہ نکالتے تھے، انھون نے قار (ایک قسم کی وارنش جو کشتیون مین لگائی جاتی تھی) طوریس کا سنگ مرمر، اندرانی نمک اور گندھک وغیرہ ہر قسم کے معدنیات کو نکالا،

عربون کے اکتشافات وایجادات اور اس بارہ مین یورپ کے اکابر علما کی رائین

ڈریپر کا بیان ہے کہ "ہر چیز مین غور و فکر اور تجربہ و امتحان عربون کی عادت تھی، انھون نے ہندسہ اور ریاضی کے علوم کو قیاس کا ذریعہ بنایا، اور یہ امر خاص طور سے لحاظ کے قابل ہے کہ انھون نے میکنکس، سیالات اور بصریات کے بارہ مین جو کچھ سیکھا، اس مین صرف عقلی بحث و نظر پر اکتفا نہین کیا بلکہ ان کے پاس جو آلات تھے اس کے ذریعہ انھون نے اس کا علمی امتحان و تجربہ بھی کیا، اس سے ان کے لیے کیمیا کی ایجاد کی راہ کھل گئی، اور ان کو تصفیہ، تبخیر، آلات جر ثقیل کی ایجاد، علم ہیئت مین ربع دائرہ اور اصطرلاب کے استعمال اور کیمیا مین موازنہ کے اصول کو کام مین لانے پر آمادہ کیا جس کو اب تک کسی نے نہین کیا تھا، اور انھون نے قانون جاذبیت، نوعیہ اور علم ہیئت کی جدولین بنائین جیسی بغداد، اندلس اور سمرقند مین تیار کی گئی تھین، اس نے فن ہندسہ کے کلیات و اصول کی بہتر ترتیب حساب مثلثات کی ترقی، جبر و مقابلہ کی ایجاد اور حساب مین رقم کے ہندسون کی استعمال کا راستہ کھول دیا،

یہ ساری ترقیاں استدلال اور امتحان و تجربہ کا نتیجہ تھین، انھون نے علم ہیئت مین محض فہرست کے استعمال پر اکتفا نہین کیا، بلکہ افلاک مین مشاہدہ کیے ہوئے ستارون کے نقشے بھی بنائے اور ان مین سے اکثرون کے عربی نام رکھے، جو ابتک ہمارے فلکی کرون مین استعمال ہوتے ہین، انھون نے کرہ زمین کے درجہ پر قیاس کرکے اس کا حجم معلوم کیا، اور چاند گرہن اور سورج گرہن کے اوقات کی تعیین کی، آفتاب و ماہتاب کی گردش کے صحیح جدول تیار کیے، اور سال کی مقدار مقرر کی، اعتدالین کا صحیح وقت معلوم کیا اور ایسی باتین پیدا کین جن سے نظام عالم پر روشنی پڑتی ہے، مختلف اوقات مین صحیح وقت معلوم کرنے کے لیے علمائے فلکیات نے فلکی آلات ایجاد کیے، اس کے لیے انھون نے سب سے پہلے پنڈولم والی گھڑی استعمال کی، عملی علوم مین علم کیمیا ان ہی کی ایجاد ہے، اس کے بعض اہم اجزاء مثلاً گندھک کا ترشہ (سلفورک ایسڈ) چاندی کا ترشہ (سلور نائٹرڈ) اور الکحل دریافت کیے اور سب سے پہلے انہی نے علاج مین کیمیا سے کام کیا اور دواؤن کی ترکیب اور معدنی دواؤن کو پھیلایا اور میکنک مین سقوط اجسام کے طبعی قوانین متعین کیے اور قانون جذب و کشش اور میکانکی قوتون کے بارہ مین ان کی نہایت واضح اور مضبوط رائے تھی، انھون نے جاذبیت نوعیہ کے لحاظ سے سیال چیزون کے نقل اور ان کے وزن کا پہلا نقشہ مرتب کیا اور مادی جسمون کے پانی مین تیرنے اور ڈوبنے کے اصول پر مقالات لکھے اور علم البصر مین یونانیون کی اس غلطی کی اصلاح کی کہ آنکھ سے شعاع نکل کر مرئی چیز پر پڑتی ہے، جس سے وہ دکھائی دیتی ہے، اور یہ ثابت کیا کہ آنکھ سے نہین بلکہ مرئی چیز سے شعاع نکل کر آنکھ کے سامنے سے گذرتی ہے، اس سے وہ دکھائی دیتی ہے، اس سے یہ ظاہر ہوا کہ وہ روشنی کے انعکاس اور انکسار کے اصول سے واقف تھے،

اور انھون نے فضا مین شعاع منحنی کے راستہ کا انکشاف کر لیا تھا، اور اس پر یہ دلیل قائم کی تھی کہ سورج اور چاند طلوع سے پہلے اور غروب کے بعد تک نظر آتے ہین، آخر مین ڈریپر لکھتا ہے کہ یہ چیز بہتون کے لیے تعجب انگیز ہو گی کہ آج جن چیزون کو ہم فخریہ اپنی ایجاد بتاتے ہین، تحقیقات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرب ان کو ہم سے پہلے ایجاد کر چکے تھے قانون نشو و ارتقا کی جو تعلیم اس زمانہ مین ہوتی ہے وہ مدتون پہلے عربون کی درسگاہون مین ہوتی تھی، حقیقت یہ ہے کہ اسی کے ذریعہ انھون نے بہت سی آلی اور غیر آلی چیزون کا پتہ چلایا تھا، کیونکہ وہ علم کیمیا مین ان کا سب سے بڑا مبدا اور معدنی اجسام کا طبعی مظہر تھا[1]،

چارلس سینو بوس لکھتا ہے[2] کہ "عرب امرا نے نہرون کے ذریعہ آب پاشی کا طریقہ اختیار کیا اور بڑے بڑے کنوئین کھدوائے، اور جن لوگون نے پانی کے نئے منبعون کا پتہ چلایا ان کو انعامات دیے، اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے مختلف قطعون مین پانی کی تقسیم کی اصطلاحات وضع کین، اور اندلس مین آب پاشی کے لیے بڑی نہرون کا نظام قائم کیا اور پانی کی تقسیم کے لیے ان سے چھوٹی چھوٹی شاخین نکالین اور بلنسیہ کا جو میدانی علاقہ باغیچہ بن گیا ہے وہ آبپاشی مین عربون کی توجہ کی یادگار ہے، انھون نے اس کا مستقل محکمہ قائم کر دیا تھا، جس سے نہرون اور آبپاشی کے متعلق ہر قسم کے معلومات حاصل کیے جاسکتے تھے، ولیم ویلکاکس کا جو اس زمانہ مین نظام آبپاشی کا سب سے بڑا انجینیر ہے بیان ہے کہ "گذشتہ زمانہ مین عراق کی سیرابی کے لیے خلفا نے جو طریقے اختیار کیے تھے وہ اس زمانہ کے صوبہ جات متحدہ امریکہ اور اسٹریلیا کی سیرابی

---

[1] یعنی قانون ارتقا کی تعلیم کے ذریعہ انھون نے یہ تمام باتین پیدا کین [2] چارلس سینو بوس کی تاریخ تمدن

کے طریقون کے مشابہ ہین، مقدسی نے عکہ (شام) کی بندرگاہ کے جو اس کے دادا ابوبکر ہندس
کی نگرانی مین ابن طولون نے بنوائی تھی، حالات لکھے ہین، اور اس کی پوری تفصیل بیان
کی ہے، کہ اس نے گودی تک جہازون کے بحفاظت پہنچنے کے لیے کیا کیا طریقے اختیار
کیے تھے، سینوبوس نے یہ بھی لکھا ہے کہ عرب زراعت کی ان تمام قسمون کو جو ان کی
مملکت مین پائی جاتی تھین، کام مین لائے، اور نباتات کی بہت سی قسمین اسپین اور
سسلی مین پہنچائین اور یورپ مین اس کو اتنی ترقی دی کہ آج یہ چیزین خاص ان ملکون
کی پرانی پیداوار سمجھی جاتی ہے، مثلاً چاول، زعفران، نارنگی، لیموں، کھجور، زرد خربوزہ"
انگور، عطر، نیلا اور زرد گلاب، یاسمین، روئی اور نیشکر وغیرہ۔

عربون کو شام اور ایران مین جو قدیم صنعتین ملین ان کو انھون نے تمام اسلامی
ملکون مین پھیلا دیا، جس سے وہ انتہائی کمال کو پہنچ گئین، اور ان ہی سے یورپ کی
نئی صنعتین پیدا ہوئین سینوبوس نے ان مختلف صنعتون کا جن کو عربون نے مشرق سے یورپ
خصوصاً اندلس پہنچایا، ذکر کیا ہے، اور آخر مین لکھا ہے کہ "عربون کی وسیع سلطنت مین
ایک سے دوسرے تک مختلف قومین اسی امن وسکون کی زندگی بسر کرتی تھین جیسی رومن کے
عہد مین عرب اپنے ملک کی پیداوار اور اپنے کارخانون کی مصنوعات کا دوسرے ملکون
کی چیزون سے تجارتی تبادلہ کرتے تھے اور ہندوستان و چین کا سفر کرکے صناع قومون
کی مصنوعات خرید کر یورپ کی بربری قومون کو بری اور بحری راستون سے پہچاتے تھے"
ریسن کا بیان ہے کہ[1] "تجارت کے میدان مین عرب سب قومون سے بازی لے گئے
انھون نے بحری پیشوں کو بڑی ترقی دی، جہازرانی کے حقوق کے قوانین بنائے اور

[1] عرب اور تجارت از ریسن، رسالہ مقتبس ج ۷

بحری قطب نما کے استعمال کا طریقہ چینیون سے حاصل کیا اور تجارت کو بک کیپنگ کے ذریعہ نہایت مرتب و منظم کر دیا، کفالہ کی شرح کی اور غبار او، حاجت مندون کے لیے بینک قائم کیے اور بل آف اِکسچنج اور (رقمی تبادلہ کے لیے بنڈی) کا طریقہ وضع کیا اس طرح انھون نے جدید یورپ کے لیے بینکنگ سسٹم کا راستہ ہموار کرایا، وہ جہان قیام کرتے تھے راستون کو درست کرتے، کشتیون کے ٹھہرنے کے گھاٹ اور جہاز کی گودیان بناتے، سراؤن اور خانقاہون کو درست کرکے قافلون کے سفر کا نظام قائم کرتے، اسلامی شہر تجارت کے بڑے مرکز تھے...... اس کے بعد ریسن اسلامی شہرون کے ایک دوسرے سے ربط و تعلق، پایہ تختون کی آبادی کی تعداد اور اس کی ہماہمی کے تذکرہ کے بعد لکھتا ہے کہ "اگر ان باتون پر تم کو تعجب ہوتا ہے تو اس پر تعجب کرنا چاہیے کہ عربون کے مسلسل سفرون کی وجہ سے ان مین جغرافیہ کے کیسے کیسے اساتذہ پیدا ہوئے، جنھون نے بہت کم مدت مین بطلیموس کی کتاب کی درستی و اصلاح کر دی اور ایسے نئے نئے ملک دریافت کیے جہان ان کے علاوہ اور کسی کا قدم نہین پہنچا تھا اور انکے نقشے تیار کرکے اہل یورپ کے لیے سیر و سیاحت کو پسندیدہ بنا دیا،

سینو بوس کا بیان ہے کہ "جبر و مقابلہ کی پہلی کتاب عرب علماء نے لکھی، اور ان کے علمائے جغرافیہ نے ان دور دراز ملکون کے حالات تحریر کیے، جن مین قافلے آتے جاتے تھے، اور طب یونانی سے تجزلی طب یعنی جڑی بوٹیون اور حبوب کی طب پیدا کی، ان کو سب سے زیادہ علم کیمیا سے دلچسپی تھی، ریسن کا بیان ہے کہ "اتنی جلد دنیا مین عربون کی حکومت کی توسیع کے ساتھ ساتھ ان کے تمدن کے پھیلاؤ اور اس کی اشاعت سے ان کی تہذیب کی بلندی و برتری کا اندازہ ہوتا ہے، یہ روشن اور درخشان تہذیب قرون وسطیٰ مین

بیزنطینی اور ایرانی تہذیب سے ملی جلی ہوئی تھی، یہ تمدنی امتزاج دو وجہون سے پورا ہوا
ایک تجارت سے عربون کا عشق دوسرے نوآبادیون کے قیام سے ان کی فریفتگی،
وہ اپنی غیر معمولی ذہانت و ذکاوت اور تمام چیزون سے حصول واقفیت اور تلاش
وتحقیق کے فطری شوق کی بنا پر علوم طبیعی اور ریاضی کی گہرائیون مین گھس جاتے تھے،
اسی شوق وتحقیق کی بنا پر انھون نے کیمیا کا فن ایجاد اور اس مین کمال حاصل کیا، اور
ان علوم سے انھون نے زراعت اور صنعت وحرفت مین فائدہ اٹھایا، عربی رقمون
اور جبر ومقابلہ کی ایجاد، فن ہندسہ کی تدوین وتکمیل اور فلکیات مین ان کے کارنامے
رات اور دن کی تعدیل، اور آفتاب کے مقامات کے بارہ مین انکی تحقیقات ومباحث وغیرہ
تمام قومون پر ان کا بڑا احسان ہے، انھون نے اصطرلاب وغیرہ عجیب وغریب فلکی
آلات بنائے، انکے علماے کیمیا اور طبیبون نے الکحل، نوشادر، گندھک اور تیزاب
کے ترشے اور پانی کے خواص کی تحقیقات کی اور اپنی دواؤن مین کافور، راوندا ور
سنارنگی وغیرہ اپنے ملک کی بہت سی نباتات شامل کین، انھون نے اپنی جنگی معرکون
اپنے نامور بہادرون کے حالات کی تدوین، اپنے اشعار کی روایت اور فلسفہ، تاریخ،
اور علم الاجتماع کی تحریر مین سب قومون سے پہلے سبقت کی، اور سب سے پہلے ان ہی نے
ثابت کیا کہ ہر کروی مثلث مین اضلاع کے جیب ان کے مقابل کے زاویون کے تناسب
ہوتے ہین، وہ گندھک کے ترشے سے واقف تھے، اس کو انھون نے پھٹکری سے
مقطر کیا تھا، اور چاندی اور ترشے کے پانی، سونے کے سیال کرنے کے طریقے، نوشادر کے
نمک اور سنگ کی اور سنگ سلیمانی سے بھی واقفیت رکھتے تھے، انھون نے جو اکتشافات
کیے تھے ان سے وہ طب، صنعت وحرفت اور لڑائیون مین فائدہ اٹھاتے تھے، وہ عمارتون

پتھر اور سنگ مرمر وغیرہ کو جوڑنے کا مسالہ بنانے سے بھی واقف تھے، اس کا راز انھون نے رومیون سے حاصل کیا تھا، انھون نے غالباً چینیون سے بھی پہلے توپ کی بارود بنائی تھی لیکن اہل یورپ سے تو بہر حال پہلے بنائی تھی، اور عرب فوجین اس کو تیرہوین صدی سے استعمال کرتی تھین، وہ اپنے ترقی کے ابتدائی زمانہ ہی سے زمین کے کروی ہونے کے قائل تھے، اور انھون نے کاشانی پر دون کی صنعت کی جانب خاص توجہ کی، اس کے بنانے کے طریقون اور اس کی شکلون مین بڑا تغیر پیدا کیا، قرون وسطی مین ان کے بنائے ہوئے شیشہ کے برتن اور رنگین قندیلین بہت مشہور تھین، یہ مصنوعات شام سے وینس کے کارخانون مین گئین اور انھون نے ان ہی کے نمونے پر یہ چیزین اپنے یہان تیار کین، اہل وینس نے آئینہ بنانا بھی ان ہی سے سکھا جو صور (شام) مین بنایا جاتا تھا، اسی طریقہ سے دمشقی تلوارون اور پارچہ بافی کی بعض صنعتین شام و عراق سے اندلس گئین، چنانچہ ایک کپڑا دمشق کی نسبت سے دمقس اور ایک موصل کی نسبت سے موسلین کہلاتا تھا، پھر یہ صنعتین سارے یورپ مین پھیل گئین۔

ایک مدت تک یورپ مین فلکی و ریاضی و طبی فنون عربون کی تصانیف سے حاصل کیے جاتے تھے، ساتوین صدی مین اور اس کے بعد تک بحر متوسط کی سیادت عربون کو حاصل تھی، اس لیے انھون نے اطالویون اور فرانسیسیون کو بہت سے عربی الفاظ دیے، اور اہل فرانس کی طب کی بنیاد عربی طب پر تھی، اس وسیلہ سے انھون نے بہت سے عربی الفاظ اختیار کیے، عرب سات صدیون سے فرانس اور اٹلی کے بہت سے شہرون مین مختلف علوم و فنون اندلس سے پہنچاتے رہے، اور بعض اہل یورپ نے علوم طبعی ریاضی، فلکیات، کیمیا وغیرہ بہت سے علوم عرب علماء اور ان عربی کتابون سے سیکھے جنکی

اصلین ضائع ہو گئی تھین، اور صرف ان کے لاطینی ترجمے باقی رہ گئے تھے، اور طبعی معلومات تر تمام تر انھون نے عربون ہی سے حاصل کیے، اور سترہوین صدی تک ان کا مدار تمام تر ان ہی پر تھا، سینوبوس کا بیان ہے کہ "مشرق کی ایجادات جن جن راستون سے یورپ پہنچین، انکی تجدید بہت دشوار ہے، وہ فلسطین کے صلیبیون کے ذریعہ بھی یورپ گئین، اطالوی تاجرون کے ذریعہ بھی اور سسلی کے عربون اور اسپین کے مغربیون کے توسط سے بھی، اور ہم پر عربون کا جو قرض ہے اس کا حساب کیا جا سکتا ہے، اگرچہ اس کی تفصیل بہت طویل ہے، عربون کے ذریعہ ہمارے یہان نباتات مین گیہون، مار گیاہ، انگور کی بیلین، کتان، شہتوت، زعفران، چاول کھجور کے درخت، لیمو، نارنگی، کافی، ذوبی، شکر، زینت و آرایش کے سامانون مین دمشق کے سوتی کپڑے، مدیغ کھالین، روپہلے اور سنہرے تارون کا حریہ (زربفت) نشانش موصلی (ایک قسم کا کپڑا) باریک سادے اور بوٹی دار کپڑے، مخمل، نقرئی سامان، شکر، مٹھائیون اور مشروبات کے بنانے کے طریقے، علم و فن مین جبر و مقابلہ، حساب مثلثات، کیمیا، عربی رقم (جن کو عربون نے ہندوون سے لیا تھا اور جن کے ذریعہ مشکل سے مشکل حساب آسانی سے حل کیا جا سکتا ہے) وغیرہ ہمارے بہت سے علوم کے مبادیات عربون کے ذریعہ آئے اور انھون نے مشرق کی دنیائے قدیم یونان، فارس، ہندوستان اور چین وغیرہ کے علوم و ایجادات وغیرہ کو نقل کر کے جمع کر دیا، اور ان کو ہم تک پہنچایا، ہماری زبان مین بہت سے الفاظ داخل کیے جو آج بھی اس کے شاہد ہین کہ وہ کہان سے لیے گئے ہین"

عربون ہی کے ذریعہ مغربی دنیا جو وحشت و بربریت مین مبتلا تھی، تہذیب و تمدن سے ہم کنار ہوئی، اگر ہمارے افکار اور ہماری صنعتون کو قدیم سے کوئی تعلق ہے تو وہ تمام ایجادات و اختراعات جو زندگی کو سہل اور لطیف بناتی ہین، سب عربون ہی کے ذریعہ ہمارے

یہاں آئین، اہل یورپ نے عربون سے جو صنعتیں سیکھیں ان میں بانات بافی کی صنعت بھی ہے
بنیرہ (اٹلی) کے جو باشندے بجایہ (الجیریا) میں رہتے تھے، انھون نے موم بتی کی صنعت
ان ہی سے سیکھی، اور یہیں سے اس کو اپنے ملک اور یورپ کے دوسرے ملکون مین پہنچایا،
سینو بوس کا یہ بھی بیان ہے کہ "اموی خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کا اسپین، فرانس، جرمنی اور
صقلبی ملکون سے ہمیشہ ربط رہا ہے، اس کا یہ نتیجہ تھا کہ ٹولوز (فرانس) کا قصر شاہی قرطبہ
کے شاہی محلات کا مثنی تھا، جس مین شعر و ادب کی محفلین جمتی تھین اور شعراء مین مقابلہ ہوتا
تھا، ایک فرانسیسی امیر ۹۹۹ء مین جب فرانس کے تخت پر بیٹھنے کے لیے پیرس آیا تو اس نے
وہ تمام باتین جو عربون سے سیکھی تھین سب یہان رائج کردین، اور پیرس کے اخلاق و
زبان کو یکسر بدل دیا، فرانس کے شاہی خانوادون کے تیسرے خانوادے کے بادشاہ ہر چیز
مین عربون کی تقلید کرتے تھے، اور فرانسیسیون نے سان لوئی کے صلیبی حملہ مین جس کا سلسلہ
کئی سال تک جاری رہا، بہت سی چیزین عربون سے حاصل کین، اسی زمانہ مین انھون نے
دو فرانسیسی قیدیون کے ذریعہ جو عرصہ تک دمشق مین قید رہے تھے، ورق سازی کی
صنعت سیکھی، یہ دونون قیدی جب رہا ہو کر اپنے ملک واپس گئے تو اس مفید صنعت کو
فرانس مین پھیلا دیا، یورپ کے بہت سے بادشاہون خصوصاً اطالوی اور فرانسیسی سلاطین
کے باڈی گارڈ عرب تھے"، سیدیلیو لکھتا ہے کہ "بعض اہل یورپ کا خیال ہے کہ صنعت و
حرفت کی ترقی مین عربون کا کوئی کارنامہ نہیں ہے، حالانکہ وہ تمام صنعتون کے ماہر اور
چمڑے کی دباغت، ڈھلائی کے کامون، اسلحہ کی جلا، اور مختلف قسمون کی پارچہ بافی مین
مشہور اور ان تمام صنعتون کے بڑے ماہر تھے جو قینچی اور نقاشی کے اوزار کے ذریعہ
بنائی جاتی ہین، ان کی تیغ پران، ہلکی اور ٹھوس زرہین، اونی فرش (قالین) اون، ریشم،

اور کتان کی بنی ہوئی چیزیں، ان فنون میں ان کی مہارت کی شاہد اور اس زمانہ کی کشمیر
کی مصنوعات کے نمونے اس کا ثبوت ہیں، رینو اپنی کتاب "فرانس پر حملہ" میں لکھتا ہے
کہ "جب عربوں نے اندلس سے جنوبی فرانس پر حملہ کیا اور امیر سمح خولانی، عنبسہ کلبی اور
حر ثقفی کی قیادت میں فرانس کے مشہور شہر ناربن قرقشونہ اور لیون فتح کیے، اس وقت
وہ ایسے اعلیٰ درجہ کے اسلحہ سے مسلح تھے کہ ایسے اسلحہ فرنگیوں کے پاس نہیں تھے"۔
لیبان لکھتا ہے کہ "تعلیم اور بحث و تحقیقات کے لیے کتب خانے، معلومات کے دوسرے
ذرائع اور آلات و اوزار اگرچہ ضروری وسائل ہیں، لیکن ان کی حیثیت وسیلہ اور ذریعہ
سے زیادہ نہیں ہے۔ اصل قدر و قیمت ان سے فائدہ اٹھانے کے طریقوں کی ہے، فرض
کیا کہ ایک شخص دوسری قوم کے سارے علوم و فنون کو پی جاتا ہے لیکن وہ خود ان پر
غور و فکر کرنے اور ان میں اپنی جانب سے کوئی جدت یا ایجاد کرنے کی استعداد نہیں رکھتا،
تو وہ ہمیشہ شاگرد ہی رہے گا، اس میں استاد بننے کی صلاحیت کبھی پیدا نہ ہوگی لیکن عربوں
کا حال اس سے مختلف تھا، وہ اگرچہ ابتدا میں پرانے یادگار علوم کے شاگرد تھے، اور
یونانی تالیفات ان کی استاد تھیں، لیکن اسی زمانہ میں وہ اس نکتہ سے واقف ہو گئے تھے
کہ ذاتی تجربہ اور مشاہدہ بہترین کتابوں سے زیادہ قیمتی ہے، یہ حقیقت آج اتنی مسلم ہے
کہ کوئی نئی بات شمار نہیں کیجاتی، لیکن گذشتہ زمانہ میں ایسا نہیں تھا، اور قرون وسطیٰ
کے علما اس حقیقت سے واقفیت کے بغیر ایک ہزار سال تک علمی کاموں میں مشغول رہے
تجربہ و مشاہدہ کی ابتدا جو علمی بحث و تحقیقات کے جدید طریقوں کی بنیاد ہے، بیکن کی طرف
منسوب کی جاتی ہے، حالانکہ اب اس کا اعتراف کرنا ضروری ہے کہ یہ طریقہ تمامتر عربوں
کی ایجاد ہے، ان تمام علماء کی جنھوں نے عربوں کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے، خصوصاً"

ہامبولڈ کی یہی رائے ہے، اس کا بیان ہے کہ "عرب عملی علم مین جس درجہ کو پہنچے تھے، اس سے قدما مین سے کوئی بھی واقف نہین تھا" سیدیلیو لکھتا ہے کہ "بغداد کا مدرسہ اپنے قیام کے آغاز ہی مین صحیح معنون مین علمی فکر ونظر کے لیے مشہور ہو گیا تھا، اور عربون کے کامون پر اس کا بڑا اثر پڑا تھا، اور اسی فکر ونظر کے ذریعہ ان کا دماغ معلوم سے غیر معلوم چیزون تک پہنچا اور انھون نے مسبب کے اسباب کا پتہ چلانے کے لیے محسوس چیزون کے اسرار و حقایق معلوم کیے، اور صرف ان ہی چیزون کو تسلیم کیا جو تجربہ سے ثابت ہو سکین، اور آج کے علما، اسی اصول کی تلقین کرتے ہین جس پر عرب ساتوین صدی سے پوری قدرت کیسا عامل تھے، اور جس کو نئے علما و محققین نے اپنے اکتشافات کا ذریعہ بنایا، قرون وسطی مین جب یورپ کا علم محض درسی کتابون کی تعلیم اور معلمین کی آیون کی تردید کرنے تک محدود تھا اس وقت عرب علما، اپنی تحقیقات مین تجربہ ومشاہدہ سے کام لیتے تھے، اور ان دونون کا فرق ظاہر ہے، علمی درس وتحقیقات مین عربون کے طریقہ کا اس وقت تک پورا اندازہ نہین ہو سکتا جب تک اس پر گہری نگاہ نہ ڈالیجائے،

تجربہ ومشاہدہ پر اعتماد کی بنا پر عرب ساری دنیا پر بازی لے گئے، اور ایک مدت دراز تک اس مین وہ منفرد رہے، انھون نے اس طریقہ (عملی تجربات) کی قدر وقیمت کو پہچانا، یونان مین کیمیا وغیرہ مین ایک تجربہ کرنے والا بھی پیدا نہین ہوا، اور عربون مین سیکڑون تھے، ان کے ان ہی تجربات کی بدولت ان کے علمی کامون مین ایسی وضاحت و جدت پائی جاتی ہے جس کی توقع ان لوگون سے نہین کی جاسکتی جو تجربہ ومشاہدہ کو صرف کتابون مین پڑھتے ہین، تجربہ ومشاہدہ کی عادت کی بنا پر عرب ان علوم مین جنکو تجربہ ومشاہدہ سے علاقہ نہین ہے، مثلاً فلسفہ، ان مین، کوئی ایجاد وندرت نہ پیدا کر سکے،

اور تجربہ کے ان طریقون کی بنا پر جن مین ان کو اولیت حاصل ہے وہ تین چار صدیون تک نہایت اہم تحقیقات واکتشافات کراتے رہے، جو یونانی اس سے کہین زیادہ طویل مدت مین بھی نہ کر سکے تھے۔ قدیم علوم کا ذخیرہ عربون سے پہلے یونان مین منتقل ہوا تھا مگر وہ ایک مدت دراز مین بھی ان سے کوئی بڑا فائدہ نہ اٹھا سکے اور عربون نے اس پورے ذخیرہ کو آیندہ نسلون کے لیے منتقل اور محفوظ کر دیا، انھون نے صرف اپنی ایجادات کے ذریعہ علم کو ترقی دینے پر قناعت نہین کی بلکہ اپنی یونیورسٹیون اور کتابون کے ذریعہ ان کو پھیلایا، درحقیقت اس حیثیت سے انھون نے بڑا عظیم الشان اثر ڈالا، اور چند صدیون تک ان ہی کو نصرانی قومون کی استادی کا درجہ حاصل رہا، یونانی اور لاطینی تہذیب سے ہماری واقفیت کا سہرا ان ہی کے سر ہے۔ اب اس دور جدید مین جا کر ہماری یونیورسٹیون سے عربون کی کتابون کے تراجم پر اعتماد ختم ہوا ہے اور انھون نے ان سے اخذ و استفادہ بند کر دیا"

انجینرنگ اور نقش و تصویر مین عربون کی جدتین

انجینیرنگ مین عربون کی ایجادات کا اعتراف ہر واقف کار کو ہے اور کسی معترض کو بھی اس سے اختلاف نہین، اگرچہ عربون نے کسی خاص قسم کی عمارہ مین اختراع نہین کین، لیکن انکے فن تعمیر مین زینت و آرائش اور لطافت سے ان کا شغف ظاہر ہوتا ہے، انھون نے بیلون کی محراب اور پچہ کاری کے نقش و نگار ایجاد کیے، اور اپنی عمارتون مین گنبدون، جھتون اور بیلوان اور پھولون کی بٹیون سے جدت پیدا کی، ان کی جامع مسجدون اور قصور و محلات مین ایسی حسن و خوبی پائی جاتی ہے جن مین کبھی کہنگی نہ پیدا ہوگی، اور وہ ہمیشہ نقش و نگار اور زینت و آرائش سے عربون کے شغف کا ثبوت دیتے رہین گے، ایک فرنگی عالم کے بقول "عربون کی عمارتین کیا ہین

مشرق کے پھولدار کپڑے، ہین جن مین بننے والون نے مختلف رنگون کی آمیزش اور نقش آرائی سے تفنن اور بوقلمونی پیدا کی ہے" لیبان نے عمارتون خصوصاً یورپ کی انجینیرنگ مین عربون کے اثرات پر ایک خاص باب لکھا ہے، اس مین وہ لکھتا ہے کہ بعض لوگون کا یہ دعوی کہ گاتھ کا فن تعمیر عربون سے ماخوذ ہے، سراسر وہم ہے، جب ہم تیرھوین صدی کی کلیسائی گاتھ عمارتون کا اس زمانہ کی مسجدون سے موازنہ کرتے ہین تو دونون کے طرز تعمیر مین نمایان اختلاف نظر آتا ہے، ہر زمانہ کے فنون اپنے دور کی ضرورتون اور اس عہد کے لوگون کے ذوق ورجحان کا مظہر ہوتے ہین، اس لیے مغرب کا طرز تعمیر مشرق کے عربی طرز تعمیر سے مختلف ہے، البتہ گاتھ نے تزئین وآرایش کی بہت سی چیزین عربون سے لی ہین، فرانس کے بعض گرجون مین پتھرون پر عربی حروف کندہ اور بعض قلعون پر عربی طرز کے تاج بنے ہوئے ہین، فرانس کے بہت سے گرجون خصوصاً ان شہرون کے کتبون پر جن کا مشرق سے زیادہ علاقہ رہا ہے، عربی طرز تعمیر کا اثر ہے، صلیبیون نے فن تعمیر مین منارون مین موذن کے بٹھنے کی جگہ بالکنی اور چھت دار چھجے پاسبانی کے برج[1]، بلند کنگرے، جالی دار، چار دیواری وغیرہ بہت سی چیزین مشرق سے حاصل کین، فرانسیسیون نے بہت سے غیر ملکی انجنیرون سے کام لیا ہے جن مین عرب بھی تھے، حتی کہ فرانس کے پایہ تخت کے مشہور گرجے "نوتردام دی پاری" کی تعمیر مین عرب بھی شریک تھے، اور اسپین کے طرز تعمیر مین عربون کا اثر اظہر من الشمس ہی۔۔۔۔

قومین مرٹ جاتی ہین، ان کی کتابین جل جاتی ہین، مگر انھون نے دوسری قومون پر جو اثرات ڈالے ہین وہ دھاتون سے زیادہ پائدار ہوتے ہین اور ان کو انسانی

[1] یعنی جن سے دشمنون یا اجنبیون کی دیکھ بھال اور نگرانی کی جاتی ہے،

طاقت نہین مٹا سکتی ''

آگے چل کر لیبان کہتا ہے کہ "جو شخص مسجدون، محلات اور عربون کے دوسرے منقولہ اور غیر منقولہ آثار پر نظر ڈالے گا وہ اس کی شہادت دے گا کہ وہ کوئی نمونہ سامنے رکھکر نہین بنائے گئے ہین، اور ان مین جدت وایجاد محسوس اور نمایان نظر آئے گی، البتہ عربی تہذیب کے ابتدائی زمانہ مین جب وہ اوج وشباب پر تھی، اس مین ایرانی اور رومی صناعی کی تقلید نظر آتی ہے، مگر یہ کوئی نئی بات نہین ہے، ہر قوم اپنی پیشرو قومون کی صنعتون سے اخذ واستفادہ کرتی ہے، اور یہ کلیہ ہر قوم پر صادق آتا ہے، کچھ دنون پہلے تک یہ یقین کیا جاتا تھا کہ یونانی فنون بغیر نمونے اور مثال کے پیدا ہوئے مگر جدید تحقیقات سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے پیشرو آشوریون اور مصریون سے ماخوذ ہین اس لیے عرب، یونان، روما، فنیقی اور یہود وغیرہ سب نے اپنے ماضی سے فائدہ اٹھایا ہے، اور ہر قوم نے دوسرون سے کچھ نہ کچھ لیا ہے، اور اپنے امکان بھر اس مین اضافہ کیا ہے، اس لیے محض اس بنا پر کہ عربون نے اپنے کامون کے ابتدائی اصول اپنی پیشرو قومون سے اخذ کیے ہین، یہ گمان کرنا صحیح نہین ہے کہ ان کے کسی فن مین جدت وایجاد نہین ہے، در اصل جدت وایجاد مین یہ دیکھنا چاہیے کہ ایک قوم کو دوسری قوم سے جو مواد ملا ہے اس کو کتنی جلد اس نے اپنی ضرورت کے مطابق بنا کر ایک نیا فن پیدا کر دیا، اس وصف مین کوئی قوم عربون پر فوقیت نہین لیجا سکتی انکی قوت ایجاد، ان کی پہلی عمارتون مثلاً مسجد قرطبہ مین نمایان ہے، انھون نے بہت جلد دوسری قومون کے فن کارون کے دلون مین یہ یقین پیدا کر دیا کہ وہ ایسے جدید طریقون سے کام لیتے تھے جس مین فن کی پوری مہارت اور حذاقت موجود تھی، قدیم معبدون

کی عمارتوں کا جو نمونہ ان کے سامنے تھا، ان کے شکوہ اور عظمت و وسعت اور ان کے ستونوں میں کوئی تناسب نہیں تھا، عربوں نے اس عیب کو اس طرح دور کیا کہ وہ ستون پر نہایت خوبصورت محرابیں دیکر ان پر چھت دیتے تھے، اگر عربوں کے بجائے ترک ہوتے تو ان کے کند ذہنوں میں یہ بات ہرگز نہ آتی، جو قومیں عربوں کی محکوم رہ چکی ہیں وہ عربوں سے پہلے کے طرز تعمیر میں کوئی جدت نہ پیدا کر سکیں، اس لیے ان کی تعمیر کردہ عمارتوں میں تقلید نمایاں ہے، ان کے مقابلہ میں عربوں نے جو عمارتیں بنائیں، مثلاً اسپین کے محلات اور قاہرہ کی جامع مسجدیں، ان کے پرانے ماخذ کو انھوں نے اس انداز سے بدل دیا اور اس میں اتنی جدتیں پیدا کیں کہ آج یہ بتانا دشوار ہے کہ یہ طرز کہاں سے آیا،"

اس کے بعد لکھتا ہے کہ "جو شخص ان ادبی اور فنی کاموں پر نظر ڈالے گا جو عربوں کے ہاتھوں تکمیل کو پہنچے، اس کو یہ نمایاں طور پر نظر آئے گا کہ انھوں نے ہمیشہ فطرت کو سنوارنے کی کوشش کی اور عربی فن میں ان کی فطرت کا ظہور تخیل، حسن و زیبائی، روشنی زینت و آرایش اور نزاکت و نفاست کی شکل میں ہوتا تھا، اس لیے کہ عرب شاعر قوم تھے، اور شاعر اور فن کار میں بڑی یکسانیت ہوتی ہے، وہ اتنے دولت مند ہو گئے تھے کہ انھیں اپنے خوابوں کو حقیقت کا جامہ پہنانے کا موقع مل گیا، اور انھوں نے ایسے نادرۂ روزگار محلات تعمیر کیے جو دیکھنے والوں کو سونے اور جواہرات سے مرصع، مرمریں عمارتیں معلوم ہوتے ہیں، کوئی قوم بھی آج تک اتنے عجائبات نہ پیدا کر سکی جتنے عربوں نے پیدا کیے، ہر قوم فنی مہارت میں ان کی مقروض ہے، ان عمارتوں کا مقابلہ اس زمانہ کی عمارتوں سے کرنا جن میں آج انسانیت داخل ہوئی ہے، نہایت لغو ہے، ان کے مقابلہ میں اس زمانہ کی صناعیاں نہایت مبتذل ہیں جن کا مقصد صرف نفع اندوزی ہے اور

جن مین کوئی کیفیت اور آب و رنگ نہین ہے"،

ایک دوسرے مقام پر لکھتا ہے کہ "عربون نے ساتوین صدین مین جب یونانی اور رومن کی دنیاے قدیم کے بڑے حصہ کو فتح کرکے یہ عظیم الشان سلطنت قائم کی تو اسکے ساتھ ہی ان کی حکومت اسپین سے وسط ایشیا اور پورے شمالی افریقہ تک پھیل گئی، اور یونانی فن تعمیر سے جو مستقل فن کی حیثیت رکھتا تھا، ان کا سابقہ ہوا، اس لیے شروع مین انھون نے اسپین و مصر و شام کی جامع مسجدون کی تعمیر مین اس سے فائدہ اٹھایا بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ، مصر کی جامع عمرو بن العاص وغیرہ اس کا ثبوت ہین، لیکن زیادہ زمانہ نہین گذرا تھا کہ ملکون اور زمانہ کے اختلاف مذاق کے ساتھ عمارتون کا طرز اتنا بدل گیا کہ اسلامی فتوحات کے ابتدائی دور کی تعمیر کردہ عمارتون مثلاً جامع عمرو بن العاص قاہرہ (۶۴۲ء) اور آخری ترکی دور کی عمارتون مثلاً جامع قائتبائی ۱۴۷۸ء مین کوئی ادنیٰ مشابہت بھی نظر نہین آتی"[1]

میجون لکھتا[2] ہے کہ "اس سے انکار نہین کیا جاسکتا کہ اس تہذیب کی تعمیر مین عربون کا بڑا حصہ ہے، وہ اس کے بانیون مین تھے، انھون نے مختلف عناصر کو ایک متناسب قالب مین ڈھال کر ایک نئی تہذیب پیدا کی جس پر ان کی عظمت اور حسن مذاق کا نقش چھپا ہوا تھا، عربون کی فتوحات اور مشرق، شمالی افریقہ اور اسپین تک انکی حکومت کی توسیع پر ایک صدی بھی نہ گذرنے پائی تھی کہ ان کے اثر سے مفتوحہ ملکون کا نظام اجتماعی یکسر بدل گیا، اور ایک نئے دین، نئے نظام اور نئے اخلاق نے اس کی جگہ لے لی، اسی قسم کا تغیر ان ملکون کی صنعتون، علوم و فنون اور ان کی ضروریات زندگی

[1] قومون کی ترقی کے نفسی قوانین، لیبان [2] المجمع العلمی ج ۵

مین بھی پیدا ہو گیا، اور بحر ظلمات سے لیکر بحر ہند تک ان ملکون کی وحدت ایک حکومت کی ماتحتی، اس کے مکمل نظام، عسکریت کی جانب ان کی توجہ اور فریضۂ حج مین مسلمانون کے اجتماع نے تمام دنیا کے مسلمانون کے درمیان تعارف آسان کر دیا، اس وسیلہ سے مختلف ملکون کے مسلمانون کو دوسرے اسلامی ملکون کی جو چیز پسند آتی تھی، اس کو وہ اپنے ملک مین لیجاتے تھے، اسی لیے مغرب کی قدیم ترین اسلامی عمارتون مین مشرق کا اثر نظر آتا ہے، مثلاً قرطبہ کی جامع کبیر اور قیروان کی جامع سیدی یہ دونون اپنے طرز تعمیر کے اعتبار سے مغربی ہین، لیکن نقش و نگار اور زینت و آرایش کے لحاظ سے مشرقی،

فی الجملہ اندلس اور سسلی مین فرنگیون کا طبقہ خواص عربون کے ساتھ میل جول کیوجہ سے ان کے علوم اور تہذیب سے مستفید ہوا، اور صلیبی لڑائیون مین عربون اور فرنگیون کے عام اختلاط کی وجہ سے عوام و خواص دونون مستفید ہوئے، ان لڑائیون کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ فرنگیون نے مشرقیون کے عادات سیکھے، اور حمام کا استعمال اور ڈھیلے ڈھالے لمبے چوڑے لباس پہننا شروع کر دیے، لیبان لکھتا ہے کہ "صلیبیون نے اپنے ابتدائی حملون مین جو معرکہ آرائیان کین، وہ ایک ایسی تہذیب کے ساتھ وحشی دنیا کی لڑائیان تھین، جو تاریخ مین سب سے زیادہ ترقی یافتہ تہذیب تھی"،

رکیہ اپنی کتاب 'فن اور تاریخ' مین لکھتا ہے کہ "عربون نے اپنی مفتوح اور محکوم قومون سے علم و فن اور صنعت و حرفت کا جو ورثہ پایا اس مین انھون نے ان ہی کی درسگاہون کے ذریعہ کمال پیدا کرنا شروع کیا، اس لیے کہ وہ حکومت کی طرح فوراً کوئی نیا فن نہین پیدا کر سکتے تھے، اس کے باوجود تھوڑے ہی دنون مین ان مین بڑے بڑے مہندس، معمار، سنگتراش، مصور، اور نقاش پیدا ہو گئے، اور اس مین ان کو

اپنی کتاب (قرآن مجید) کے احکام اور اپنی شریعت کی کوئی مخالفت نظر نہین آئی،[له] انھون
نے ان فنون مین حصول کمال اور حذاقت پر اکتفا نہین کیا، بلکہ ان مین بڑا تفنن پیدا کیا،
ان کو پاک وصاف اور صحیح و درست کیا، ان مین حذف و اضافے کیے، اور ان مین اتنی
جدتین اور ندرتین پیدا کین کر ان کو بالکل عربی قالب مین ڈھال اور اسلامی رنگ مین
رنگ دیا، اس لیے ان فنون مین عربی روح نہایت واضح اور نمایان ہے، دوسرے
اثرات تو بالکل جذب ہو گئے لیکن عربی روح ان اثرات مین جذب نہ ہو سکی، اور
عربون نے اپنے ذوق کے مطابق ایسے فنون ایجاد کیے جو ان کی فطرت سے ہم آہنگ
ہون اور یہ فنون بجلی کی سی سرعت کے ساتھ انکی وسیع مملکت مین پھیل گئے۔

اسلامی فنون مین یہ امر خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ انھون نے مختلف ملکون
کے طبعی حالات کا ساتھ دیا اور ہر ملک کے مقامی خاص رنگ کو اختیار کیا، مگر اسکے
باوجود وہ فنون خواہ اندلسی ہون یا مغربی، صقلی ہون یا مصری، شامی ہون یا عراقی،
ایرانی ہون یا ہندوستانی سب کا سرچشمہ اور اس کی بنیاد شریف و معزز اسلامی تھی، جو
اسلام کے وقار و خودداری اور بہادری کی شہادت دیتے ہین، عربون نے جن چیزون
کو دوسرون سے لیکر ان کی اصلاح و تہذیب کی اور جو ایجادات و انکشافات انھون
نے خود کیے، یہ ان کا نہایت مجمل خلاصہ ہے، ان چیزون سے خود عرب بھی مستفید ہوئے
اور جدید تہذیب کو بھی اس سے فائدہ پہنچایا، یہ تمام کام انھون نے تنہا اور اپنی عقل و
تجربے سے انجام دیے، اس مین کوئی دوسری قوم ان کی شریک و سہیم نہین تھی، کیونکہ
اس زمانہ کی علمی تحقیق و ایجاد کا حال اس زمانہ سے مختلف تھا، آج ایک چیز کی تحقیق

له اسلام نے صرف جاندار چیزون کی تصویر بنانا حرام کیا ہے، باقی نقش و نگار اور دوسری چیزون کی تصویر کی کوئی مخالفت نہین کی ہے۔ (م)

وایجادین اتنے لوگ شریک ہوجاتے ہین کہ بعض اوقات کسی ایجاد واکتشاف کو کسی خاص قوم کیجانب منسوب کرنا محال ہوجاتا ہے، عربون نے اپنے عملی علوم کو بہت تھوڑی مدت مین پیدا کیا اور وہ بغیر کسی اعلان، اشتہار اور پروپگنڈے کے بہت جلد نمایان، درخشان وتابان ہوگئے اور شہرون سے لیکر دیہات تک پھیل گئے، اور ان کو انھون نے حلال اور پاکیزہ مال کی طرح یورپ پہنچایا اور ان کو جو کچھ دیا نہ ان پر اس کا احسان رکھا، اور نہ اس کی قیمت کے طلبگار ہوئے، مگر آج ان کے علمی صحیفے اور ان کے مسکن ایسے ویران ہوگئے کہ گویا کبھی تھے ہی نہین، اس پر مستزاد یہ ہے کہ ان کے دشمن شعوبیون نے ان کے درجہ کو گھٹانا اور ان کی چیزون کو کھوٹا ظاہر کرنا شروع کر دیا اور ان کی تنقید اور انکی تنقیص کو مستقل شعار بنا لیا ہے، حالانکہ اگر انصاف سے کام لیا جائے تو عرب صرف تعریف وستایش کے مستحق ہین،

گیارھوان باب

عربی شاعری اور فنون لطیفہ کا اثر یورپ پر

اندلسی موشحات[1] اور اندلس کے ادبیات مین اسپینی شاعری کلام

جب عربون نے شام عراق اور ایران مین سکونت اختیار کی تو ان کے ذہن و دماغ پر یہان کے ماحول کا اثر پڑا اور جب وہ اندلس پہنچے تو ان کی شاعری مین معنویت، مصوری اور تاثیر کی وجہ سے بڑی دلکشی پیدا ہوگئی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مشرق کی شاعری کی کوئی دوسری ہی قسم ہے، اس مین شاعری کے قوانین وضوابط کی پابندی کے ساتھ اشعار محض زبان سے نہین بلکہ دل سے نکلتے تھے، عربی اندلس مین علوم وفنون، زراعت وصنعت وحرفت کی وسعت وترقی نے اندلسی عربون کو اوج کمال تک پہنچنے مین بڑی مدد دی[2]، یہ سب کے سب علوم ومعارف کے لذت شناس اور ایسی چیزون کی ایجاد مین مسابقت کی کوشش کرتے تھے جن سے ان کو امتیاز حاصل ہوسکے، شاعری ان کا درجہ بلند کرتی تھی، چنانچہ قضاۃ کیلیے یہ ضروری تھا کہ وہ مختلف علوم مین دستگاہ رکھتے ہون تاکہ لوگون مین ان کا اعزاز ووقار قائم ہوسکے، اس لیے فن تعمیر، موسیقی اور شاعری وغیرہ فنون لطیفہ مین عربون کا درجہ بہت بلند ہوگیا،

---

[1] عربی شاعری کی ایک صنف کا نام موشحات ہے جو اندلسی عربون کی ایجاد ہے، یہ ایک زمانہ مین بڑی مقبول تھی [2] تاریخ سیڈیلو،

اور تعلیم کی عام اشاعت کی وجہ سے تمام اہل اندلس حتی کہ یہان کی عورتون تک نے ادب مین بڑی ترقی کی اور اندلس کے خاص خاص علاقون مثلاً شلب (Salvaterra) اور وادی آش (Guadix) مین شعروشاعری کا اتنا عام مذاق تھا[1] کہ کم لوگ ایسے تھے جو شاعر نہ ہون، یا اعلیٰ درجہ کے ادبی کامون سے دلچسپی نہ رکھتے ہون، اگر کسی کسان سے اس کے ہل بیل کے پاس جاکر کسی مضمون کے شعر کے متعلق سوال کیا جاتا تو وہ فی البدیہہ کہکر سنا دیتا،

موشحات کی ایجاد کا سہرا اندلسی عربون کے سر ہے، یہ صنعت شاعری افسردہ دل لوگون مین جوش وجذبہ پیدا کردیتی اور اپنی سادگی اور سلاست کی وجہ سے دلون مین اتر جاتی ہے، اندلسیون مین شعروشاعری کا جس قدرت مذاق تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہان کے آسمان نے ان پر ذوق شاعری کی کوئی ایسی وحی نازل کی تھی جو مشرق کے آسمان نے اپنے اور کسی حصہ پر نازل نہین کی،

شعروشاعری کے شیدائی موشحات کے نظم کرنے مین بڑے پر زور مقابلے کرتے تھے[2]، یہ صنف شاعری اپنی سادگی اور سہولت کی وجہ سے عام لوگون مین بہت پسندیدہ اور مقبول تھی اور شعرا نے معانی مین بڑی جدتین پیدا کین، اس کو ایک نئے حسین اور دلکش طرز سے سنوارا جس سے بعض پرانے قیود شاعری ٹوٹ گئے، عراق اور شام کی ترقی کے زمانہ مین جب یہان شعروشاعری کا زیادہ چرچا تھا، اس کو نیا تمدنی لباس پہنایا، مثلاً عراقی لباس (طرز) یا شامی لباس، یعنی مختلف ملکون کی شاعری کا طرز جدا جدا تھا (جیسے لکھنؤ یا دلی کی شاعری)

---

[1] معجم البلدان [2] مقدمہ ابن خلدون

عربون نے اپنی جو شعری روح مغرب مین پھونکی تھی، اس سے ان لوگون کو بڑی فریفتگی پیدا ہو گئی جو عربی زبان مین مہارت رکھتے تھے اس وقت تک بعض یورپین قومون مین شاعری نے ترقی نہین کی تھی، اور عربون کے ظہور کے زمانہ تک ان مین کوئی ایسا شاعر نہین پیدا ہوا تھا جو اپنی شاعری کے ذریعہ اپنی قوم کو سربلند کرتا، ان کی شاعری کا سارا سرمایہ کچھ گانے اور گیتین تھین، جو خواص کی شاعری سے زیادہ عوام کی شاعری سے قریب تھین، اندلس، سسلی اور جزائر بالیار[1] مین فرنگیون سے عربون کے اختلاط نے یورپ خصوصاً لاطینی قومون کو شعر کے معنی بتائے، اور ان کو اس کی جو صنف پسند اور اپنے مذاق کے مطابق نظر آئی اس کو انھون نے عربون سے سیکھا، عرب شاعری کے علاوہ ادب کی اور اصناف مثلاً رزم و بزم، عشق و محبت اور شہسوارون کی داستانون کو بھی کام مین لائے[2]، ان داستانون کے حیرت انگیز واقعات نے دلون مین بڑا اثر پیدا کیا، اس لحاظ سے عرب بے نظیر فنکار تھے جن کی مثال نہین مل سکتی، وہ اسپین مین شہسوارون کی داستانون کے موجد تھے[3] عربون کا دستور تھا کہ وہ روزانہ شام کے وقت اپنے خیمون مین جمع ہو کر حیرت انگیز داستانون کو سنتے تھے، اور غرناطہ مین اس داستان سرائی کے ساتھ رقص و سرود بھی ہوتا تھا۔

اہل اسپین کے تاریخی قصائد اور اسپینی موالیا[4] عربی شاعری سے ماخوذ یا انکا ترجمہ ہین، ان مین ان کے تہوارون، انگوٹھی کے کھیل، سانڈون کی لڑائیون اور شہسوارون کے رقص کا ذکر ہوتا تھا، خاص اسپینیون نے ان مین سے کوئی چیز بھی پندرہوین صدی سے پہلے

[1] جزائر شرق الاندلس میورقہ اور منورقہ وغیرہ، م [2] تمدن عرب لیبان [3] تاریخ سیڈلیو،

[4] موالیا اسپین کی عربی شاعری کی ایک قسم ہے جس کے آخر مین یا موالیا کا ٹکڑا ہوتا تھا،

نہین پیدا کی، عربون کی اس خوش مذاقی نے ان کو یورپ بھر مین مشہور کر دیا تھا، اس زمانہ کے مشہور اسپینی شاعر "فرنسیسکو فیلاسیاسا" کا بیان ہے کہ

[کسی قوم کو شاعری کے عطیہ الٰہی سے اتنا حصہ نہین ملا جتنا عربون کو ملا، شاعری سے ان کی شیفتگی اور ان کی شجاعت و حریت پسند تہذیب نے ان کی شاعری کا ایک امتیازی رنگ بنا دیا تھا، جو ابتدا ہی سے اس مین موجود تھا، اسلام کی فتح و کامرانی عربی شاعری کی بھی فتح تھی، عرب اپنی فتوحات کے دور مین اس زمانہ کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ قومون کو مغلوب کر کے ان مین مل جل گئے تھے، اس لیے مصریون، بیزنطینیون اور رومیون سب نے شاعری کے نئے اسلوب سیکھے، اور یہ اسلوب ان کی پرانی بھدی شاعری کی کرختگی پر غالب آگیا، مگر اس کا اثر ترکیبون کی خوشنمائی اور الفاظ کے الٹ پھیر سے آگے نہین بڑھا، اور پرانے عربی قصائد ہمیشہ محفوظ رہے، ان پر دلون کے بگاڑ کا اثر نہین پڑا، نہ ان کے راویون کی خواہشات سے ان مین تصرف ہو سکا، اور لوگ قیمتی ورثہ کی طرح حفاظت کے ساتھ ان کو نسلاً بعد نسل منتقل کرتے رہے، اور صحرا کے بدو اور چرواہے ہمیشہ تخیل شعری کے انتخاب مین دوسری قومون سے زیادہ باخبر اور مواد شاعری مین ان سے زیادہ دولتمند رہے، عربون نے جن جن ملکون کو تسخیر کیا، ان سب مین عربی شاعری کے لیے اندلس کی مٹی سب سے زیادہ زرخیز تھی، اور اس نے اس ملک مین جتنی ترقی کی اور کسی ملک مین نہین کی، ابتدا مین عرب افسران فوج، ان کے بعد ان کے خلفاء اور امراء، اندلس مین ادبی ذوق پھیلانے مین قوم کے لیے مثال اور نمونہ تھے، اور جس زمانہ مین عبدالرحمٰن اول[1] نے اپنا وطنی سلام تصنیف کیا تھا جس مین اس نے اس کھجور کے درخت کو مخاطب کیا تھا جسکو

---

[1] اندلس کا پہلا اموی خلیفہ عبدالرحمٰن بن معاویہ اول سنہ ۱۳۹ – ۱۷۲ھ

اس نے اپنے ہاتھ سے نہر کبیر (The Guadalquivir) کے کنارے نصب کیا تھا۔ اس زمانہ تک جب ابو عبد اللہ[1] نے اپنا درد انگیز موشحہ جسکو اس نے اپنے ٹوٹے ہوئے اور خونچکان دل کے ٹکڑوں سے مرتب کیا تھا، مریم[2] کی قبر کے سامنے پڑھا مشکل ہی سے کوئی ایسا خلیفہ یا امیر ہوگا جس کے نام کو اس کے عاشقانہ قصیدے یا رزمیہ نظم نے خلعت دوام نہ بخشا ہو۔ اگر ہم بھلانا بھی چاہیں تو اشبیلیہ کے آخری بادشاہ معتمد[3] کو نہیں بھول سکتے۔ میرے نزدیک اس کے اشعار عربی شاعری کی روشن مثالیں ہیں۔ جمال شاعری کی حیثیت سے نہیں اس بدشگونی کی وجہ سے جو ان اشعار میں پائی جاتی ہے اور اس بدبختی کے اثر سے جو ساری زندگی اس کی رفیق رہی، وہ دنیا کے ان بہادروں میں سے ایک تھا، تاریخ کے مختلف دوروں میں تقدیر نے جن کی مخالفت کی ہے۔

اسپین میں اشراف نے بھی سلاطین کے طرز پر شاعری شروع کر دی تھی جس سے غنائی ادب کا چمن سرسبز و شاداب ہوا، اور تلواروں کے سایہ میں لہلہانے لگا۔ اور اس زمانہ کے نصرانی یا دیہوں تک نے عربی تہذیب اختیار کر لی تھی، ان میں عربی ادب کا ذوق و شوق پھیل گیا اور وہ خالص اور بلند عربی میں شعر کہنے لگے جو تاریخ میں اپنی نوعیت کا تنہا واقعہ ہے، اندلس کی زرخیز زمین میں اسلامی علوم کا سیلاب آگیا، جو ساری دنیا میں پھیل گیا اور دور دراز علاقوں کے شائقین علم انس و محبت اور امن و سلامتی کے ان سرچشموں سے جو پہلے قرطبہ اور طلیطلہ میں اور آخر میں اشبیلیہ اور غرناطہ

---

[1] غرناطہ کے نصری خاندان کا آخری فرمانروا محمد ابو عبد اللہ ۸۹۷ھ جسکے بعد اندلس سے اسلامی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ [2] مریم ابو عبد اللہ کی محبوبہ تھی [3] اشبیلیہ کے عبادی خاندان کا آخری فرمانروا ابوالقاسم محمد بن معتضد الملقب بہ معتمد ۴۶۱ھ تا ۴۸۴ھ جیڑا علم دوست فرمانروا تھا۔

مین عربی شاعری مین سے چھوٹی[1] تھے، اپنی پیاس بجھاتے تھے، پاپائے روم سلفسٹر دوم تک نے عربی وزن وقافیے مین عربی زبان مین متعدد قصائد کہے تھے،

عربی زبان سسلی، پروفنسا، اٹلی، ہیزنٹائن بلکہ جرمنی کے قلب تک مین علم وفن اور شعروشاعری کی عام زبان ہوگئی تھی، فتحمند عربی فوجون اور ان کے بحری بیڑون کے ساتھ عربی شاعری بھی چلتی تھی، اور ان کے سپہ سالارون کے جلو مین قافیون کا جلوس ہوتا تھا، جنکو وہ نیزون کی نوک کے ذریعہ دلون مین اتارتے تھے، اور ان کی اشاعت مین اتنے ہی سرگرمی دکھاتے تھے جتنی قرآن کی سورتون کی اشاعت مین، ان مقامات کے پرانے طبقون کے گیتون کا بڑا حصہ اور ولایت جوالین کے شعرا کے بہت گانے صرف اندلس کے عربی شعراء کے قصائد پر مشتمل تھے، جس مین صرف تھوڑا سا تغیر ہوا تھا، اور وہ مشرقی روم کے اثر کی وجہ سے بالکل محفوظ ہوگئے تھے، سسلی کے بادشاہ فریڈرک دوم نے عربی مین بہت مقطعات کہے تھے، اور اس نے اپنے دربار مین بہت سے مسلمان علماء اس لیے جمع کیے تھے کہ ان کے ذریعہ وہ اپنے ملک مین عربی زبان کو ویسا ہی فروغ دے سکے جیسا فروغ اس کو دمشق، بغداد، قرطبہ اور اشبیلیہ مین حاصل تھا، اس زمانہ مین ساری دنیا مین یہی چارون شہر ادبی ترقی کی طالب نگاہون کا قبلۂ امید تھے، اس زمانہ کے محققین پر اب یہ ثابت ہوگیا ہے کہ دانتے کی شاعری[2] جو اپنی قوم کے لیے سرمایۂ افتخار ہے، صریحًا عربی ادب سے ماخوذ ہے،

شہسواری کی وہ روح جو قرون وسطی مین چھائی ہوئی تھی، اور جس نے جنگجوئی کی وحشت وبربریت کو شہسواری کے ورزشی کھیلون اور تفریحات سے بدل دیا اور عشق و

---

[1] چھوٹی بحرکی شاعری مثلاً رجز وغیرہ م [2] اس سے مراد غالباً دانتے کی مشہور نظم طربیہ ربانی ہے جو واقعہ معراج نبوی سے ماخوذ ہے۔

محبت نے جو ادب العالیہ پیدا کیا اور عورت سے جو بت تراشا یہ سب اسی روح کا فیض تھا جو عربی شاعری نے پیدا کی تھی، اور موشحات کے ذریعہ اس کو دنیا کے سامنے پیش کیا، اور ایک ایسا دلکش اور پرکار ادب ساری دنیا مین پھیل گیا جو چند ہی قرنون مین کلاسکل روحانی ادب سے بڑھ گیا، جب دنیا مین عربی ادب کے اثرات کا یہ حال تھا تو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اندلس مین اس کا کتنا عظیم الشان اثر ہوا ہوگا، جہان عربون نے آٹھ صدیون تک حکومت کی اور جہان بڑی عالیشان عمارتین تعمیر کین اور بڑے بڑے علمی کارنامے انجام دیے، اگرچہ فتحمند کیتھلک بادشاہون نے اسپین سے مسلمانون کو نکال دیا لیکن ہماری لغت کی کتابون مین ہمیشہ عربی کے ایک چوتھائی الفاظ موجود رہے، اور اس کے ادب کی روشنی برابر اپنی شعاعون سے ہمارے خیالات کو منور، اپنی حرارت سے ہمارے خون کو گرم اور ہمارے جذبات مین جنون انگیزی پیدا کرتی رہی، جس کا اثر "دون کیشوت" اور دوسرے شہسوارون کے قصون مین نمایان ہے، ہمارے افسانوی ادب اور ہماری شاعری کا بڑا حصہ خالص عربی اسلوب سے متاثر ہے، چنانچہ ہمارے شعراء نے بھی آٹھ مفاعیل[۱] کی بحرین بنائی ہین، اور ان مین وہ عربی شاعری کی طرح ایک ہی قافیہ مین نظم کہتے ہین، جو ہر شعر مین برابر آتا رہتا ہے،

ہم اسپینی ہین اور جب تک ہمارے مورخ اور نقاد علمی بحث و تحقیقات مین، متنبی اور ابوالبقاء کی زبان اور عربی کی ان قلمی کتابون سے مدد نہ لین گے جو ساری دنیا مین پھیلی ہوئی ہین اس وقت تک اسپینیون کے لیے اپنی تاریخی تحقیقات اور اپنی زبان کے نقد و نظر کو مکمل کرنا بہت دشوار ہے، ہمارے تمام قدیم مصنفین کے علمی آثار مین جو تنقیدی

---

[۱] اس سے مراد غالباً تقطیع کے ارکان ہین،

رنگ ہے، وہ عربی علوم کا اثر ہے جس کی روشنی "الدون خوان مانویل کی کتاب "کونڈہ لوکارنو" کی تصنیف کے زمانہ سے لیکر "روخاس" کی کتاب "کاٹینا" کے زمانہ تک کی نئی زبان مین پھیلی ہوئی ہے[۱] ہم کو "اللمح" کے مولف اور دوسرے بڑے انشا پردازون کی عظمت کیجانب سے غفلت نہ برتنا چاہیے، اسپین کے گانون اور موسیقی کی کتابون مین مختلف شعراء کے جس قدر قصائد ہین، وہ سب مشرقی دواوین کا سرقہ ہین، چنانچہ رباب کے لحن پر جو گانے گائے جاتے ہین، ان کے مصنفین ان کی تصنیف مین الیقاع[۲] مکہ ر کا لحاظ رکھتے ہین،

ہم اندلسی جن کا نصرانیت پر ایمان ہے اپنے مسلمان اسلاف کے مذہب کا بھی انکار نہین کر سکتے، اگر نصرانیت ہمارے قلب وضمیر کا مذہب ہے تو اسلام نے بھی ہمارے قومی خیالات کو نادر تصورات سے مزین کیا ہے، اور ہم اپنے نئے لباس کے برخلاف اپنے عرب اسلاف کی زبان چھوڑ دینے کے باوجود ان ہی بدوون کی نسل سے ہین جو بیابان کے سناٹے مین، اونٹون کے اون کے بنے ہوئے خیمون کے سامنے بیٹھکر خدائے واحد کو مخاطب کرنے کے عادی تھے، اگر آج ہم اپنے بہت سے گرجون کی دیوارون سے کلس اتار دین تو ان کے نیچے سنہرے کوفی حروف مین خدا کا نام چمکتا نظر آئے گا، اور اگر ناخن سے اپنی زرد یورپین کھال کو کھرچ کر دیکھین تو اس کے اندر سے عربی جلد کا گندمی رنگ ظاہر ہو جائے گا، ہماری یورپین قومیت ظاہری اور اوپری ہے، اور مشرقی قومیت ہماری ابدی حقیقت ہے، ہماری تمام نئی اور پرانی ادبی لیاقتین زیادہ تر اس عربی روح پرداز

---

[۱] اس سے معلوم نہین کونسی کتاب اور کونسا مولف مراد ہے، سیاق عبارت سے پتہ چلتا ہو کہ عربی کی کوئی کتاب ہو اور بڑے انشاء سے مراد عرب انشا پرداز ہین لیکن اللمح نامی کوئی کتاب فہرست کی کتابون مین نظر نہین آئی اللمحۃ البدریۃ فی علم العربیۃ نحو مین شیخ ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی المتوفی ۷۴۵ھ کی ایک کتاب ہے، "م" [۲] ایک عربی لحن کا نام ہے، "م"

کا نتیجہ تھا جو ہمارے دل کی گہرائیوں سے احتجاجاً و انتقاماً پھوٹی تھین، کیونکہ وہ آزاد اور خود سر صحرازادے جو آفتاب کی روشنی اور کھلی فضا مین سانس لینے کے عادی ہین، وہ گھنی شاخون کے نیچے بند اور تاریک پنجڑون مین جن کی فضا منطقی قواعد اور لغوی ضابطون کی کثافت سے مکدر ہو، زندگی نہین بسر کرسکتے۔

ہمارا سب سے زیادہ پاکیزہ خیال شاعر گانگورا، قرطبہ کے اموی دربار کے ان پڑھ شعراء کے مشابہ ہے، جن کے لیے حکم ثانی نے قصر مروان مین دنیا کا سب سے بڑا کتب خانہ قائم کیا تھا اور ان کے فن اور تخیل کی جولانی کے لیے اس چمنستان ادب کو میدان بنایا تھا، گانگورا کی شاعری، بیان کی پیچیدگی اور ابہام مین مشہور ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ اس پر عربی وسلوب شاعری کا اثر بہت غالب تھا، اور وہ اپنی تنگ زبان مین مشرقی تصورات کی بوقلمونی کی مصوری نہین کرسکتا تھا، اس لیے اس کے خیالات پیچیدہ ہوجاتے تھے]

اندلس مین عربی شاعری کے اثرات کے متعلق یہ ایک نامور اور خالص اسپینی شاعر کے خیالات ہین، اس سلسلہ مین وہ اسپینی، اطالوی اور جرمن شاعری پر عربی زبان کے اثرات دکھانے کے بعد کہتا ہے کہ "جو لوگ روحانی شاعری کا جھنڈا بلند کرنے مین زیادہ ممتاز تھے، ان پر عربی ادب کا سب سے زیادہ اثر تھا" پھر ان شعراء کے نام گنانے کے جو عربی سے زیادہ متاثر ہوئے لکھتا ہے کہ "اسپینی زبان کے ادب مین عربی ادب کا اثر ظاہر باہر اور ان قومی گیتون مین زیادہ نمایان ہے جو اسپینی قوم کی روح کی مصوری کرتی ہین، اور ان مین دونون قومون (اسپینی اور مسلمان) کی اخوت و یگانگت جھلکتی ہے، اور غرناطی گانے بغدادی گانون سے بہت زیادہ مشابہ ہین۔

اندلسی رقص وموسیقی یہ تو عربی شاعری کے اثرات کا ذکر تھا، یہی حال عربی موسیقی کے

اثرات کا تھا، عربون نے جب سے بداوت کے دائرہ سے باہر قدم رکھا اسی وقت سے ان کو موسیقی سے بڑا شغف ہو گیا تھا، جو ہر زمانہ مین قائم رہا، اور خلفاء، امراء، قضاۃ علماء، فلاسفہ اور ادباء سب نے اس کی قدر دانی کی، اور اپنے تمدن مین اس کا درجہ اتنا بڑھایا کہ بعض علمائے دین کو اس سے خوف پیدا ہو گیا، اور انھون نے اس پر غور کرنا شروع کر دیا کہ موسیقی شرعاً جائز بھی ہے یا نہین، اگر جائز ہے تو کس حد تک، چنانچہ حسن اخلاق اور تحفظ دین سے موسیقی کے تعلق کے مسائل و مباحث پر بہت سی کتابین لکھی گئین [1]، امام غزالی نے احیاء العلوم مین ایک مستقل باب مین اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے، اور بڑے بڑے مسلمانون نے موسیقی پر کتابین لکھی ہین اور ان مین بڑی جدت پیدا کی ہے، عربی موسیقی کی ابتدا حجاز سے ہوئی تھی، یہان اس کو ایران و روم کے موالی لائے تھے، جو لونڈی موسیقی سے واقف ہوتی تھی اس کی قیمت بہت لگتی تھی، اور سلاطین امراء اور اصحاب ثروت مین ایسی لونڈیون کی خریداری مین مقابلہ ہو جاتا تھا، یہی حال ایران، عراق، شام، مصر اور اندلس مین تھا، موسیقی پر کم لوگ نکیر کرتے تھے، اور اس کے سننے اور سنانے والے زیادہ تھے [2]۔

مغنیہ اور موسیقار لونڈیان ادب کی مختلف اصناف کی تعلیم حاصل کرتی تھین اور اپنے گانے سے دلون کو مسحور کرتی تھین، بعض لونڈیان اتنے علوم سے واقف ہوتی تھین جن کا اجتماع مردون مین بھی کم ہوتا ہے، مثلاً پانچوین صدی کے نصف اول مین اندلسی طبیب

[1] یعنی مذہب و اخلاق پر موسیقی کا کیا اثر پڑتا ہے اور اس اثر کے لحاظ سے وہ کہان تک جائز ہے۔ "م" [2] ان علماء و محدثین نے جو مذہب کے محافظ و پاسبان تھے، موسیقی مین غلو اور حدود سے تجاوز کی ہمیشہ مخالفت کی، لیکن یہ ظاہر ہے کہ ...کے مقابلہ مین عام شائقین موسیقی کا گروہ ہمیشہ زیادہ رہا۔ "م"

ابو عبد اللہ کی لونڈی مجموعۂ اوصاف و کمالات تھی، اس کے زمانہ مین ذہانت و ذکاوت طبیعت کی براقی، پھرتیلے پن، جسمانی لوچ، خوش گلوئی، موسیقی کی مہارت، خط کی خوبی تحریر کی پاکیزگی، ادبی جدت و اختراع اور ادبی شواہد کے پیش کرنے مین اس کی کوئی نظیر نہ تھی، اس کو نحو، لغت، اور عروض مین پوری مہارت تھی، اور وہ بولنے، لکھنے اور گانے مین کبھی زبان کی غلطی نہین کرتی تھی، اس کے علاوہ طب، طبیعات، تشریح وغیرہ جیسے بہت سے فنون مین پوری دستگاہ رکھتی تھی، جن کو بہت سے علماء بھی نہین جانتے تا نیزہ بازی، پھری گتکہ، اور شمشیر زنی کے کھیلون مین اتنی ماہر تھی، جس کی نظیر سننے مین نہین آئی، امیر ہذیل نے ایسی بہت سی لونڈیان خریدی تھین جو شمشیر زنی کے فن مین مشہور تھین، اس نے ان کو مختلف مقامات سے منگایا تھا، اس کی پردہ بردار[۱] لونڈی اندلس کے تمام بادشاہون کے پردہ بردارون سے بہتر تھی، اس کو تین ہزار دینار مین اس نے خریدا تھا، بعض عباسی خلفاء نے اس قسم کی لونڈیان ایک ایک لاکھ تک مین خریدی تھین،

اندلس کا شہر آمدہ اپنی تفریحات کے لیے مشہور تھا، اس مین ہر قسم کے کھیل تماشے، اور ماہر فن اور مشہور مقبول، رقاصائین تھین، جو شمشیر زنی، دکرہ[۲]، قزی، مرابط اور فتوحہ وغیرہ مختلف کھیلون اور تماشون کی بھی ماہر ہوتی تھین، اہل مشرق کی طرح اہل اندلس کے

---

[۱] خلفاء، اور سلاطین مغنیون اور ندیمون کی نگاہ سے دور رہنے کے لیے پردہ کی آڑ سے گانا سنتے تھے، بلکہ ایک زمانہ مین تو یہ حجاب اتنا عام ہو گیا تھا کہ عام لوگون کو بھی پردہ کی آڑ سے مخاطب کرتے تھے، جو لوگ پردہ کی خدمت پر مامور ہوتے تھے وہ اصحاب الستائر یا ستائر کہلاتے تھے، جو عموماً مرد ہوتے تھے، لیکن جب تعیش زیادہ غالب ہوا تو یہ خدمت حسین لونڈیون کے سپرد ہو گئی خصوصاً گانے کی محفلون مین یہ خدمت زیادہ تر لونڈیان ہی انجام دیتی تھین،

[۲] دکرہ ناچ کی ایک قسم تھی، قزی ایک قسم کی شعبدہ بازی، مرابط جس سے مویشی باندھے جاتے تھے، فتوحہ بڑا چھلہ یا رنگ، یہ سب کھیل تماشے تھے،

بھی بہت سے آلات موسیقی اور مختلف اقسام کے کھیل تماشے تھے، مثلاً خیال الظل، خیال الرقص، کرج، عود، روطہ، رباب، قانون، مونس، کثیرہ، قیثار، زلامی، قشرہ، نورہ اور بوق وغیرہ[1]، اندلس مین ناچ گانے، اور کھیل تماشون کا رواج عربون کے یہان سے نکلنے تک برابر رہا، اس لیے اہل یورپ نے ان چیزون کو ان ہی سے سیکھا اور اسپینیون کے گانے، اور رقص و سرود تو آج تک عربون کے گانون اور ان کی موسیقی اور راگون سے بہت ملتے جلتے ہوئے ہین، دونون کے کھیل تماشون کے سامانون مین بھی بڑی مشابہت ہے،

اسپین، پرتگال بلکہ جنوبی امریکہ کی جمہوریتون خصوصاً ارجنٹائن اور برازیل کے باشندون[2] کی موسیقی اور راگ راگنی وغیرہ کے طریقے آج تک عربی یا ان سے بہت زیادہ مشابہ ہین، اسکی وجہ یہ ہے کہ جس زمانہ مین عرب اسپین کے حکمران تھے، اسی زمانہ مین مشہور عرب مغنی زریاب نے عربی موسیقی کے قواعد مرتب کرکے اسکو مستقل فن بنا دیا تھا، عربی موسیقی کو زریاب ہی مشرق سے مغرب لایا، اسی سے اہل اندلس اور ان کے پڑوسیون نے اس کو حاصل کیا، اسیلیے اسپین اور ان ملکون مین جو کسی زمانہ مین اسپینیون کے قبضہ مین رہ چکے تھے، آج تک عربون کے یہ فنون رائج ہین، اور ان مین مرور زمانہ کے خفیف اثرات کے علاوہ بہت زیادہ فرق نہین ہوا ہے،

---

[1] یہ سب آلات موسیقی کے نام ہین [2] مثلاً جنوبی امریکہ جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے،

بارہوان باب

عربون کا تمدن اندلس مین

اندلس کا ملک اور عربون کی فتح

عربون نے اندلس کے لیے جزیرہ کا لفظ اسی طرح تغلیباً استعمال کیا، جس طرح جزیرہ نماے عرب کے لیے جزیرہ کا، ورنہ اندلس کے انتہائی شمالی حصہ مین، کوہ پیرنیز (جبل البرتات) اور چھوٹی چھوٹی پہاڑیان ہین، عربون کے نزدیک اندلس کے رقبہ کی مسافت طول مین ایک مہینہ کے بقدر ہے، اور عرض مین بیس دن سے کچھ اوپر اندلس شمال مشرقی سمت کے علاوہ باقی تین سمتون مین بحر ظلمات اور بحر متوسط سے گھرا ہوا ہے. عربون کے دور حکومت مین اندلس کا تحقیقی رقبہ نہین بتایا جا سکتا. زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ پرتگال کا علاقہ اور مشرق مین برشلونہ اندلس مین داخل تھے، جسکو آجکل جزیرہ نماے ایبریا یا اسپین و پرتگال کہا جاتا ہے. اس کے تھوڑے سے شمالی کوہستانی اور پتھریلے علاقہ کو چھوڑ کر جس کو عرب بلاد جلالقہ اور استوریا یا کوہستان قرقشونہ اور کوہستان بلبلونہ یا سنگستان جلیقیہ کہتے تھے، باقی کوئی حصہ ایسا نہین تھا، جس مین عربون کی حکومت نہ رہی ہو،

جزیرہ نماے ایبریا کے بڑے حصہ پر ۹۲ھ مین موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کے ذریعہ عربون کا قبضہ ہو گیا تھا. طارق بن زیاد نے بارہ ہزار بربری فوج اور کچھ عربون

کو لیکر اندلس پر فوج کشی کی اور اس کو دو حصون مین تقسیم کر دیا، ان مین سے ایک کی کمان خود اپنے ہاتھ مین رکھی، اور آگے بڑھ کر جبل الفتح پر جا کر ٹھہرا، اسی دن سے اس کا نام جبل طارق (جبرالٹر) پڑ گیا، اور دوسرے حصہ کی کمان طریف بن مالک نخعی کے سپرد کی، اس نے اس مقام پر فوجین اتارین جس کو اس کی نسبت سے ابتک مدینہ طریف کہا جاتا ہے،
ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابنائے جبرالٹر کو عبور کرنے کے بعد طارق نے کشتیان جلا دین اور جب فرمانروائے طلیطلہ کی فوج نے جنگ کو زیادہ طول دیا تو طارق نے اپنی فوج کو مخاطب کرکے یہ پرجوش تقریر کی،

لوگو! اب مفر کی کوئی راہ نہین ہے، تمھارے سامنے دشمن ہے، اور پیچھے سمندر، اس لیے عزم کی پختگی اور صبر و استقامت کے ساتھ مقابلہ ہی مین نجات ہے، اس کو خوب سمجھ لو، کہ (اگر تم کامیاب نہ ہوئے تو) اس جزیرہ مین تمھارا حشر وہی ہوگا جو بخیلون کے دسترخوان پر یتیمون کا ہوتا ہے، دشمن اپنی افواج قاہرہ کے ساتھ تمھارے سامنے آچکا ہے، اس کے پاس اسلحہ اور غذا کا بڑا ذخیرہ ہے، اور تمھارے لیے تلوارون کے علاوہ اور کوئی سہارا نہین ہے، اور اپنے دشمن سے چھین کر جس قدر غذا حاصل کر سکو اس کے علاوہ اور کوئی غذا کا سامان نہین ہے، اگر تمھاری احتیاج کچھ دنون اور قائم رہی اور تم حصول مقصد کی کوئی تدبیر نہ کر سکے تو تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی، لوگون کے دلون سے تمھارا رعب اٹھ جائے گا، اور وہ تمھارے مقابلہ مین جری ہو جائین گے، اس لیے اس سرکش ظالم (والی طلیطلہ) کا پوری قوت سے مقابلہ کرو، اگر اس وقت تم نے تھوڑی تکلیف برداشت کر لی تو مدتون آرام و راحت کی لذت سے لطف اٹھاؤ گے، اس لیے ایسے معاملہ مین جس مین تمھارا حصہ مجھ سے زیادہ ہے، مجھے چھوڑ کر تنہا اپنی فکر نہ کرو اس جزیرہ مین یونان

کی حسین و خوب، ولڑکیان ہین، اور امیر المومنین ولید بن عبد الملک نے تم مین سے عرب بہادرون کا انتخاب کیا ہے، اور اس جزیرہ کے حکمرانون سے تمہارا سسرالی رشتہ پسند کیا ہے،

عربون نے صوبہ برشلونہ کو مشرقی سمت سے فتح کیا، اور قشتالہ[1] کے قلعے اور اس کا میدانی علاقہ شمال مغربی سمت سے، ان معرکون مین گاتھ تو تقریباً ختم ہو گئے اور جلالقہ اور دوسری جو قومین باقی رہ گئین وہ کوہستان قشتالہ، اربونہ (فرانس کا شہر ناربن) اور پہاڑی دردون مین پناہ گزین ہو کر قلعہ بند ہو گئین اور اسلامی فوج برشلونہ کو پار کر کے میدانی علاقہ مین ہوتی ہوئی ارض فرنجہ[2] مین گھس گئی اور کچھ دنون کے بعد اربونہ مین ٹھہر کر دریائے رڈونہ (The Rhone) کے کنارہ چھاونی قائم کی اور موسیٰ بن نصیر فتح کا مژدہ اور مال غنیمت کے ذخائر کو لیکر جسے دیکھکر عقل دنگ ہو جاتی تھی، خلیفہ کے پاس دمشق واپس گیا، اور اس کے حضور مین قیدی پیش کیے، ان قیدیون مین بربر، روم، اسپین اور افرنجہ کے بادشاہون کے لڑکے تھے، اہل اسپین سے ان شرائط پر صلح ہوئی تھی کہ انکی جان کی حفاظت کیجائے گی، ان کو اور ان کے بچون کو ایک دوسرے سے جدا نہ کیا جائے گا، ان کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا، ان کے گرجے نہ جلائے جائینگے اس کے معاوضہ مین، اہل اسپین کے ہر آزاد بالغ پر ایک دینار نقد، چار مد گیہون، چار مد جو، افشردہ، انگور، سرکہ، شہد اور روغن زیتون کی ایک مقررہ مقدار سالانہ جزیہ مقرر کیا گیا، غلامون پر اس کا نصف تھا،

---

[1] شمال وسطی اسپین کا وسیع علاقہ جس کو کسٹیلا یا کسٹیل کہتے ہین، [2] افرنجہ سے مراد اندلس کے شمال مشرقی علاقہ، قیطلونیہ اور اس سے ملے ہوئے علاقے اور ارغون کا وہ شمالی حصہ ہے جو جبل البرانس کے مغربی سلسلہ سے ملا ہوا ہے۔ "م"

اندلس مین عربی فوج، ان کے قبیلے اور ان کی حکومتین

اندلس کی فاتح فوج کا بڑا حصہ بربر پر مشتمل تھا، اس مین عربون کی تعداد بہت تھوڑی تھی، سب سے پہلے طارق بن زیاد کے ساتھ دس ہزار بربر اور تین سو سے کچھ اوپر عرب اندلس گئے تھے، پھر مکمل قبضہ کے بعد امویون نے شام سے عربی قبائل بھیجے، انھون نے اندلس کے خاص حصون مین سکونت اختیار کی، اندلس مین قیام کی ترغیب کے لیے عربون کو ذمیون کی ایک تہائی املاک دیدی گئی تھی، اسلیے عربون کے بہت سے قبائل اندلس جاکر آباد ہوگئے، ان کی ترتیب یہ تھی، دمشق کی چھاونی کے مضری عرب جس مین زیادہ تر تعداد قبیلہ قیس اور کچھ مختلف قبیلون کی تھی، البیرہ مین آباد ہوئے، اردن کی چھاونی کے یمنی عربون نے رَیہ مین سکونت اختیار کی، حمص کی چھاونی کے عربون نے جن مین بیشتر یمنی قبائل تھے، شذونہ مین قیام کیا، بربری اور کچھ تھوڑے سے مختلف قبیلون کے عربون نے جزیرہ مین توطن اختیار کیا، قنسرین اور عواصم کی چھاونی کے عرب جس مین معد، یمن اور مختلف قبیلون کے لوگ تھے، جیان مین آباد ہوئے، اور بربری قبائل نے بلنسیہ اور اکشونیہ مین طرح اقامت ڈالی، مصر کے عربون نے باجہ اور تدمیر مین قیام کیا، اور یہ کل عرب ملکی باشندون سے بالکل خلط ملط ہوگئے،

عربون کی آمد سے پہلے اٹھاسی سال سے لیکر نوے سال تک اندلس مین بڑے سخت قحط پڑتے رہے تھے، اس کے بعد وبائین پھوٹ پڑی تھین، ان سے نصف سے زیادہ آدمی لقمۂ اجل ہوگئے، اس لیے اندلس کے باشندے آیندہ بھلائی کی امید مین عربون کی آمد سے بہت خوش اور مسرور ہوئے، لسان الدین الخطیب کا بیان ہے کہ "جب عربون کی فتوحات مکمل ہوچکین اور وہ اندلس کے مختلف حصون مین آباد ہوچکے تو امیر بلج بن بشیر القشیری دس ہزار سوارون کے ساتھ جن مین شام کے بڑے بڑے

عمائد تھے، اندلس پہنچا، یہ لوگ "الطالعۃ البلجیہ" کہلاتے تھے، اور موسیٰ بن نصیر کے ساتھ آنے والے عرب اور بربر سرکاری تحریرون، مراسلات اور جاگیرون کے کاغذات مین "بلدیین" لکھے جاتے تھے، اور بلج کے ساتھ آنے والے شامی، عربون کی آمد کے تھوڑے ہی دنون کے بعد اہل اسپین نے انکی اور گاتھون کی حکومت کا فرق محسوس کر لیا، انھون نے نئے فاتحین مین دلون کو مطمئن و مسرور کر دینے والی رواداری اور عدل و انصاف کے قیام مین بڑا انہماک پایا، عربون نے اندلس کے پرانے انتظامی اور عدالتی نظام کو قائم رکھا، اور ابتدا مین اہل اندلس کو معمولی اور بعد مین بڑے بڑے عہدون پر مامور کیا، اس لیے وہ مسلمانون سے مخلصانہ محبت کرنے لگے، اور ان کو ان کی بلند اور گاتھون کی پست تہذیب مین جو حقیقت دریت سے زیادہ قریب تھی، نمایان فرق نظر آیا، اور ایک صدی بھی نہ گذرنے پائی تھی کہ اندلس کے دیہات سرسبز و شاداب ہو گئے، زراعت بہت بڑھ گئی اور آبادی موسلادھار بارش کی طرح مسلسل اور گھنی ہو گئی، شہرون مین آدمیون کے اژدحام سے کھوے سے کھوا چھلتا تھا اور خلافت اندلس کا پایہ تخت قرطبہ یورپ کے آجکل کے پایہ تختون کا ہمسر ہو گیا تھا، وہ رات کو روشنی کی کثرت سے بقعۂ نور بنا رہتا تھا، اور راہ گیر کوسون روشنی مین چلتے تھے، شہر کی تمام گلیان پختہ تھین جن مین کوڑا کرکٹ نہین رہنے پاتا تھا، اس زمانہ مین ان خصوصیات کا دنیا مین یہ پہلا شہر تھا، اور علم و فن، صنعت و حرفت، تجارت ہر چیز کا مرکز بن گیا تھا اور یہ تہذیب مدتون قائم رہی، مگر وہ قرطبہ جس کی آبادی کسی زمانہ مین کئی ملین تھی اور لوگ وہان سیر و تفریح کے لیے جاتے تھے، آج ایک بوسیدہ اور غمناک مقبرہ بن گیا ہے لیبان کا بیان ہے کہ قرطبہ مین ہلال پر صلیب کا غلبہ عیسائیون کی سب سے بڑی فتح سمجھی جاتی ہے، لیکن اس زمانہ مین جب ہلال وہان حکمران تھا، قرطبہ سب سے زیادہ دولتمند، سب سے زیادہ خوبصورت

اور سب سے زیادہ آباد شہر تھا، اور صلیب کا علم آج اس عظیم الشان شہر کے ملبہ پر لہراتا ہے۔

اس شہر کی وسعت و عظمت کا کیا ٹھکانا جس مین دو ہزار چھ سو مسجدین، چھ سو حمام دو لاکھ گھر، اسی ہزار بڑے بڑے محل تھے، جس مین بنی امیہ کا قصر دمشق بھی تھا، یہ قصر پتھر کی چٹانون اور ستونون سے بنی امیہ کے مشرقی محلون کے نقشہ پر بنایا گیا تھا، اور اس مین بڑی جدتین پیدا کی گئی تھین، اس کے صحنون اور سامنے کے میدانون کو بہت خوبصورت اور آراستہ کیا گیا تھا، قرطبہ کا دور بیس ہزار ذراع تھا، اس کے اطراف مین تین ہزار دیہات تھے، اور ہر دیہات مین مسجد اور فقیہ کا انتظام تھا، قرطبہ کے مشرقی حصہ مین ایک سو ستر عمدہ خط کوفی مین قرآن مجید لکھتی تھین، اسی سے دوسری سمتون کا بھی قیاس کیا جا سکتا ہے، اسکی مسجد مین جو دمشق کی مسجد کے نمونے پر بنائی گئی تھی (۱۴۱۰) ستون تھے، جو کثرت کی وجہ سے گھنی جھاڑی معلوم ہوتے تھے، لیکن جب مین نے ۱۹۲۱ء مین اس مسجد کو دیکھا ہے تو صرف ۸۶۰ ستون باقی رہ گئے تھے،

اندلس کے شہر اور اسکی عرب تہذیب

عربون کے زمانہ مین اندلس کے اہم شہر حسب ذیل تھے،

جزیرۃ الخضراء، المریہ، بطلیوس، برشلونہ، بسطہ، باجہ قادس، شنترہ، شلب، قلمریہ، صلمنقہ، (یہ دونون شہر آج کل اسپین اور پرتگال کے علمی مرکز ہین) غرناطہ، وادی آش، وادی الحجارہ، شاطبہ، شریش، لشبونہ، لوشہ، لورقہ، مجریط، مالقہ ماردہ، لاردہ، مرسیہ، رندہ، ریۃ، شنترین، اشبیلیہ، شذونہ، طرطوشہ، طرکونہ، طلیطلہ ابدہ، ولنسیہ، بلنسیہ، ارجدونہ، ارجونہ، فحص البلوط، الزہراء، لبلہ، البت، اخشنبہ، قصر ابی دانس، یابرہ، جلیانہ، طلبیرہ، قلعہ رباح، مدینہ سالم، دانیہ، شقورہ، قلعہ حماد تدمیر، استجہ، قبرہ، غافق، المدور، بیاسہ، قسطلہ، المنکب، باغہ، اندراش، اوریولہ

جزیرہ شقر، تطیلہ، قرقشونہ، اکشونیہ، قسطیلیہ،

اندلسی عربون کے تمدنی کارنامون کا احاطہ اور ان کی عمارتون خصوصاً مدینۃ الزہرا کے تعمیری کمالات، اس کی صناعیون، جدتون اور ندرتون کی توصیف دشوار ہے، مدینۃ الزہرا، قرطبہ سے چار یا پانچ میل کے فاصلہ پر تھا، اس کو الملک الناصر نے بنوایا تھا، اس نے اندلس کے خراج کی آمدنی تین حصون مین تقسیم کردی تھی، ایک حصہ فوج پر صرف کرتا تھا، ایک حصہ جمع کرتا تھا، اور ایک حصہ مدینۃ الزہرا کی تعمیر مین صرف کرتا تھا، اس زمانہ مین خراج کی آمدنی (۵۴۸۰۰۰۰) دینار سالانہ تھی، مورخین کا بیان ہے کہ الزہرا اندلس کی سب سے بڑی اور عظیم الشان عمارت تھی، اور آج تک طلیطلہ، غرناطہ اور اشبیلیہ وغیرہ کے محلات کے کھنڈر ترقی یافتہ قومون کے سیاحون کو حیرت مین ڈال دیتے ہین، عربون کی صنعت و حرفت اور ان کی ایجادات و اختراعات نے یورپ مین ایسی چیزین پیدا کین جن کا وہان وجود نہ تھا، انھون نے علم و ادب کی اشاعت کی اور زراعت صنعت و حرفت وغیرہ کو مستقل فن بنادیا، اور صوبہ بلنسیہ مین جو بند بنائے تھے وہ آجتک ان کی علمی و فنی برتری کے شاہد ہین، عربون کے ان عجیب و غریب ہندسی کارنامون کے بدولت ان کے اندلس سے نکلنے کے بعد بھی اندلسی چار صدیون تک عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے رہے، اس انجینیرنگ کی وجہ سے اندلس کے پورے میدانی علاقہ مین پانی کی نہرین جاری تھین، جس سے پورا علاقہ سرسبز و شاداب اور عربون کے علمی ذوق کی وجہ سے ہر طبقہ مین عقلی لذتون کا مذاق پیدا ہوگیا تھا، اور وہ اس شریفانہ مقابلہ مین ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتے تھے، تمام عمارتون مین ان کے بانیون اور معمارون کے نام لکھے جاتے تھے کہ قوم اپنے محسنون کا تذکرہ مدح و ستایش کے ساتھ کرتی رہے، یورپ آج تک

عربون کے تعمیری اصولون کا مطالعہ کرتا ہے، اور انھون نے جو نقش آرائیان کی ہین، اور عمارتون کے استحکام اور عظمت و شکوہ کو زینت و آرایش کے ساتھ جس طرح ہم آہنگ کیا ہے، اس پر آج تک حیرت زدہ ہے، اندلس مین عربون کی عظمت و شرف کی آخری پائیدار یادگار قصر حمراء اور غرناطہ کی جنۃ العریف ہین، بعض یورپین علماء کا بیان ہے کہ "اندلس مین عربون کے تمدن کے زمانہ مین وہان چالیس ملین کاریگر اور اہل حرفہ تھے اور آج پورے اندلس کی کل آبادی بائیس ملین اور پرتگال کی چھ ملین ہے۔"

اندلس مین عربون کے کارنامے

عربون نے چند صدیون کے اندر علم و فن اور مادی وسائل دونون پہلوؤن سے اندلس کی شکل بالکل بدل دی اور اس کو تمام ملکون سے زیادہ بلند کر دیا، لیبان لکھتا ہے کہ "اندلس کا یہ انقلاب محض مادیات اور عقلیات تک محدود نہین رہا، بلکہ اخلاقیات پر بھی اثر انداز ہوا، عرب خود انسانیت کے سب سے قیمتی وصف "رواداری" سے واقف تھے، اور نصرانی قومون کو بھی اس کے سکھانے کی کوشش کی، مفتوح قومون کے ساتھ ان کے لطف و احسان کا یہ حال تھا کہ اسپین کے اسقفون نے ۷۸۲ھ مین اشبیلیہ مین اور ۸۵۲ھ مین قرطبہ مین اپنے دینی اجتماع منعقد کیے، جو عربون کے حسن سلوک کی ایک بڑی مثال ہے، اس کی دوسری مثال اندلس کے وہ گرجے اور کنیسے ہین، جو عیسائیون نے اسلامی دور مین تعمیر کیے، یہ واقعات اس کا ثبوت ہین کہ جو لوگ عربون کے قانون کی حفاظت مین تھے ان کے عقائد کا وہ کتنا احترام کرتے تھے، اسی حسن سلوک اور طرز عمل کا نتیجہ تھا کہ بہت سے عیسائیون نے اسلام قبول کر لیا، حالانکہ اس مین ان کا کوئی بڑا فائدہ نہین تھا، کیونکہ جو عیسائی عربون کے ماتحت تھے "وہ مستعربین" کہلاتے تھے، اور ان کے اور مسلمانون کے درمیان ویسے ہی مساوات برتی جاتی تھی جیسی یہودیون اور

مسلمانون کے درمیان تھی، حکومت کے تمام عہدون کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوئے تھے، اس زمانہ مین سارے یورپ مین اندلس ہی ایک ایسا ملک تھا جس مین یہودیون کے حقوق محفوظ تھے، اسی لیے ان کی آبادی یہان بہت بڑھ گئی تھی، اندلس مین جس طرح اسلامی حکومت کے محکوم عیسائیون کو مستعربین کہا جاتا تھا، اسی طرح اسپین کے عیسائی حکومت کے محکوم مسلمانون کو "مدجنین" کہا جاتا تھا" سیڈیلیو اور لیبان وغیرہ کا بیان ہے کہ "اسپین کے عرب اخلاق علم اور صنعت وحرفت مین عیسائیون سے بہت زیادہ ترقی یافتہ تھے، ان مین لطف وکرم واحسان کے ایسے اخلاق واوصاف تھے جو ان کے علاوہ دوسرون مین نہین پائے جاتے تھے، نخوت وخودداری بھی ان کا امتیازی وصف تھا جس مین افراط بعض اوقات منحوس لڑائیون کا جنون پیدا کر دیتی تھی"۔

عربون نے زراعت وباغبانی کے جدید طریقون کو جو تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی تھے اور جن مین ان کو بڑی مہارت تھی اور وہ ان کا مخصوص فن تھے، اسپین مین پھیلایا، اور اس سے حیرت انگیز نتائج پیدا کیے، اُدسر اور چٹیل میدانون کو قابل کاشت بنایا، شہرون کو آباد کیا، پڑوسی قومون سے تجارتی تعلقات پیدا کیے، جس سے زندگی نہایت خوشگوار ہو گئی؛ ان کے تجارتی جہاز مالقہ، بجایہ، مریہ، لشبونہ اور برشلونہ سے اندلس کی پیداوار مشرق اور مغرب مین لیجاتے تھے، اور وہان کی پیداوار اور سامان ساتھ لاتے تھے، اندلس کے عربون نے خصوصاً عباسیون سے تعلقات منقطع ہو جانے کے بعد اس کی بڑی کوشش کی کہ ان کا ملک ترقی کے کسی میدان مین عراق، ایران، اور شام ومصر سے پیچھے نہ رہنے پائے، اس لیے انھون نے عباسیون کے پہلے اور دوسرے دور کی علمی رفتار سے باخبر رہنے کیلئے مشرقی ملکون کے صدر مقامات مین اپنے گماشتے مقرر کر دیے تھے کہ وہان

جو نئی کتابین تصنیف ہون ان کی نقل حاصل کر کے اور جو پرانی نادر کتابین مل سکین ان کو خرید کر بھیجین، تاکہ مشرقی علماء کے علمی کام ان کی نگاہ سے مخفی نہ رہین، حدیث کی طلب و تحصیل کے لیے بھی اندلس اور مشرق کے درمیان سفر اور آمد و رفت کا سلسلہ برابر قائم رہا، اسی طریقہ سے اہل مشرق بھی اندلس کے علماء سے استفادے اور مغرب کے جو علوم ان کے یہان نہین پہنچے تھے ان کو حاصل کرنے کے لیے برابر اندلس آتے رہے، صاحبِ فرحة الانفس نے عربون کے اوصاف و خصوصیات کا نہایت جامع نقشہ کھینچا ہے، وہ لکھتے ہین :-

"اہل اندلس نسب کے تحفظ، عزت و خودداری، عالی ہمتی، زبان کی فصاحت، نفس کی خوبی و پاکیزگی، ظلم و زیادتی اور ذلت کے تحمل سے ابا، اپنی ملک مین فیاضی و سیر چشمی کسی کے سامنے سرخم کرنے اور پست و مبتذل باتون سے اجتناب مین عرب ہین، اور علم کی جانب توجہ و انہماک، اس سے شغف اور اس کی تحریر و روایت مین ہندوستانی ہین، طبیعت کی نفاست و نظافت، حسن مذاق، خوش اخلاقی، ذہانت و ذکاوت، دقت نظر طباعی، ذہن کی لطافت، فکر و نظر کی تیزی اور اشتغال ذہنی مین بغدادی ہین، اور زمین سے پانی نکالنے، مختلف چیزون کی باغبانی مین مشق و مہارت اور مختلف میوون کے انتخابات مین یونانی ہین، اور وہ اپنے تمام کامون مین حسن و خوبی اور صناعی مین خوشنمائی پیدا کرنے کے لیے مسلسل محنت و مشقت کرنے مین بڑے صبر و استقلال سے کام لیتے ہین شہسواری کے مشاق، اور نیزہ بازی اور قادر اندازی مین بڑے ماہر ہین"،

اندلس اور علم اندلسیون نے ملک کے ہر حصہ مین مدرسے اور کتب خانے، اور پایہ تختون مین یونیورسٹیان قائم کین، جو یورپ مین مدتون تنہا علم کا مرکز تھین، شاطبہ کے کاغذ سازی

کے کارخانون نے کتابون کی کثرت مین بڑی مدد پہنچائی، اور تعلیم کے ان نئے طریقون سے مرد، عورت، موافق و مخالف سب علم کی روشنی سے منور ہوگئے، اور قرطبہ تین صدیون تک دنیائے قدیم کے سارے شہرون مین علم کی روشنی سے بقعہ نور بنا رہا اور علم و فن سے

اندلس کے خلفاء و سلاطین کی غیر معمولی دلچسپی اور دور دراز کے علماء کو جمع کرنے کی حرص کی وجہ سے ان کے دربار اور محل علمی مجلسون کے مشابہ اور ان کے کتب خانے گویا بیت الحکمۃ تھے، جن مین کتابون کی نقل و کتابت، ان کی اصلاح و مرمت، جلد سازی، اور کتابون کے سنہرے کام اور نقش آرائی کے مستقل شعبے تھے، یہ کتب خانے اتنے عظیم الشان تھے کہ ان کی کتابون کی فہرستین بیسیون جلدون مین تھین،

حکم ثانی[1] علم و ادب کا بڑا قدردان و سرپرست تھا، اس نے اندلس مین علم کی اتنی اشاعت کی کہ یہان بہت کم لوگ ان پڑھ باقی رہے، اپنے پایۂ تخت مین اس نے ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا تھا، جس مین مختلف علوم و فنون کی چار لاکھ کتابین تھین، حکم تاریخ کا بڑا عالم تھا[2]، اس کے زمانہ مین جامعۂ قرطبہ دنیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی تھی جس مین طبیعات، ریاضی، فلکیات اور کیمیا جملہ علوم پڑھائے جاتے تھے، عبدالرحمن ثانی بھی بڑا عالم، ادیب، شاعر اور فلسفیانہ علوم کا ماہر تھا،

اندلس پر امیر یوسف بن تاشفین کے قبضہ کے بعد[3] جزیرہ کے ہر علم و فن کے بڑے بڑے

۱؎ المستنصر حکم بن عبدالرحمن الناصر ۳۵۰ تا ۳۶۶ء ۲؎ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ۳؎ پانچوین صدی کے وسط مین اندلس کی طوائف الملوکی اور یہان کے چھوٹے چھوٹے مسلمان امراء کی خانہ جنگی کی وجہ سے مسلمانون کی قوت بہت کمزور پڑگئی تھی، اور عیسائی حکمرانون کا اقتدار بہت بڑھ گیا تھا حتی کہ الفانسو ششم نے اسپین کے بڑے حصہ پر قبضہ کرلیا تھا، اور مسلمان حکمرانون سے خراج وصول کرتا تھا اور قریب تھا کہ اندلس سے اسلامی حکومت

علما، اس کے پاس چلے آئے تھے اور اس کا دربار عباسیون کے ابتدائی دور کے مشابہ ہو گیا، اس کے اور اس کے لڑکے (علی بن یوسف) کے دربار مین اتنے بڑے بڑے نامور کاتب، انشا پرداز اور میدان فصاحت کے شہسوار جمع ہو گئے تھے کہ اتنے کسی ایک زمانہ مین ایک جگہ جمع نہین ہوئے تھے، مشہور فلسفی ابن طفیل اس کا خاص درباری عالم تھا، اسی نے دنیا کے گوشہ گوشہ سے علما کو بلا کر امیر یوسف کے دربار مین جمع کر دیا تھا، اور اسی نے اس کی توجہ مشہور فلسفی ابن رشد کی جانب دلائی تھی،

اندلس کے سلاطین کو بڑے بڑے علما کو وزیر بنانے کا بڑا شغف تھا، جو حکومت کا نظام بھی بڑی حسن و خوبی سے چلاتے تھے، ان مین سے اکثروں نے علم و فن کی مسند کی طرح ملکی سیاست، انتظام حکومت اور فوجون کی قیادت مین بھی بڑا نام پیدا کیا، مثلاً ابن زیدون، ابن عبدون، ابن ابی الخصال، ابن خلدون، ابن الخطیب، ابن زہر، ابن سعید، ابن عمار، ابن الجد، ابن المین، ابن ہود، ابن سوار، ابو عبداللہ طاہر، ابن فرج، ابن لبون، ابن رزین، ابن ارقم، ابن القلاس، ابن غیطون، ابن القاسم، ابن زمرک، ابن حزم، ابن جبیر، ابن عبدالبر، ابن السید، اور بکری وغیرہ جنھون نے اپنے کارنامون سے اندلس کا چہرہ روشن کر دیا، امویون، مرابطین، موحدین پھر ان کے بعد بنی احمر اور دوسرے ملوک طوائف کا بھی یہی طریقہ رہا، اور انھون نے بھی معارف پروری

(بقیہ حاشیہ ص ۲۷۱) ختم ہو جائے، یہ صورت حال دیکھکر اسپین کے مسلمانون نے امیر یوسف بن تاشفین فرمانروائے مراکش کو جو اس زمانہ کا بڑا طاقتور حکمران تھا، مدد کے لیے بلا بھیجا، اس نے اسپین پر فوجکشی کر کے الفانسو کو بڑی فاش شکست دی، اور مسلمانون سے چھینے ہوئے مقامات اس سے واپس لے لیے، اور اس کی کوشش سے مسلمانون کی گرتی ہوئی عمارت کچھ دنون کے لیے سنبھل گئی۔ "م"

مین عباسی، فاطمی، اخشیدی، طولونی، حمدانی، بنی بویہ، سامانی اور غزنوی وغیرہ مشرقی حکومتون کی تقلید کی،
عباسیون سے تعلق منقطع کرنے کے بعد عبدالرحمٰن بن معاویہ چاہتا تھا کہ اندلس کے عرب اس کو اپنا اصلی وطن سمجھنے لگین اور چونکہ اس کو فوجون اور بحری بیڑون کی زیادہ ضرورت نہین تھی، اس لیے وہ ملک کی آمدنی مفید اور رفاہ عام کے کامون مین صرف کرتا تھا، اس کے جانشینون نے بھی اس کی تقلید کی، ان مین سے بعد کے بعض سلاطین کے پاس اتنی مستعد اور ساز و سامان سے تیار فوجین تھین جو ادنیٰ اشارہ پر کوچ کے لیے تیار رہتی تھین جس سے یورپ اس زمانہ مین بالکل ناواقف تھا، اور بہت بعد مین اس نے اس کو مشرقی سلاطین سے سیکھا، ہشام اموی کے زمانہ مین جس کو زہد و تقویٰ کی وجہ سے عمر بن عبدالعزیز کہا جاتا تھا، اسلام کا غلبہ و اقتدار اتنا بڑھ گیا تھا کہ ایک شخص نے مرتے وقت وصیت کی تھی اس کے بعد اس کے ترکہ سے ایک غلام خرید کر آزاد کیا جائے، مگر اس زمانہ مین مسلمانون کا اقتدار اتنا بڑھا ہوا تھا اور ان کے دشمن اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ جنگ کی نوبت ہی نہین آتی تھی، اس لیے آزاد کرنے کے لیے ایک غلام بھی نہین مل سکا، اندلس کے عربون نے یونانی اور لاطینی کتابین بھی ترجمہ کین، کتابون کی نقل و ترجمہ مین ان کا حصہ مشرق کے عباسی خلفا سے کم نہین رہا ہے اور انھون نے ریاضی فلکیات، طبیعات، کیمیا، اور طب کے درس و مطالعہ مین انتہائی کامیابی حاصل کی، اس کے لیے تجربہ گاہین اور معمل تھے، صنعت و حرفت و تجارت مین ان کی ترقی آج کل کے ترقی یافتہ قومون سے کم نہین تھی، اور وہ ہر قسم کے معدنیات، اسلحہ حریر، بانات، کھالین، شکر اور کاغذ، افریقہ اور دوسرے مشرقی ملکون مین بھیجتے تھے،

آج بھی اسپین مین زمین کی سیرابی اور آب پاشی کے تمام اہم ذرائع عربون ہی کی یادگار ہین، انھون نے وادی اندلس کے تمام قابل کاشت علاقہ مین مختلف قسم کی زراعت رائج کی اور ان کی بلند تہذیب کے طفیل مین اندلس ایک "جنت کبری" بن گیا، ان کی بلند ہمتی نے علم و فن اور صنعت و حرفت کی ہر شاخ کو حاصل کیا، ان کے عمومی قوانین[1] اپنی عظمت و وسعت کے لحاظ سے روما کے قوانین کے مشابہ تھے، انھون نے مسافرون کی سہولت کے لیے سڑکین، پل، اور سرائین بنوائین، اور ملک کے ہر حصہ مین شفاخانے، جامع مسجدین اور مسافرخانے تعمیر کیے، رینالڈی کا بیان ہے کہ "مشرق کے عباسیون کی طرح مغرب کے اموی بھی ہرکلیس کے عہد زرین کی یاد تازہ کرتے تھے" اندلس کے سلاطین مین علم کے ذوق، اس کی اشاعت، اس سے شغف، اس کی جانب توجہ اور اس کی راہ مین فیاضی کیلیے حکم ثانی سب مین ممتاز تھا، اس نے ایک شہر قرطبہ مین ۲۷ درسگاہین قائم کی تھین جن مین غربا کے لڑکے مفت تعلیم پاتے تھے، ڈوزی کا بیان ہے کہ "اس زمانہ مین جب کہ یورپ کے سارے عیسائی ان بڑے بڑے اشراف و عمائد تک تعلیم کے متعلق سوچتے بھی نہ تھے، اندلس کا ہر فرد لکھنا پڑھنا جانتا تھا[2]، وزیر رضوان النصری نے ۷۶۰ھ مین غرناطہ مین ایک بڑا مدرسہ قائم کیا تھا، ابن الخطیب کا بیان ہے کہ "رضوان النصری جیسے ذکی لوگون کی مثالین حکومتون مین کم ملتی ہین، اس نے صرف تجارت اور زراعت کے ذریعہ دولت پیدا کی اور ایسے تمدنی کام انجام دیے جس پر بڑے بڑے سلاطین تک رشک کرتے ہین،

مشرقیات کا پرتگالی عالم بولس لکھتا ہے کہ "ہمارے روشن خیال پرتگالی ہم وطنون

---

[1] یعنی شرعی قوانین کے علاوہ دوسرے ملکی و شہری قوانین۔ [2] تاریخ اسپین ڈوزی

کو اب جاکر برگزیدہ عربی قوم کے مرتبہ کا پورا اندازہ ہوا ہے، اور انھون نے اس کی قدردانی کا حق ادا کیا اور ان کے کارنامون کے جو آثار باقی رہ گئے ہین ان کا درس و مطالعہ شروع کیا ہے، خصوصاً ان کے تعمیری ہندسہ کا جو ان کا خاص حصہ تھا اور جس پر ہمارے زمانہ کی متمدن قومین بھی فخر اور حیرت کا اظہار کرتی ہین.......... عربون کی تاریخ جملہ علوم و فنون حتی کہ زراعت تک مین ان کی ذہانت و ذکاوت ترقی اور سیادت کے واقعات سے معمور ہے، اگر وہ جنگ مین کسی علاقہ کو ویران کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے تو اپنی کوشش، زراعت مین فنی مہارت اور عجیب و غریب تدبیرون سے چند ہی سال مین اس کو پھر صحیح معنون مین باغ و بہار بنا دیتے تھے[1]

اندلس کی حکومتون کے امتیازی خصوصیات

اگر ہم علم و ادب کی تمام شاخون مین اندلسی عربون کی خدمات اور ترقی کی تفصیل مین پڑینگے، تو بحث بہت طول ہو جائے گی، گذشتہ ابواب "عربی زبان کے توطن کے علاقے اور مشرقی و مغربی زبانون پر اس کے اثرات"۔ "اسلام کے عروج کے زمانہ مین یورپ کا حال"۔ "یورپ مین عربی علوم کے اثرات"۔ "عربون کی شاعری اور ان کے فنون لطیفہ کا اثر یورپ پر"، اور "مفتوحہ ملکون مین عربون کے اثرات" مین ہم ان مین سے بعض امور کی جانب اشارہ کر چکے ہین، اس لیے آیندہ صفحات مین صرف عربون کے عہد مین اندلس اور اس کی تہذیب کی ہلکی سی تصویر دکھانے کی کوشش کرینگے، کیونکہ اسی جزیرہ سے عربون کی روشنی مغربی یورپ مین پہنچی، جس طرح سسلی سے وسط یورپ مین پہنچی تھی اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر ایک طرف انھون نے جنوبی یورپ کو جنگ آزما فوجون سے فتح کیا، تو دوسری طرف انھون نے اپنے علم و فن اور صنعت و حرفت کی فوجین بھی

[1] موسیٰ کریم کی کتاب "سیاحت کے اثرات"

وہان آثار دین، اور ان کے ذریعہ وورُدراز علاقون کے مُردون کا زندہ کیا، ان کو دہقانیت سے نکالا، اور ان کو ترقی یافتہ زندگی کے معنی بتائے اور فلاح وسعادت کی لذت سے آشنا کیا، اگرچہ ان ملکون مین عربون کی تعداد بہت تھوڑی تھی لیکن انھون نے آٹھ صدیون تک یہان اپنی تہذیب کی جڑین پیوست کین اور اندلس مین بڑے بلند علمی وعملی کارنامے انجام دیے اور اپنا علمی ذخیرہ اور پاکیزہ اخلاق، لاطینی اور جرمنی اور انگریزی ملکون مین منتقل کیا، مگر پاپاؤن کے تعصب کی وجہ سے یورپ کی بہت سی قومون نے ان سے جنگ کی اور سب نے مل کر ان کو یورپ سے نکالنے کی کوشش کی، لیکن اگر خود مسلمانون کے حکمران طبقہ مین اختلاف نہ پیدا ہوگیا ہوتا تو وہ مدتون وہان حکومت کرتے اور اپنے کارنامون سے سارے روے زمین کو فائدہ پہنچاتے،

بعض فرانسیسی محققین کا بیان ہے کہ "عرب جب نار بن اور بروفیسا وغیرہ پر قابض ہوگئے تو اس کو نہایت عمدہ طریقہ سے آباد کیا، صوبہ لیون کا فرمانروا شانجہ اپنے علاج مین عربی طبیبون سے مشورہ لیتا تھا، اور فرانس کے علماء مین نفیز ایل اور لابیہ دی کلونی نے قرطبہ کی درسگاہ مین تعلیم حاصل کی تھی، اور فرانسیسیون نے زراعت کے طریقے، نہر کھودنے، دریاؤن سے کاٹکر نہر نکالنے اور آبپاشی اور سیرابی کے نظام کو عربون سے سیکھا تھا، انھون نے اندلس مین ایسے ایسے درخت اور نباتات لگائے جو وہان نہین پائے جاتے تھے، یہان سے وہ یورپ کے دوسرے ملکون مین پہنچے، اور قالین بافی اور جہاز سازی کی صنعت عربون سے ہمارے یہان آئی، اور سینٹ ٹروفیم بارکی، سینٹ سیزر اور سینٹ آن کے گرجون مین اس کی بنی ہوئی بیش قیمت چیزون کے نمونے موجود ہین اور سینٹ ہیر بارل کے گرجے مین انتہائی خوبصورت عربی نقش ونگار ہین، عربون نے دسوین صدی مین ہمارے

ملک کو رومن نقش و نگار سے روشناس کیا،

عربی سیاست کا ضعف

اندلس مین عربون کے اس عروج و اقبال کے بعد ان کے حکمران طبقہ کی باہمی پھوٹ کی وجہ سے ان پر ادبار و انحطاط طاری ہو گیا، اور گوان کی تہذیب پر زوال نہین آیا، لیکن ان کی حکومت و سیاست پر زوال آگیا، ان مین اتنی پھوٹ اور ایسی طوائف الملوکی پیدا ہو گئی تھی کہ بعض بعض صوبون کے حکام بلکہ قضاۃ تک بادشاہ یا کم از کم اپنے صوبے کے آزاد حکمران بن جانا چاہتے تھے، بعض زمانون مین مدعیانِ خلافت اور امیر المومنین کا لقب چاہنے والون کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی، جنکی حکومت کے حدود حد نظر سے آگے نہین بڑھتے تھے، ایک زمانہ مین بکثرت چھوٹی چھوٹی حکومتین قائم ہو گئی تھین، ابن حزم کا بیان ہے کہ

طرطوشہ، سرقسطہ، افراغہ، لاردہ، اور قلعہ ایوب، بنی ہود کے قبضہ مین تھے، بلنسیہ کا علاقہ، عبد الملک بن عبد العزیز کے پاس تھا، طلیطلہ کے اس پار شمالی جانب کے سرحدی علاقہ مین بنی ذو النون کی حکومت تھی، قرطبہ پر بنی جہور قابض تھے، اشبیلیہ پر بنی عباد کا قبضہ تھا، مالقہ اور جزیرہ خضرا پر بنی برزال بربری حکمران تھے، مرسیہ کچھ دنون تک زہیر عامری اس کے بعد ابن صمادح کے قبضہ مین رہا، صوبہ دانیہ اور مشرقی جزائر بالیار پر مجاہد عامری کی حکومت تھی، غرض امویون کے خاتمہ ۴۰۰ھ کے بعد اندلس مین اتنی چھوٹی چھوٹی حکومتین قائم ہو گئی تھین، چنانچہ، قرطبہ، اشبیلیہ، جیان، قرمونہ، غرب، جزیرۃ الخضراء، مرسیہ، بلنسیہ، دانیہ، طرطوشہ، لاردہ، سرقسطہ، طلیطلہ اور لشبونہ وغیرہ مین الگ الگ حکومتین تھین، اگرچہ پانچوین صدی کے آخری مین مغرب اقصٰی (مراکش)[1] کا مرابطی

---

[1] اس کی تفصیل اوپر لکھی جا چکی ہے،

فرمانروا ابن تاشفین اس کے تدارک کے لیے اندلس نہ پہنچ گیا ہوتا تو ۷۹۵ھ تک اندلس عربون کے ہاتھ مین نہین رہ سکتا تھا، اور اگر ۶۳۵ھ مین سرخیل سلاطین بنی احمر[1] غرناطہ اور اندلس کے دوسرے شہرون کو فتح کرکے دوبارہ شیرازہ مجتمع نہ کرتا تو وقت سے بہت پہلے مسلمانون کی حکومت اندلس سے ختم ہوگئی ہوتی، مسلمان امرا کے اس اختلاف اور طوائف الملوکی سے ان کے پرانے دشمن عیسائی حکمرانون کو فائدہ اٹھانے کا موقع مل گیا، اور وہ پرانی دشمنی کا انتقام لینے (اور ان کو آپس مین لڑانے) کے لیے ان کا ساتھ دینے لگے، جس کے نتائج بہت برے ظاہر ہوئے، مسلمان امرا کی غفلت کا یہ حال تھا کہ ان کو صرف "شراب کے ساغر، مغنیہ عورتون کے گانون سے لطف اندوزی اور عمر گذاری کے لیے لہو ولعب کے علاوہ اور کسی چیز سے سروکار نہ تھا، اور ان کی کمزوری اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ عیسائی سلاطین ایک عرصہ تک ان سے خراج وصول کیا کیے، ان مین ایسے بدبخت بھی تھے جو اپنے باپ اور بھائی کے مقابلہ کے لیے ان کے فرنگی دشمنون سے مدد لیتے تھے، اس لیے اندلس نے عربون کو بیرونی حملہ آورون سے زیادہ خود ان کے اختلاف اور پھوٹ نے ہلاکت مین ڈالا اور اندرونی بیماری بیرون سے زیادہ سخت اور مہلک ہوتی ہے،

یہ اندلس کی سیاست کے بگاڑ کا حال تھا، اس کے علاوہ اندلسی عربون کی کمزوری اور زوال کے اجتماعی عوامل واسباب بھی تھے، ان مین سے بعض کی جانب ابن خلدون نے آٹھوین صدی مین اشارہ کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ "دو صدیون سے اہل اندلس کی آبادی گھٹ جانے کی وجہ سے ان سے تعلیم کا چرچا ختم ہوگیا ہے، اور علوم کی جانب ان کی توجہ بہت کم ہوگئی ہے، علم کی نشانی مین صرف عربی زبان وادب کی تعلیم رہ گئی ہے

[1] نصر بن یوسف بانی خاندان بنی احمر

فقہ کی اصلی حقیقت ختم ہوگئی ہے، اس کا صرف اثر ونشان باقی ہے اور عقلی علوم کا نشان تک بھی باقی نہین رہ گیا ہے، دشمنون کے غلبہ کی وجہ سے تعلیم کی سند ختم ہوگئی ہے، لوگ ذریعہ معاش کے علاوہ عموماً دوسری چیزون کی جانب بہت کم توجہ کرتے ہین مسلمان اپنے لباس، وضع قطع اور بہت سے عادات وخصائل حتی کہ عمارتون گھرون اور دیوارون کی مصوری مین جلالقہ کی تقلید کرتے ہین، یہ باتین حکیمانہ نظر سے دیکھنے والے کے لیے جلالقہ کے غلبہ واقتدار کی نشانی ہین"

مسلمانون کا زوال اور اسپینیون کا تعصب

عربون کے دور مین انکی حکومت سے اندلس اور اس کے اس پار کے ملکون کو جو تمدنی فوائد حاصل ہوئے، ہم نے اوپر اس کی ایک ناتمام تصویر دکھائی ہے، اب یہ دکھانا باقی ہے کہ عربون کے ضعف وزوال کے بعد ان کے دشمنون نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا، عربون نے جب سے اندلس کی سرزمین پر قدم رکھا تھا، اسی وقت سے انھون نے یہان ایسے کام انجام دیے جس سے ملک کے اصل باشندون کو بڑا فائدہ پہنچا، اور عرب اپنی حکومت کے پورے طویل زمانہ مین جو قریب قریب رومن دور حکومت کے برابر تھا، رواداری، لطف ومدارات اور آزادی کا نمونہ رہے، مگر جب عیسائیون کا زمانہ پھر پلٹا اور انھون نے اندلس مین اسلام کے آخری قلعہ غرناطہ کو فتح کرلیا تو انھون نے اس رواداری کی تقلید نہین کی، جو عربون نے کئی صدی تک برتی تھی، بلکہ اس معاہدہ کے خلاف جو انھون نے مسلمانون سے کیا تھا، ان کو انتہائی بےدردی سے مٹانے کی کوشش کی، اگرچہ وہ ان کو اندلس سے پوری طرح نکالنے مین ایک صدی کے بعد کامیاب ہوسکے،

ان بربادیون کے باوجود اتنے دنون تک اندلس مین عربون کے باقی رہ جانے

کا سبب ان کی ذہنی برتری تھی، ملک کی ساری صنعت و حرفت ان کے ہاتھ مین تھی، ان پر اسپینیون کا یہ الزام بالکل صحیح ہے، کہ وہ اسپین کے سارے کامون پر چھائے ہوئے تھے، اسی لیے اسپینی قوم نے ان کو اندلس سے نکالنے کا مطالبہ کیا تھا، مگر مذہبی پیشواؤن نے اس مین بڑی زیادتی سے کام لیا، انھون نے یہ فیصلہ کیا کہ سارے عربون کو ایک سرے سے قتل کر دیا جائے، ان کا ایک گھر بھی باقی نہ رہنے پائے، عورتون، بچون اور بوڑھون کسی کو بھی نہ چھوڑا جائے، فلپ دوم نے ۱۶۱۰ء مین ظاہر مین تو یہ اعلان کیا کہ سب کو اندلس سے جلا وطن کر دیا جائے، اور خفیہ ہدایت کر دی کہ قبل اس کے کہ عرب اندلس سے نکلنے پائین ان کا بڑا حصہ قتل کر دیا جائے، چنانچہ اس ہدایت کے مطابق ایک چوتھائی عرب قتل کر دیے گئے،

عربون کی جلا وطنی اور ان کے قتل عام سے ملک مین خوشی اور مسرت کی ایک عام لہر دوڑ گئی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ملک ایک نئے انقلابی دور مین داخل ہوگا،، اس ہلاکت آفرینی سے جس کی مثال تاریخ مین نہین ملتی، بڑے زبردست نتائج پیدا ہوئے،

فرڈ ننینڈ نے عربون سے جو معاہدہ کیا تھا اس مین ان کو مذہب اور زبان کی پوری آزادی دی تھی، مگر ۱۴۹۹ء مین جب عربون کو مٹانے کا دور شروع ہوا تو اسپینی اس غلط دعویٰ پر کہ عرب عیسائی تھے، ان کے بچون کو زبردستی پکڑ کر تحقیق مذہبی کی عدالت[1] مین لیجاتے تھے

[1] تحقیق مذہبی کی عدالت سے مراد انکویزیشن ہے، یہ عدالت یورپ مین سب سے پہلے ان لوگون کو سزا دینے کیلئے قائم کی گئی تھی جو رومن کیتھلک کے عقائد کے خلاف عقیدہ رکھتے ہون، اس نے رومن کیتھلک کے علاوہ دوسرے عیسائی فرقون کے لاکھون آدمیون کو بڑی دردناک سزائین دین اور انکو زندہ آگ مین جلوا دیا۔ اندلس مین مسلمانون کے خلاف بھی یہی عدالت تحقیقات اور فیصلے کرتی تھی۔ م،

اوران مین سے جس پر قابو پاتے اس کو زندہ جلا دیتے لیکن لاکھون انسانون کا جلا دینا
مشکل کام تھا، اور اس کام کی رفتار سست تھی، اس لیے اندلس کی سرزمین کو عربون
سے پاک کرنے کے لیے لارڈ بشپ کرڈینل[1] نے جو مذہبی عدالت کا حاکم مطلق تھا، اور
بڑا عابد و زاہد شمار کیا جاتا تھا، یہ حکم دیدیا کہ ان تمام عربون کو جو عیسوی مذہب قبول نہ
کرین تلوار کے گھاٹ اتار دیا جائے، ڈومنکی بلیڈ اس سے بھی سنگدل تھا، اس نے کہا کہ یہ
نہین معلوم ہو سکتا کہ جن لوگون نے عیسائی مذہب قبول کیا ہے وہ صدق دل سے بھی عیسائی
ہوئے ہین، اور ان کا فیصلہ خدا ہی آخرت مین کر سکتا ہے کہ کون اس کے عذاب کا مستحق ہے
اور کون نہین ہے، اس لیے بلا استثنا تمام عربون کو قتل کر دیا جائے" والٹیر کا بیان ہے
کہ "جس زمانہ مین عربون نے اندلس فتح کیا تھا تو کسی ملکی نصرانی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور
نہین کیا تھا، مگر جب عیسائی غرناطہ پر قابض ہوئے تو کرڈینل کیمنس نے دینی حمیت
کے جذبہ مین یا اس لیے کہ وہ ایک ویسا طبقہ پیدا کرنا چاہتا تھا جو اس کے دبدبہ کے
سامنے ہمیشہ سرنگون رہے، سارے عربون کو عیسائی بنانا چاہا، اور پچاس ہزار عربون کو
مجبور کیا کہ وہ اس مذہب کو قبول کرین جس پر ان کا ایمان نہین ہے"
بیان کیا جاتا ہے کہ بلیڈا ڈومنکی نے تین چوتھائی جلا وطن عربون کو اندلس سے
نکلنے کے بعد راستہ مین قتل کرا دیا، ان مین سے ایک لاکھ اس مہاجر گروہ مین سے تھے
جو افریقہ جا رہے تھے، اس طرح چند مہینون کے اندر اسپین نے اپنی کئی لاکھ رعایا کھو دی
میڈیلیو اور بہت سے مورخین کا بیان ہے کہ "فرڈینینڈ کی فتح سے لیکر عربون کی آخری
جلا وطنی تک اسپین کے تیس لاکھ آدمی ضائع ہوئے" اسپین کے سب سے بڑے مورخ

[1] کرڈینل قرون وسطیٰ کے عیسائیون کا ایک مذہبی عہدہ تھا، "م"

فارسٹی کا بیان ہے کہ "اسپین کے مختلف زمانون مین جو عیسائی عرب ہلاک ہوئے یا غلام بنائے گئے ان کی تعداد ایک لاکھ سے اوپر ہے"۔ لیبان کا بیان ہے کہ "ان مقتولون کے مقابلہ مین سینٹ برتھالیمیو[2] کے قتل گاہ کی کوئی حقیقت نہین تھی، ان تینون[3] مقتلون کا جیسا وحشیانہ اور سنگدلانہ حادثہ بڑے سے بڑے وحشی اور سنگدل فاتحون سے بھی ظاہر نہین ہوا، یہ اسپین کی بڑی بدقسمتی ہے کہ اس نے جس تیس لاکھ رعایا سے اپنے ہاتھون اپنے کو محروم کیا، اس مین تمامتر اونچے طبقہ کے علما، اور صناع تھے،

باوجودیکہ غرناطہ حوالہ کرنے کے معاہدہ مین مسلمانون کی جان و مال کی حفاظت اور ان کی مذہبی آزادی کی تمام شرطین موجود تھین[4] کہ وہ جس طرح چاہین گے اپنے دینی مراسم ادا کر سکین گے، لیکن ایک مدت دراز تک ان شرائط پر عمل نہین کیا گیا، اور لارڈ بشپ کارڈینل سیزمردس کے بھڑکانے سے ۱۴۹۹ء مین غرناطہ کے مسلمانون کو عیسائی بنانے کی مہم شروع ہوگئی، اسی کے ساتھ اس نے اسلامی علوم کی تمام کتابین جمع کرکے جلوادین، اس سے بیازین، بشرات، مریہ، باجہ، قادس اور رندہ کے مسلمانون مین شورش پھیل گئی، اس کی سزا مین ۱۵۰۱ء مین ان کو مجبور کیا گیا کہ وہ اسپین سے نکل جائین یا عیسائی مذہب قبول کرین، لیکن اس پر پورا عمل نہین ہو سکا، اور مسلمان نصف صدی سے زیادہ پہاڑی علاقون مین نیم خود مختاری کی حالت مین موجود رہے، پھر فلپ دوم[5] کے

---

[1] دیوان الحقیق محمد عبداللہ عنان [2] سینٹ برتھالیمیو ایک رومن کیتھلک، دلی تھا ۱۵۷۲ء مین اسکے عرس کے دن چارلس نہم بادشاہ فرانس کے حکم سے فرانس کے پانسو معزز پروٹسٹنٹ اور دس ہزار عوام قتل کیے گئے [3] اندلس مین ایک صدی کے اندر تین مرتبہ مسلمانون کا قتل عام ہوا تھا۔ [4]

[5] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لفظ مورس

کے تمام مسلمان عیسائی بنائے گئے اور ارجون کے مسلمانوں کو چھوڑ دیا گیا، مگر سولھویں صدی کے ابتدائی برسوں میں وادی کبیر کے مشرقی سینٹ میری کے بہت سے مسلمان عیسائی ہو گئے اور ۱۵۶۶ء میں میڈرڈ میں یہ حکم صادر ہوا کہ جو مسلمان اسپین میں باقی رہ گئے ہیں وہ عربی زبان استعمال نہ کریں جس سے مسلمانوں میں بھی عربی زبان کو نقصان پہنچا پھر ان کو حکم دیا کہ وہ اپنے رسوم و رواج چھوڑ دیں، اپنا لباس اور طرز زندگی بدل دیں، اس حکم سے غرناطہ اور البشرات کے مسلمانوں میں بغاوت پھیل گئی اور کئی سال تک ان میں اور عیسائیوں میں جنگ کا سلسلہ قائم رہا، تاآنکہ ۱۶۰۳ء میں مسلمانوں کی آخری جلاوطنی کا حکم صادر ہوا، اور دو سال کے اندر تقریباً پانچ لاکھ مسلمان اسپین سے نکل گئے اور اس جزیرہ سے تاریخ اسلام کا صفحہ ختم ہوگیا،

یہ تو اسپین میں مسلمانوں کے خاتمہ کی سرگزشت تھی، یہی انجام پرتگال کے مسلمانوں کا بھی ہوا۔ وہ کچھ دنوں تک تو پرتگال میں جمے رہے، مگر پھر یہاں سے بھی نکلنا پڑا، مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد پھر واپس آ گئے، مگر غرناطہ سے ان کی جلاوطنی سے بہت پہلے جب وہ لشبونہ سے نکلے گئے تھے، تو پرتگالیوں نے فرانسیسی، انگریز، جرمن اور بلجیم کے بحری ڈاکوؤں کی مدد سے مسلمانوں کے ساتھ بڑا وحشیانہ اور سنگدلانہ برتاؤ کیا، ان کے مردوں اور بچوں کو قتل اور عورتوں کو قید کر لیا، مسلمانوں کی ہر چیز برباد کر دی حتیٰ کہ غذا کا ذخیرہ تک جلا دیا۔ اس قتل عام میں بیس ہزار سے زیادہ مسلمان مارے گئے، پرتگالی مورخ ہرکولانے دوسرے مورخین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب فرنگیوں نے ۷۰۵ھ میں اندلس سے موحدین کی حکومت کا خاتمہ کرنا چاہا تو پاپائے روم نے مقدس جنگ کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان پر

ا؎ سیاحت کے اثرات، موسیٰ کریم۔

اٹلی، فرانس اور جرمنی کی عیسائی فوجین استنبول مین آکر مل گئین، اور ان کی دلی مراد پوری ہوگئی،

اسپینیوں نے اندلس سے مسلمانون کی ہر نشانی مٹا دی، ان کے گھرون تک کو اپنے ہاتھون سے مسمار کیا، ان مین سب سے زیادہ اہم واقعہ عربی کی کتابون کی بربادی تھی، اسلام اور تہذیب و تمدن کے سب سے بڑے دشمن کرڈینل کیمینس نے غرناطہ مین عربی کتابون کی بڑی تعداد خصوصاً کلام مجید کے نسخون کو جلوانے کے بعد ۱۵۱۱ء مین عام حکم جاری کردیا کہ پورے اندلس کی عربی کتابین برباد کردیجائین[1]، چنانچہ پوری نصف صدی تک اس اندھے تعصب پر عمل ہوتا رہا، اگر عربی کتابون کے لاتینی ترجمے باقی نہ رہ گئے ہوتے تو عربی تمدن کی نشانی کا بالکل خاتمہ ہوجاتا، مذہبی عدالت جس نے عربون کے تمام آثار کو مٹانا اپنا فرض بنالیا تھا، عربی کے ان بیش قیمت مخطوطات کو بھی جو آجکل اسکوریال کے کتب خانہ مین محفوظ ہین آگ کا ایندھن بنا دینا چاہا تھا، مگر مرکیز فیلاڈالا کے دل مین کچھ رحم آگیا، اس نے ان کو بچالیا،

عرب کئی صدی تک اپنے کامون سے اسپین کو متمدن اور مہذب بناتے رہے، اور یورپ کے دوسرے ملکون کو بھی تہذیب سکھائی، مگر اس کا بدلہ ان کو یہ دیا گیا کہ جب ان کی سیاسی قوت کمزور پڑی تو وہ بڑی بے دردی سے قتل کیے گئے، اور ان کے آثار مٹائے گئے، یورپ کے تمام ملکون مین عربون سے سب سے زیادہ ان ہی نے فائدہ اٹھایا تھا، مگر جب وہ اسپین سے جلاوطن کیے گئے تو وہ بالکل ویران ہوگیا، اور ان کی صنعت و حرفت، زراعت اور علوم و فنون سب ختم ہوگئے، اور عربون کے

[1] اسپین اور عربی تمدن از کاباٹون فرانسیسی رسالہ عالم اسلامی۔

نکلنے کے تھوڑے ہی دنون کے بعد اسپین یورپ کا سب سے پسماندہ ملک بن گیا، لین پول
لکھتا ہے کہ "سرزمین اسپین سے اسلام کی جلاوطنی کے بعد، اسپینیون کی وحشت و جہالت اور
ترقی کے میدان مین ان کی رجعت، پستی کی وجہ سے اسپینی مسلمانون کی فضیلت اور زیادہ
نمایان ہو گئی"، لیبان کا بیان ہے کہ "غرناطہ مین کرڈینل کسیمنس کو عربی کے جو مخطوطات
مل سکے اور جن کی تعداد اسی ہزار تھی (یہ ایک شہر غرناطہ کی کتابون کی تعداد ہے) انکو
جلانے کے بعد اس کو یہ یقین تھا کہ اب اس کے دین کے دشمنون (مسلمان) کا نام تاریخ
سے ہمیشہ کے لیے مٹ جائے گا" اس مین شک نہین کہ اس نے ان کے تحریری آثار
مٹادے، مگر انھون نے سرزمین اندلس مین جو کارنامے انجام دیے ہین، وہ رہتی
دنیا تک ان کا نام زندہ رکھنے کے لیے کافی ہین،

تیرہوان باب

جزیرہ سسلی مین عربون کا تمدن

عرب بحر روم کے جگر مین سسلی پر ان کی فوج کشیان اور

عربون کی ابتدائی فتوحات ہی کے زمانہ سے ان کے مسلسل حملون سے بحر روم بھی، بحر فارس، بحر ظلمات اور بحر ہند کی طرح بحر عرب بن گیا تھا، ابن خلدون کا بیان ہے کہ

"اس سمندر (بحر روم) کی ہر سمت مین وہ (عرب) چھا گئے تھے، اور اس مین انکا اقتدار اور دبدبہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ عیسائی قومون کے جہاز کسی سمت نہین آسکتے تھے، اور عربون نے اپنے پورے دور مین اس سمندر کو اپنی فتوحات کا بازی گاہ بنائے رکھا، بحر روم مین ان کے معرکے اور فتوحات مشہور ہین، میورقہ، منورقہ، سردانیہ، یابسہ، صقلیہ، قوصرہ (پنٹلیریا)، مالٹا، کریٹ، اور قبرص وغیرہ بحر روم کے تمام جزیرون پر قابض ہوگئے تھے، اور اپنی فتوحات کے دوران مین وہ اس سمندر کے تمام حصون پر چھا گئے اور ان کے جہاز اس مین رواں دواں رہے، اسلامی فوجین جنگی بیڑون مین سسلی سے اس بڑے علاقہ تک جو سسلی کے مقابل اسکے شمال مین ہے، بحر روم کو عرضاً عبور کرکے فرنگی سلاطین پر حملے اور ان کے ملکون پر تاخت کرتی ہین، جیسا کہ فاطمیون کے داعی اور سسلی کے حکمران خانوادہ بنی ابوالحسین کے زمانہ مین ہوتا رہا، اس زمانہ مین عیسائی

قومین اپنے جہازون کو لیکر فرنگی عقلبی اور رومانی جزائر کے ساحل کے شمال مغرب مین ہٹ گئی تھین، اور اس سے آگے قدم نہ بڑھاتی تھین، اور اسلامی بیڑے غضبناک شیر کی طرح ہر طرف چھپٹتے تھے، اور اس پورے سمندری علاقے کو مسلمانون اور ہر قسم کے سازو سامانون سے بھر دیا تھا، وہ ان فوجکشیون مین کبھی جنگ اور کبھی صلح کی روش اختیار کرتے تھے، اور اس زمانہ مین بحر روم مین عیسائیون کا ایک تختہ بھی تیرتا نظر نہ آتا تھا"

ابن خلدون کا یہ بیان بحر متوسط مین مسلمانون کی حالت کا بہت اچھا نقشہ اور اس پر جامع تبصرہ ہے، عربون نے سسلی اور بحر متوسط کے اکثر جزیرون پر حضرت عثمان رضؓ کے عہد خلافت مین اس زمانہ مین پہلا حملہ کیا تھا، جب ۳۴ھ مین امیر معاویہ نے غزوہ صواری مین اسکندریہ کے قریب پورا رومی بیڑا تباہ کر دیا تھا، جس کی کمان قسطنطین بن ہرقل کر رہا تھا، اس مین ایک ہزار اور بعض روایتون کے مطابق سات سو جہاز تھے، اور اسلامی بیڑے کے جہازون کی تعداد کل دو سو تھی، اسکے باوجود رومیون کو بڑی فاش شکست ہوئی،

سسلی پر سب سے اول معاویہ بن خدیج کی جانب سے عبداللہ بن قیس فزاری نے حملہ کیا تھا، اس حملہ مین بعض فتوحات اور کچھ مال غنیمت بھی حاصل ہوا تھا، اسکے بعد ۴۸ھ مین وہ سسلی کے حالات کی تحقیقات کے لیے گئے، ان کے بعد مختلف وقتون مین مختلف فوجی افسر سسلی کی مہم پر جاتے رہے، پہلے حملہ مین عبداللہ بن قیس کو جواہرات سے مرصع سونے کے بت ہاتھ آئے تھے، جن کو امیر معاویہ نے دمشق سے بصرہ بھیجدیا تھا، یہان سے وہ فروخت کرنے کے لیے ہندوستان بھیجے گئے، اور اس بارہ مین امیر معاویہ نے مسلمانون کی نکتہ چینی کی پروا نہ کی، اور مال غنیمت کا پانچوان حصہ حضرت عثمانؓ کے پاس بھجوادیا،

اور سسلی کے حملہ مین مسلمانون کی سلامتی، ان کی فتوحات اور حالات کی اطلاع دی، اسکو سنکر حضرت عثمان بہت مسرور ہوئے،

سسلی کی مہم کی ذمہ داری والی تونس کے سپرد تھی، اس لیے مختلف اوقات مین اس پر حملون کا سلسلہ جاری رہا، پہلی صدی کے آخر مین عیاش بن اخیل نے موسی بن نصیر کے آدمیون کے ساتھ سسلی پر حملہ کیا، پھر دوسری صدی کے شروع مین محمد بن یزید انصاری حملہ آور ہوئے، سنہ ۱۳۰ھ مین عبد الرحمن فہری نے سسلی اور سرڈانیہ پر فوجکشی کی اور یہ سلسلہ برابر قائم رہا، تا آنکہ سنہ ۲۱۲ھ مین زیادۃ اللہ بن اغلب کی جانب سے قاضی اسد بن فرات نے اس کو مستقل فتح کرلیا، اور مسلمانون کا اس پر قبضہ ہوگیا، زیادۃ اللہ نے اسد بن فرات کو دس ہزار جنگ آزما سپاہیون اور ایک سو جہازون کے ساتھ سسلی بھیجا تھا، پھر بیس ہزار سپاہ اور تین سو جہاز کمک مین روانہ کیے تھے، اور اس کی فتح کے بعد مامون کو اسکی اطلاع دی، اس کے بعد سنہ ۲۱۵ھ سے لیکر سنہ ۲۲۲ھ تک سسلی کے پایہ تخت پلرمو کا محاصرہ برابر جاری رہا اور بعض غیر مفتوحہ علاقون پر فوجکشی ہوتی رہی، چنانچہ سنہ ۲۲۹ھ مین واثق باللہ عباسی نے مسینی فتح کیا، سنہ ۲۴۳ھ مین ابن اغلب نے فوج کشی کی، چوتھی صدی کے آغاز مین مسینی کے باشندے باغی ہوگئے تھے، اس لیے سنہ ۳۰۴ھ مین عبید اللہ المہدی فاطمی نے فوجکشی کرکے اس کی شہر پناہ مسمار کی، اور سنہ ۳۴۴ھ مین معز الدین اللہ نے اس کو دوبارہ فتح کیا، سنہ ۵۱۵ھ مین گل بن یوسف بن تاشفین نے اس کے بعض شہر فتح کیے،

انگریز مورخ سنگر لکھتا ہے کہ سسلی کو جو بزنطینی شہنشاہیت کے ماتحت تھا، عربون نے فتح کیا، اور سنہ ۸۳۱ء مین اس کے پایہ تخت پلرمو پر ان کا قبضہ ہوگیا، اور فتح وکامرانی برابر ہلال کے ہمرکاب رہی، تا آنکہ سنہ ۹۴۳ء مین اس کا اقتدار دوبارہ بھی قائم ہوگیا، اور

جس طرح نیپلز اور سلرنو پر ان کا قبضہ ہو گیا تھا، اسی طرح جنوبی اٹلی کے صوبون مین بھی انکی حکومت قائم ہو گئی، البتہ ماؤنٹ کاسینو پر جو وینس کے وڈے راہبون کی زیارت گاہ ہونے کی وجہ سے "دیر الرہبان" کہلاتا تھا، اور اندرونی اٹلی سلرنو سے ستر میل کی مسافت پر نہایت سنگین اور مستحکم شہر تھا، ۴۵۵ھ مین قبضہ ہو سکا اور اس پر ان کی اٹلی کی فتوحات کا خاتمہ ہو گیا،

عرب جنوبی اٹلی مین

سسلی پر عربون کے قبضہ کے حالات معلوم ہو جانے کے بعد جہان دو صدیون تک ان کی مضبوط حکومت قائم رہی، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بھی پتہ چلایا جائے کہ بحر روم کے جزیرون، شہرون اور قلعون کو فتح کرنے کے بعد عربون کے قدم اس حد پر رک گئے یا آگے بڑھے، تاریخ ہم کو بتلاتی ہے کہ عرب اسی حد پر نہین رکے بلکہ انھون نے جنوبی اٹلی کے بعض حصون پر بھی قبضہ کر لیا تھا، چنانچہ کلبریا، ٹرنٹو، باری، ریگیو، وغیرہ لنگو بر ڈیا (موجودہ لمبارڈیا) اور پولیا وغیرہ بھی انھون نے زیر نگین کر لیے تھے، اور دوسری سمت جنیوا فتح کرتے ہوئے روما تک پہنچ گئے تھے،

اس زمانہ مین لنگو بر ڈیا کا اطلاق حسب ذیل علاقون پر کیا جاتا تھا (۱) اس سے مراد اٹلی کی لنگو بر ڈی حکومت تھی یعنی جو حکومت لنگو بر ڈی بہادرون نے قائم کی تھی، یہ حکومت ۵۶۸ء سے لیکر ۷۷۴ء تک قائم رہی، اور اس کے دور عروج مین اس کا اطلاق پورے شمالی اٹلی پر ہوتا تھا، (۲) اس سے مراد لنگو بر ڈین ڈیوکس کی وہ جاگیردارانہ ریاستین بھی تھین جو مرکزی لنگو بر ڈی حکومت کے خاتمہ کے بعد باقی رہ گئی تھین، مثلاً جنوبی اٹلی مین بنونٹو، کپوا اور سالرن کی ریاستین، (۳) تیسرے اس سے مراد وہ علاقہ تھا جسکو یونانی لوکلیہ (اپولیا) کہتے تھے، اس کو انھون نے دسوین صدی عیسوی مین چھڑانے کی کوشش کی تھی، لنگو بر ڈیا کا نام اس زمانہ مین لمبارڈیا ہو گیا ہے، اس مین وہ کل علاقہ شامل ہے جس سے

لنگوبرڈی خاندان کی حکومت کا تعلق تھا، آجکل یہ علاقہ میلان، برکامو، برشیا، کومو کرسمیونا، مانٹوفا، بافیا، سانڈریو اور فارسی پر مشتمل ہے، شریف ادریسی اسی علاقہ کو انبرضیہ کے نام سے موسوم کرتا ہے،

نوین صدی عیسوی مین جنوبی اٹلی کا پورا علاقہ لنگوبرڈی ریاست مین تھا، جو بنونٹو کے نام سے موسوم تھی، یہ ریاست اس حیثیت سے ڈیوکی رومیہ اور اسپالیٹو سے ملی ہوئی تھی کہ اسکی شمالی سرحد اس مقام سے شروع ہوتی تھی جہان دریائے ٹرنٹو بحرایڈریاٹک مین ملتا ہے، اور دریائے ٹرانوسے ہوتی ہوئی ٹراسینا تک چلی جاتی تھی، اور جنوب مین اس کی سرحد صوبہ اپولیا کے بڑے حصہ سے ملی ہوئی تھی، جس مین ٹارنٹو، برنڈیزی، باری اور شمالی کلبریا کے تمام شہر جنوبی کوزنزا تک شامل تھے، اور جنوبی سمت کا اپولیا اور کلبریا کا علاقہ بیزنطینی حکومت کے ماتحت تھا، مگر دریائے ٹرانوٹو کی تین ساحلی نوابیون نیپلز، گیٹا، اور امالفی نے اپنی آزادی قائم رکھی تھی، اور ان پر بنونٹو ریاست کا کوئی اقتدار نہ تھا، جو بیزنطینی حکومت کے نام سے حکمرانی کرتی تھی، بنونٹو حکمران ان تینون ریاستون پر ہمیشہ حرص وطمع کی نگاہ ڈالتے رہتے تھے، اس لیے ۸۳۵ء مین نیپلز کی ریاست اپنے بقاء وتحفظ کے لیے سسلی کے عربون سے دوستی کا معاہدہ کرنے پر مجبور ہوئی، جو ۹۰۰ء تک قائم رہا،

۸۳۹ء مین اس نواح کے دو حکمرانون مین بڑی خونریز جنگ ہوئی، یہ دونون عربی فوج سے مدد لینے پر مجبور ہوئے، مگر پھر ۸۴۹ء مین دونون نے صلح کرلی، اسکی رو سے ان کی ریاست دو حصون مین تقسیم ہوگئی، ایک بنونٹو ریاست کہلانے لگی اور دوسری سالرنو کی، اسی زمانہ مین عربون نے سسلی کے پایہ تخت بلرمو سے مشرقی اٹلی پر حملہ کیا اور برنڈیزی پر قابض ہوگئے، یہان کے حکمران نے مدافعت کی کوشش کی، مگر اس کی کوئی

سبیل نہ نکل سکی، عربون کو اطلاع ملی کہ وہ ایک بڑے حملہ کی تیاری کر رہا ہے، اس لیے انھون نے برنڈیزی کو تباہ کر دیا اور سسلی لوٹ آئے، ۸۴۰ء مین انھون نے ٹرنٹو پر قبضہ کر لیا جو دریائے اڈریاٹک پر نہایت اہم بحری مرکز تھا، اس کے کچھ دنون بعد ۸۴۲ء یا ۸۴۳ء مین کریٹ کے عرب وہان پہنچ گئے،

عربون کے ان حملون سے وینس کے باشندون کو اپنی تجارت کے متعلق خطرہ پیدا ہوگیا تھا، قیصر روم تھوفیل نے بھی ان کو عربون کے خلاف ابھارا، اس لیے وہ ساٹھ جنگی جہازون کا بیڑا لیکر سسلی کی طرف بڑھے، ٹرنٹو کے مقابل مین دونون کا سامنا ہوا، عربون نے اہل وینس کو بڑی فاش شکست دی اور ان کے بیڑے کا بڑا حصہ تباہ ہوگیا، جو لوگ زندہ بچ رہے وہ گرفتار ہوئے اور مسلمان دریائے اڈریاٹک کے شمالی سمت ڈلماسیا تک بڑھتے چلے گئے، اور ۸۴۲ء مین جزیرہ اوسرو کے شہر کرسو کو تباہ کر دیا، اور دریائے اڈریاٹک کو عرض مین عبور کر کے انکونا کے کچھ آدمی گرفتار کر لیے، اور واپسی مین اہل وینس کے کئی جہاز مال غنیمت مین حاصل ہوئے، ابن اثیر نے ۲۲۵ھ کے حوادث کے تحت ان ہی لڑائیون کی جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اسلامی بیڑے نے قلوریہ پر فوجکشی کر کے اس کو فتح کیا، اور بادشاہ قسطنطنیہ کو فاش شکست دی، وہ شکست کھا کر قسطنطنیہ لوٹ گیا، اور مسلمانون کو بہت بڑی فتح حاصل ہوئی،" قلوریہ سے اس کی مراد وہ علاقہ ہے جس کو آجکل جزیرہ نمائے سالینٹنا کہا جاتا ہے، اور جو اپولیا کا جنوبی حصہ ہے، ٹرنٹو اور برنڈیزی اسی علاقہ مین واقع ہے،

۸۴۸ء مین عرب کارنر مین داخل ہوئے، اور وینس کے بیڑے کو بڑی فاش شکست دی، اس مرتبہ سسلی اور کریٹ کے عربون نے مل کر باری پر قبضہ کر کے شہر کیپوا کو تباہ کر دیا،

اسی زمانہ مین اس نواح کے دو اطالوی حکمرانون مین سخت مخالفت پیدا ہو گئی، ان مین سے ایک نے افریقہ کی اسلامی فوجون سے مدد مانگی اور دوسرے نے کریٹ کے مسلمانون سے۔ اس سے مسلمانون کو موقع مل گیا اور انھون نے دوبارہ ٹرنٹو پر جو ان کے ہاتھون سے نکل گیا تھا، قبضہ کر لیا، اس کے بعد ۲۴۶ھ مین حالات بدل گئے، دونون حکمرانون نے آپس مین ملک تقسیم کر کے صلح کر لی اور طے کیا کہ دونون مین سے کوئی مسلمانون سے مدد کا طالب نہ ہوگا، ۲۵۵ھ مین مسلمانون اور بادشاہ فرانس لوئی دوم کی فوج مین معرکہ ہوا، اس مین مسلمانون کو شکست ہوئی اور ان کا سپہ سالار کام آیا، اور پھر ٹرنٹو مسلمانون کے قبضہ سے نکل گیا، اس لیے امیر عباس بن فضل کے حکم سے جس نے قلوریہ مین مسلمانون کو بسایا تھا، دوبارہ ٹرنٹو کا محاصرہ کیا گیا۔

باری کی اسلامی ریاست اس نواح کے سرحدی علاقون پر برابر حملے کرتی رہتی تھی، اس کے سرغنہ زیادہ تر مفرج بن سلام تھے، جنھون نے بلاذری کے بیان کے مطابق چوبیس قلعے فتح کیے، اور مصر کے عباسی صاحب البرید (اخبار نویس) کو اس کی اطلاع دیکر اس سے خواہش کی کہ اس وقت اس کی حیثیت ایک غاصب کی ہے، اور اس کی اور اس کے ساتھیون کی نماز بھی جائز نہیں ہوتی، اس لیے وہ کوشش کر کے امام وقت (عباسی خلیفہ) سے اس کو اس کے مقبوضہ علاقہ کی سند حکومت دلوا دے تاکہ اس کی حیثیت غاصب اور متغلب کی نہ رہ جائے، اس نے باری مین ایک جامع مسجد بھی تعمیر کرائی تھی، اس کا تعلق غالباً شمالی افریقہ کے اغالبہ سے نہین تھا، بلکہ کریٹ کے عربون سے تھا، اسی لیے اس نے اپنی حکومت کے جواز کے لیے خلافت بغداد کی جانب رجوع کیا تھا، ظن غالب یہ ہے کہ اپولیا کے بعض علاقہ پر مفرج کا اقتدار قائم ہو گیا تھا، اس کے بعد امیر ... ان اشخاص نے پورے

جنوبی اٹلی کو تاخت و تاراج کر ڈالا، اور اس کی تاخت جنوبی نیپلز اور سالرن تک پہنچ گئی تھی، وہ یہاں کے باشندوں میں خونریزی میں مشہور تھا، اس کے بعد ۸۷۱ء میں بادشاہ فرانس لوئی دوم اٹلی پہنچا اور باری پر قبضہ کرکے بہت سے مسلمانوں کو قتل کیا اور ۲۹ سال کے بعد یہاں سے مسلمانوں کی حکومت ختم ہوگئی، مگر ان کی حکومت یہاں اتنی کم رہی تھی کہ سسلی کی طرح انھوں نے کوئی علمی اور صنعتی آثار نہیں چھوڑے،

اس کے بعد جنوبی اٹلی کے باشندوں اور عربوں کے درمیان ۸۷۰ء سے لیکر ۹۰۲ء تک بڑے خونریز معرکے برپا رہے، اٹلی میں عربوں نے دوسری ریاست ۸۸۳ء میں اس علاقہ میں قائم کی جہاں دریائے گری گلیانو دریائے ٹیبر میں گرتا ہے، یہ حکومت ۹۱۵ء تک قائم رہی، ۳۲۳ھ میں عرب جنیوا پر بھی قابض ہوگئے تھے، مگر پھر اس کو لوٹ کر چھوڑ دیا، کلبریا کے علاقہ پر ان کا قبضہ متفرق طور سے رہا، یعنی اس کے مختلف حصے کبھی عربوں کے ہاتھ سے نکل کر عیسائیوں کے قبضہ میں چلے جاتے تھے، اور کبھی عیسائیوں کے علاقے عربوں کے قبضہ میں چلے آتے تھے، لیکن رومیہ پر عربوں کا قبضہ کبھی نہیں ہوا، اور وہ ۸۴۶ء میں اس کے شہر پناہ کے قریب تک پہنچکر رہ گئے، اپیٹر اور پولس مقدس کے گرجوں کو جو اس زمانہ میں شہر پناہ کے باہر تھے، لوٹ لیا تھا، مگر اس کے آس پاس کے دیہات کے باشندوں نے ان پر حملہ کرکے ان کو واپس جانے پر مجبور کردیا، بنی الحسن بن علی نے ریگیو میں ایک بہت بڑی مسجد تعمیر کی تھی، اس کے ایک گوشہ میں اذان دینے کے لیے منارہ بھی تھا، مسلمانوں نے رومیوں سے یہ شرط کرلی تھی کہ وہ ان کو اس مسجد کی آبادی اور اس میں اذان دینے اور نماز پڑھنے سے نہ روکیں گے، اور کسی عیسائی کو اس میں آنے کی اجازت نہ ہوگی، اور جو مسلمان قیدی خواہ مرتد ہو چکا ہو یا اپنے مذہب پر قائم ہو، جب مسجد میں آجائے گا تو

اس کی جان محفوظ رہے گی، اگر مسجد کی ایک اینٹ کو بھی عیسائیوں نے نقصان پہنچایا تو سسلی اور شمالی افریقہ میں ان کے سارے گرجے مسمار کر دیے جائیں گے، اس لیے رومیوں نے ان تمام شرائط کو پورا کیا، لیکن یہ مسجد کل چار سال آباد رہ سکی۔

سسلی کا نقشہ اور اس میں عربوں کا کارنامہ

قدیم جغرافیہ کے بیان کے مطابق سسلی کا طول سات دن کی مسافت کے بقدر تھا، اور پورے جزیرہ کا دور پندرہ دن کا تھا، نئی اصطلاح میں اس کی مسافت ۲۵۰۰۰ کیلومیٹر ہے، یہ جزیرہ افریقہ، یورپ اور ایشیا کا اہم نقطۂ اتصال ہے، اس لیے ہر زمانہ میں بحری حکومت کے فاتحوں کا ہدف رہا ہے، عربوں کے آخری دور حکومت میں چھوٹے چھوٹے مواضعات اور مزرعوں کے علاوہ سسلی میں ایک سوتیس شہر اور قلعے تھے، جن میں خاص شہر ٹراپنی، زرا، گرگنتی، بئیرا، سراکیوز، کتانیا، بطرنو، مقس، مسینا، رقطہ، دمنس، قلعۃ القوارب، قلعۃ الصراط، قلعۃ البلوط، قلعۃ ابی ثور، بطرلیہ، ترمینی، قرلیون، برطیف، اور برطنہ تھے

عرب فاتحوں نے سسلی پر قبضہ کے بعد اس کے باشندوں کے عادات و رسوم، قوانین اور مذہبی آزادی میں کوئی مداخلت نہیں کی، ان کو بجلنسہ قائم رکھا، اور صرف معمولی خراج لینے پر اکتفا کیا جس کی مقدار یونانیوں کے زمانہ کے خراج سے بہت کم تھی، [1] اس سے بھی راہبوں، عورتوں اور بچوں کو مستثنیٰ کر دیا، جو گرجے موجود تھے، ان کی پوری حفاظت کی، البتہ اندلس کے برخلاف یہاں نئے گرجے بنانے کی اجازت نہیں دی، زراعت اور صنعت و حرفت کو زندہ کیا، اور بہت سی نئی چیزوں، مثلاً بردی اور مران کی [2]

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام [2] بردی ایک قسم کی گھاس ہے، جس سے کاغذ بنایا جاتا تھا، مران پتلے بانس کی قسم کی ایک لکڑی جو نیزوں میں استعمال ہوتی تھی،

کاشت جو پہلے سسلی مین نہین تھی، شروع کی، اور آبپاشی کا ایسا بہتر نظام قائم کیا جو ہمیشہ آنکھون
کو دعوتِ نظارہ دیتا رہا، اور سسلی کے باشندون کو نل اور پمپ کی نالیون کا طریقہ سکھایا،
جس سے وہ بالکل ناواقف تھے، کاغذ سازی کے کارخانے قائم کیے، اور یہ صنعت سسلی
ہی سے اٹلی پہنچی، سسلی مین سونے، چاندی، پھٹکری، سرمہ، لوہا، سیسہ، اور نوشادر کی کانین
کھودین، اور اہل جزیرہ کو ریشم بنانے کی صنعت سکھائی، نورمبرگ مین سسلی کے کسی
مسلمان بادشاہ کی ایک ریشمی چادر اب تک موجود ہے، جس مین خط کوفی مین ۵۲۰ھ
چھپا ہوا ہے، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ کپڑون کو رنگنے کی صنعت بھی سسلی ہی سے
یورپ مین پہنچی، یہان کے کارخانون مین جواہرات سے مرصع کپڑے، منقش و مصور
قالین، مدبغ کھالین، اور خوبصورت زیورات تیار ہوتے تھے، اور دوسرے ملکون
مین دساور کیے جاتے تھے، یہ چیزین پلرمو اور مزارا کے کارخانون مین بنتی تھین، انکی بڑی
مانگ اور مشرقی و مغربی بادشاہون کے دربارون مین ان کی بڑی شہرت تھی[۱]، عربون
سے پہلے سسلی مین تجارت بہت معمولی حالت مین تھی، ان کے زمانہ مین بہت سی قسمون
اور چیزون کی تجارت رائج ہو گئی، عرب، تونس اور سسلی کی بعض بندرگاہون کے
جہاز سازی کے کارخانون مین جہاز تیار کرتے تھے،

ڈیبل کا بیان ہے کہ عرب اپنے ساتھ سسلی مین خوبصورت بڑے پل جین کا شانی
پردے، رنگین پتھرون کی پچہ کاری، ان کے خوبصورت نقش و نگار اور ان کی دوسری
حسین و جمیل اور خوشنما صناعیان وغیرہ اپنے فنی کمالات کے عجیب وغریب مظاہر ساتھ
لائے، یہ چیزین ارباب ثروت اور عیش پرستون کے لیے مخصوص تھین، جب سسلی مین

---

[۱] سسلی پر اسلامی اقتدار از حسن حسنی عبدالوہاب

نئے حکمرانون نے انکی جگہ لی اُس وقت بھی یہ چیزین بالکل ختم نہین ہو گئین، بلکہ ان کے اثرات باقی رہے، چنانچہ نارمنون کے زمانہ مین عربون کے طرز تعمیر کے مطابق عمارتین بنائی جاتی تھین، اور نارمن امراء کی عمارتین عرب معمار اور انجینیر بناتے تھے، اس طرح انھون نے اپنے علوم اور اپنی وراثت نارمن سلاطین کو منتقل کر دی، جو اپنے پیش رو ون سے زیادہ خوش قسمت تھے، اس لیے ان کے کام زیادہ پایۂ اثبات ہوئے، اور وہ سب ان کے حصہ مین رہے...... ۱۱۳۱ء مین جب پلرمو پایہ تخت بنا تو اس پر ہر شعبہ اور ہر فن مین ترقی کے دروازے کھل گئے، اور چند صدیون مین وہ تہذیب و تمدن کے درجۂ کمال کو پہنچ گیا تھا۔

یہی مصنف لکھتا ہے کہ "سسلی مین عربون نے یونانیون کی جگہ لی تھی، اور دو صدیون تک ان کی بڑی ترقی یافتہ اور پر شکوہ حکومت قائم رہی، اور انھون نے یہان بہت عرب آباد کیے، ان کی تعداد مغربی اور وسطی حصہ علاقہ مین زیادہ تھی، چنانچہ گیارہوین صدی کے آخر مین سسلی کی آدھی آبادی عرب تھی، اور باقی یونانی عربون کے بعد نارمنون نے بھی سسلی مین رومن کیتھلک، یونانی اور مسلمانون کے درمیان کوئی فرق و امتیاز نہین کیا جس طرح تھوڑے دنون کے بعد شام مین کیا، انھون نے اس نکتہ کو سمجھ لیا تھا کہ وہ اس طرح رعایا کے عادات و اخلاق اختیار کرین اور جس مین دونون کے حقوق کی رعایت ہو اور دونون کو اس کا حصہ برابر ملے، اس طرح وہ اپنے اصول و عقائد کے لحاظ سے نارمن تھے لیکن تمدن کے لحاظ سے بیزنطینی اور عرب ہو گئے تھے، اور وہ گیارہوین صدی کے وسط مین سیاسی رواداری اور مذہبی گروہ بندی سے علٰحدگی کا نہایت دلکش اور نادر نمونہ تھے، فی الجملہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عرب اس زمانہ مین سسلی پر قابض ہوئے، جب مشرق و مغرب

دونون مین اس کی تہذیب تابان اور درخشان تھی، اس لیے انھون نے اپنے تمام علوم اور صناعیان اور عادات واخلاق سسلی مین منتقل کر دیے، اور جیسا کہ اماری نے اپنی کتاب "مسلمان سسلی مین" لکھا ہے کہ سسلی کی محکوم رعایا مسلمان حکمرانون کے زمانہ مین ٹری راحت ومسرت کی زندگی بسر کرتی تھی، اور اس کی حالت اس کے ان اطالوی بھائیون سے کہین بہتر تھی جو جرمنون اور فرنگیون کے ماتحت پرمحن اور بےکسی کی زندگی بسر کررہے تھے، تو فتز کا بیان ہے کہ "مسلمانون کے قبضہ کے بعد سے لیکر انیسوین عہدی تک سسلی کا ملک برابر ایک اجنبی کے ہاتھ سے دوسرے اجنبی کے ہاتھون مین منتقل ہوتا رہا، اور خود اہل ملک اپنے حکمران نہ بن سکے، اس سارے زمانہ مین وہ تہذیب وتمدن کے اعلیٰ درجہ پر مسلمانون کے عہد یا ان نارمنون کے زمانہ مین پہنچا جو نئے نئے عیسائی ہوئے تھے"

سسلی کی آبادی | سسلی کے تمام ٹرے اور مرکزی شہرون مین مسلمانون کی تعداد بہت زیادہ تھی، ان مین سے بعض شہر نہایت خوبصورت تھے اور یسی، قزوینی، یاقوت اور ابن حوقل نے ان کے اوصاف تحریر کیے ہین، چنانچہ پلرمو کی جامع مسجد کے حالات مین ہے کہ "اس کی صناعیون کا تصور بھی ذہن مین نہین لایا جاسکتا۔ پلرمو مین تین سو سے زیادہ اور اکثر شہرون مثلاً قسطانیہ وغیرہ مین بکثرت مسجدین تھین، قریۃ البیضاء مین دوسو مسجدین تھین"، ابن حوقل لکھتا ہے کہ "مین نے اس سے بڑے اور اس سے دوگنے شہرون مین بھی مسجدون کی اتنی تعداد نہین دیکھی اور نہ کبھی سننے مین آئی"، ادریسی پلرمو کے حالات مین لکھتا ہے کہ "اس شہر مین ایسی خوبصورت عمارتین ہین کہ سیاح ومسافران کے تعمیری حسن وجمال کا اشتہار دیتے پھرتے ہین، اس کے دو حصے ہین، ایک قصر دوسرا ربض قصر سے وہ قدیم اور مشہور قصر مراد ہے جس کی شہرت ہر ملک ودیار مین ہے، اس کے تین حصے ہین، ایک حصہ مین عالی شان محلات، بلند وبالا [illegible]ین، بہت سی مسجدین

سرائین، حمام اور بڑے تاجرون کی دوکانین اور کوٹھیان ہین، باقی دونون حصون مین بھی بڑے بڑے محل اور عالیشان عمارتین ہین، گیارہوین صدی عیسوین مین سسلی کے ہر شہر مین مسلمانون کے خاص خاص محلے تھے جن مین وہ رہتے تھے، اور ان کے خاص بازار اور حکام تھے، ہر شخص کو پوری آزادی حاصل تھی، جامع مسجدین سب کے لیے کھلی ہوئی تھین، مذہبی آزادی عام تھی اور گرجے مسجدون کے برابر تھے"

سسلی کے اکابر — سسلی مین بہت سے علما، محدثین، فقہا، ادبا، اطبا، اور فلاسفہ پیدا ہوئے، ان کے سرگروہ اسد بن فرات امام مالک کے اصحاب مین تھے، فقہ مین ان کی تصنیف اسدیات ہے، وہ نامور کاتب بھی تھے، قاضی میمون بن عمرو بن حمدیس شاعر اور صاحب دیوان تھے، انھون نے سسلی سے جلاوطنی کے وقت یہ مرثیہ کہا تھا

ذکرت صقلیۃ والاسی ... یہیج بھا للنفس تذکارھا

فان کنت اخرجت من جنۃ ... فانی احدث اخبارھا

ولولا ملوحۃ ماء البکا ... ء حسبت دموعی انھارھا

ضحکت ابن عشرین من صبوۃ ... بکیت ابن ستین اوزارھا

ان کے علاوہ سسلی کے بڑے لوگون مین حسب ذیل مشاہیر تھے،

ابو عرب الصقلی، ابن بشرون، ابن الفحام، شریف ادریسی، ابن ظفر، ابن القطاع صاحب الدرۃ الخطیرہ والمختار من شعراء الجزیرہ، اس مین ایک سو ستر (۱۷۰) صقلی شعراء کا تذکرہ ہے، حسن بن یحیی المعروف بابن خزاز صاحب تاریخ صقلیہ، ابن حوقل جغرافی، ۳۶۲ھ مین سسلی آیا تھا، اس نے اہل صقلیہ کے محاسن پر ایک کتاب لکھی ہے، ابن سابق، عیسی بن عبد المنعم، محمد بن عیسی، یہ ہندسہ، نجوم اور حکمت کے بڑے عالم تھے، ابو سعید بن ابراہیم طبیب

صاحب المنہج فی التداوی، ابن القوفی کاتب، ابو عبداللہ الصقلی فیلسوف، عبدالعزیز اغلبی بآبہ
کاتب، مہری، قضاعی، صباغ، سرقوسی، مازری صاحب تصانیف مشہورہ بثیری، کرکنتی،
شافی، طرابنشی، بلنوبی، اور سمنطاوی وغیرہ جو جزیرہ کے مختلف شہرون کی نسبت سے مشہور
تھے، ان کے علاوہ اور بہت سے علماء و مشاہیر تھے، جنھون نے اپنی تصانیف، تحقیقات اور
صنعتون کے ذریعہ عربی قوم پر بڑا احسان کیا ہے، جن مین بڑے بڑے عالم، ادیب، فلسفی
طبیب اور مہندس تھے، جزیرہ سسلی کی مادی اور معنوی ترقی مین ان کا بڑا ہاتھ تھا،

سسلی سے مسلمانون کا اخراج اور نارمنون کا قبضہ

باشندگان سسلی کا بڑا حصہ اسلام کا حلقہ بگوش ہو گیا تھا، اور اس کی
آبادی بہت بڑھ گئی تھی، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ
جب ١٠٩٠ء مین نارمنون کا اس پر قبضہ ہوا ہے، تو اس کی ایک وادی مزارا کے باشندون
کی تعداد بیس لاکھ تھی، جس مین چار قومین تھین، رومی، عرب، لنگوبرڈین (یعنی نارمن اور
پروٹونین) اور یہودی، ہر قوم اپنی زبان بولتی تھی اور اپنے ملکی قانون پر عمل کرتی تھی، سسلی
کے مسلمان امراء و حکام اپنی پڑوسی عیسائی حکومتون کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے
تھے، ان امراء مین بنی ابی الحسن کی حکومت کا زمانہ جو کلبیین کے نام سے موسوم ہین زیادہ
طویل تھا[١]، ابن خلدون نے ان ہی کی جانب یہ اشارہ کیا ہے کہ وہ سسلی کے حکمران تھے،
عبیدیون کے آخری زمانہ مین سسلی کا والی ایک شخص بعبارع تھا بعض روایتون سے معلوم ہوتا
ہے کہ مصر کے حاکم نے اس سے مال طلب کیا، جس کو وہ ادا نہین کر سکتا تھا، اس لئے
اس نے اس کے انتقام مین فرنگیون کو بلا کر شہر حوالہ کر دیا، اس کے بعد انھون نے پورے
جزیرہ پر قبضہ کر لیا، فرنگی سے مراد اٹلی، لنگوبرڈیا اور قلوریہ کا بادشاہ ہے، دوسری روایت

[١] تاریخ تونس حسن حسنی عبدالوہاب

یہ ہے کہ سسلی کے مسلمان عمال مین باہم اختلاف پیدا ہو گیا تھا، اور ان مین سے ہر شخص اپنے اپنے علاقہ کا خود مختار حکمران بن گیا تھا، ان کے ایک حکمران ابن التمنہ نے جو سرقوسہ اور قسطانیہ پر قابض تھا، مالٹا کے فرنگیون سے مدد مانگی اور یہان کے فرمانروا راجر[1] کو یقین دلایا کہ مسلمانون کو زیر کر لینا بہت آسان ہے، چنانچہ ان دونون نے مل کر ۴۴۴ھ مین سسلی کے بہت سے اسلامی مقبوضات چھین لیے، یہ صورت دیکھکر یہان کے بہت سے علماء و صلحا نے سسلی کو چھوڑ دیا، ایک جماعت معز ابن بادیس کے پاس افریقہ چلی گئی اور مسلمانون کے قبضہ مین صرف قصریانہ اور جرجینٹ رہ گئے، اس زمانہ مین سسلی مین بڑی بدامنی تھی، ہر طرف فتنہ بپا تھا، اور مسلمانون کو باہر سے کوئی مدد نہین مل سکتی تھی، اس لیے راجر[2] نے ایک طویل محاصرہ کے بعد ۴۸۴ھ مین قصریانہ اور جرجنٹ پر بھی قبضہ کر لیا، ابن التمنہ نے یہ خیانت اور غداری محض اس لیے کی کہ اس مین اور حاکم قصریانہ مین مخالفت ہو گئی تھی، اس کو زیر کرنے کے لیے اس نے ٹینکرڈ آف ہاٹول کے لڑکون رابرٹ گوسکارڈ اور ر یولیہ اور کلیبریہ کے ڈیوکس سے امداد طلب کی، انھون نے ابن التمنہ کے مصالح کو نظر انداز کر کے محض اپنے اغراض کو پیش نظر رکھا، اس طرح سسلی کا پورا جزیرہ مسلمانون کے ہاتھون سے نکل گیا،

۵۲۹ھ مین صنہاجہ (شمالی افریقہ) کے مسلمان حکمرانون خصوصاً ابن بادیس نے عیسائی سلاطین سے صلح کر لی اور دونون کے درمیان اتنے تعلقات قائم ہو گئے کہ باہم ہدیون کا تبادلہ ہونے لگا، ادریسی کا بیان ہے کہ راجر نے ۵۳۰ھ مین سسلی کا مغربی علاقہ فتح کیا اور باقی حصون پر حملہ کا سلسلہ جاری رہا تا آنکہ تیس سال مین پورے جزیرہ پر

[1] تاریخ ابوالفداء، [2] اس سے مراد راجر اول کا لڑکا راجر دوم ہے۔

اس کا قبضہ ہو گیا، مگر اس نے تمام باشندون کے ساتھ عدل و انصاف کا سلوک کیا، ان کی جان مال اور اہل و عیال کو کسی قسم کا نقصان نہین پہنچایا، ان کا مذہب قائم رکھا، اس کے زمانہ مین سسلی کی تہذیب اوج شباب پر پہنچ گئی، اور عربون کو بھی آئے دن کی جنگ و خونریزی سے نجات مل گئی، یہ نیا فاتح ان کا حامی و مددگار تھا، اس لیے وہ پھر علم و فن کی خدمت مین لگ گئے، اور راجر[1] کے زمانہ مین بڑے امن و عافیت کے ساتھ رہے، مسلمانون کے ساتھ اس کا سلوک اتنا بہتر تھا، کہ اس پر اسلام قبول کر لینے کا الزام لگایا گیا، اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس نے اپنے مذہبی پیشواؤن کو مسلمانون پر مسلط ہونے کا موقع نہین دیا، اور جو مسلمان عربون کے زمانہ سے حکومت اور فوج کے عہدہ دار چلے آرہے تھے، ان کو ان کے عہدون پر قائم رکھا، مسلمان تجارت پر بھی قابض ہو گئے، چنانچہ سسلی کے بڑے بڑے اصحابِ ثروت مسلمان ہی تھے، راجر کے اس حسن سلوک کا سبب یہ تھا کہ اس نے اس نکتہ کو سمجھ لیا تھا کہ سیاست مین سسلی کے سوادِ اعظم کا ساتھ دینے ہی مین کامیابی ہے جو تمامتر عرب تھے، اس نے اپنے دربار مین بھی مسلمان اطبا، منجمون اور شاعرون کو جمع کیا تھا، اور خراج کے نظام مین بھی مسلمانون کے اصول کا لحاظ رکھا، وہ عربی سے پوری طرح واقف تھا، اور اس کو بہت پسند کرتا تھا، نارمن ابتدا مین ناروے سے شمالی یورپ مین آئے تھے، دسوین صدی تک مجوسی مذہب پر تھے، اور اسی صدی مین انھون نے عیسائیت قبول کی تھی،

اسی راجر نے مشہور جغرافی شریف ادریسی صاحب نزہۃ المشتاق فی اختراق الآفاق" کو کائنات کا نقشہ تیار کرنے کے لیے شمالی افریقہ سے بلایا اور بڑی عزت و تکریم کیساتھ پیش آیا،

[1] اس سے مراد راجر دوم ہے کیونکہ راجر اول مسلمانون کا دشمن تھا، اسکا لڑکا راجر دوم مسلمانون کا بہی خواہ تھا اس نے ان کیساتھ بڑا اچھا سلوک کیا، "م"

اس کی فرمائش پر شریف ادریسی نے مطلوبہ نقشہ[1] تیار کیا، جو راجر کو بہت پسند آیا اور شریف ادریسی کے اپنے پاس مستقل قیام کرنے کے لیے ان سے کہا "تم خاندان خلافت سے ہو، اس لیے جب بھی مسلمانوں میں رہو گے، مسلمان سلاطین تم کو قتل کرنے کی کوشش کریں گے، اور جب تک میرے یہاں قیام رہے گا بالکل محفوظ رہو گے"۔ اس دلیل پر شریف ادریسی نے اس کے یہاں مستقل قیام منظور کر لیا، اور راجر نے ان کے مصارف کے لیے بادشاہوں کے برابر کا وظیفہ مقرر کیا اور ان سے خواہش کی کہ وہ جغرافیہ کی ایک ایسی کتاب لکھیں جس کے معلومات محض کتابی نہ ہوں، بلکہ عینی مشاہدہ پر مبنی ہوں، اور اس کام میں ادریسی کی مدد کے لیے کئی ذہین علماء مامور کیے، اور سفر کے جملہ سامان مہیا کر کے ان کو مشرق و مغرب، شمال و جنوب چاروں سمتوں کے ملکوں میں تحقیقات کے لیے روانہ کیا، اور مختلف چیزوں کی تصویریں بنانے کے لیے چابکدست مصور اور نقاش بھی ان کے ساتھ کر دیے اور تاکید کر دی کہ جو معلومات ضروری ہوں ان کو پورے استقصاء اور تحقیق کے ساتھ لکھا جائے، اس اہتمام کے ساتھ یہ علمی مہم روانہ ہوئی اور مختلف ملکوں کے حالات کا چشم دید معائنہ کیا، مصور تمام چیزوں کی تصویر بناتے جاتے تھے اور شریف ادریسی ان کو درج کرتے جاتے تھے، اس اہتمام اور تحقیق و تدقیق سے جغرافیہ کی وہ کتاب تیار ہوئی جو نزہۃ المشتاق فی اختراق الآفاق کے نام سے مشہور ہے۔

عربوں کے ساتھ اور ان کے علم سے فائدہ اٹھانے میں راجر کا یہ طرز عمل تھا، اس لیے نارمنوں کے سسلی پر قبضہ کے بعد جو عرب سسلی چھوڑ کر شمالی افریقہ چلے گئے تھے، ان کی بڑی تعداد راجر کی رعایا نوازی اور ملک کے امن و امان کو دیکھ کر پھر واپس آگئی، چنانچہ مشہور سیاح

---

[1] یہ نقشہ چاندی کے کرہ کا تھا جس میں افلاک اور زمین کا پورا نقشہ دکھایا گیا تھا۔

ابن جبیر جو ۵۸۰ھ میں یعنی سسلی سے عربوں کی حکومت کے خاتمہ کے چھیانوے [۹۶] سال بعد وہاں گیا ہے، یہاں کے فرمانروا ولیم (دوم)، کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "وہ نیک سیرت فرمانروا ہے، مسلمانوں کو عہدوں پہ مامور اور ان پر اعتماد کرتا ہے، اور اس کو اپنے تمام اہم امور و معاملات میں ان ہی سے تسکین خاطر ہوتی ہے، اس کے مسلمان اطبا اور نجم ہیں جن کے ساتھ اس کو بڑا تعلق ہے ...... سسلی کی عیسائی عورتوں کی پوشش مسلمان خواتین جیسی ہے، وہ برقع اور نقاب میں گھر سے نکلتی ہیں"[1]

مسلمانوں کو عہدوں اور ملازمتوں پر مامور کرنے میں راجر دوم اور اس کے لڑکے ولیم نے راجر اول کی روش کی پوری پابندی کی، ان کی مذہبی آزادی برقرار رکھی اور وہ اپنی جائداد، مال و دولت، تجارت اور کارخانوں سے پورا فائدہ اٹھاتے تھے، یہ سب حکمران عربی سے پوری طرح واقف تھے، اور اس کی شاعری اور ادب سے لطف اندوز ہوتے تھے، فریڈرک دوم کو عربی سے وافر حصہ ملا تھا، اور اس کی جانب اس کی بڑی توجہ تھی، اور ایک عرصہ تک عربی حکومت کی زبان رہی، تمام معلمین، اساتذہ اور ماہرین فن عرب ہوتے تھے اور نارمن حکمرانوں کے احکام و فرامین عربی، لاطینی اور یونانی تینوں زبانوں میں لکھے جاتے تھے، سکوں پر عربی عبارت نقش کی جاتی تھی، بلکہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ بھی تحریر کیا جاتا تھا، نارمنوں کے بعد ان کے جانشین بھی ایک عرصہ تک سکوں پر عربی عبارت نقش کرتے رہے

[1] سفرنامہ ابن جبیر ص۳۵ تاریخوں سے مصنف کے اس بیان کی تصدیق نہیں ہوتی، سسلی سے اسلامی حکومت کے زوال کے بعد یہاں سب سے پہلا نارمن فرمانروا راجر اول ہوا، اسکے بعد اس کا لڑکا راجر دوم اس کا جانشین ہوا، راجر دوم کے بعد اس کا لڑکا ولیم اول اور اسکے بعد اس کا لڑکا ولیم دوم یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے، ان میں راجر اول اور ولیم اول مسلمانوں کے دشمن تھے، البتہ راجر دوم اور ولیم دوم ان کے ہمدرد و خیرخواہ تھے۔ "م"

نوعی نارمن فرمانروا عربون پر اعتماد اوران کے ساتھ ظاہری اور باطنی رعایت مین برابر راجر اول کی روش پر قائم رہے اور عربون کا تعلق بھی ان سے مخلصانہ رہا، ملک ظاہر بیبرس نے مشہور مورخ و فلسفی اور حماۃ کے قاضی جمال الدین بن واصل کو ۶۵۹ھ مین سسلی کے امپرر[1] کے پاس ایک سفارت مین بھیجا تھا، ان کا بیان ہے کہ "امپرر مسلمانون کا مخلص اور ان کے علماء سے محبت کرتا ہے، جس شہر مین مین مقیم تھا، اس کے قریب ہی شہر لوگارہ کے تمام باشندے مسلمان تھے، جو سسلی کے باشندے تھے، اس شہر مین جمعہ کی نماز ہوتی تھی اور اسلامی شعائر علانیہ ادا کیے جاتے تھے، خود بادشاہ کے بہت سے مصاحب مسلمان تھے، جو اس کے لشکرگاہ مین بھی اذان دیتے تھے اور نماز پڑھتے تھے"، ان ہی کا یہ بھی بیان ہے کہ "منفرڈ کے یہان سے ان کی واپسی کے وقت اس کی مسلم نوازی کے جرم مین پاپ[2] پاپائے روم اور ریدافرانس[3] اس کے خلاف متحد ہو گئے، اور پاپا نے اس کو تاج و تخت سے محروم کر دیا، اور عیسائیون نے شکست دیکر قتل کر دیا، اور ۶۶۳ھ مین ریدا فرنس کے بھائی کو تخت نشین کیا[4]۔

ابن واصل کے بیان کے مطابق نارمنون کے عہد حکومت مین ۱۷۹ سال تک سسلی کی حالت بہت اچھی رہی اور مسلمانون کو بھی امن و سکون	باقی ماندہ مسلمانون کا تبدیل مذہب

حاصل رہا، لیکن رینالڈی کا بیان ہے کہ "سسلی مین مسلمانون کی حکومت کے زوال کیساتھ ہی عیسائیون کا تعصب شروع ہو گیا تھا، اور وہ عیسائیت قبول کرنے پر مجبور ہو گئے تھے، اور تبدیل مذہب کے بعد وہ سسلی کے اصل باشندون مین خلط ملط ہو گئے، شہر نوسیرا مین بھی یہی صورت پیش آئی، چارلس دوم نے ان کے ساتھ اتنی رعایت برتی کہ اگر وہ عیسائیت

[1] اس سے مراد سسلی کا جرمن فرمانروا منفرڈ ہے [2] پوپ اربن چہارم [3] لوئی نہم بادشاہ فرانس

[4] اس سے مراد چارلس اول آف انجو ہے،

قبول کرلین تو ملک مین رہ سکتے ہین، ان مسلمانون کی اولاد بعد مین مرانیہ (Marrani)
کہلائی، یہ دراصل عربی لفظ ہے، جس کو اسپین سے اطالیہ نے لیا تھا، اور وہ اسپین کے ان
مسلمانون کو جو عیسائی ہو گئے تھے، مرانی کہتے تھے، لوسیرا خالص اسلامی شہر تھا، چنانچہ
(Lucerine) سے مراد ہی مسلمان اور مشرقی تھے، ۱۱۹۴ء مین سسلی پر سوابیا[1]
کے بادشاہ کے قبضہ کے بعد مسلمانون پر اسپین کے مسلمانون کی طرح بڑے سخت مظالم ہوئے،
اور وہ ہزارون کی تعداد مین افریقہ خصوصاً اس کے ساحلی علاقون کیجانب ہجرت کر گئے،
اور جو لوگ نہ جا سکے ان کو بڑی ذلت کی زندگی بسر کرنا پڑی، وہ کھیتی کرتے تھے، مویشی
چراتے تھے، اور شاہی جاگیر مین اسی قسم کے دوسرے پرمشقت کام انجام دیتے تھے، اس
طریقہ سے جزیرہ کے باقیماندہ مسلمانون نے نصرانیت قبول کر لی، اور اندلس کے دردناک
حادثہ کی طرح سسلی کے مسلمان جلاوطن نہین ہوئے، اندلس مین قسیس، اسقف، کرڈینل، رؤساء،
مذہبی عدالت، بادشاہ، ملکہ غرض پوری قوم مسلمانون کو مٹانے کے لیے متحد ہو گئی تھی،

اطالوی زبان مین عرب اور عربیت کے اثرات

عربون نے اپنے بعد سسلی مین اپنے بہت سے عادات واطوار اور
سسلی اور اطالوی زبانون مین عربی کے بہت سے الفاظ یادگار
چھوڑے جو اب تک باقی ہین، چنانچہ سسلی کے بہت سے مقامون خصوصاً قلعون، بندرگاہون
اور عام شاہراہون کے نام برابر عربی رہے، قلعون کے نام کے شروع مین قلتا کا لفظ
ان کے نامون کا جز ہے، ان مین سے بعض قلعے اب شہر بن گئے ہین، مثلاً قلعۃ النساء،
قلعہ فیمی، قلعۃ الحسن، قلعۃ البلوط اسی طرح بندرگاہون مین مرسی علی[2]، مرسی المینا، منزل یوسف

[1] اس سے مراد ہنری ششم ہے جو ولیم ثالث کو شکست دیکر سسلی پر قابض ہو گیا تھا [2] اسی مرسی علی نے
اب مارسلیز کی شکل اختیار کر لی ہے، م

رحل المؤتر، رحل السلطانہ، القنطرہ، وادی الطین، راس القلب، راس الخنزیر، اور راس القرن وغیرہ عربی ہین۔ پلرمو کی سب سے بڑی سڑک کا نام آج بھی القصر ہے، اور اس شہر مین دو بڑے محل عربون کی یادگار ہین۔ ان مین سے ایک کا نام قبہ اور دوسرے کا قلعۃ العزیزہ ہے۔ عربون نے سسلی مین تعمیری آثار سے زیادہ علمی اثرات چھوڑے۔ رینالڈی کا بیان ہے کہ "ان بے شمار الفاظ کا بڑا حصہ جو اطالوی زبان مین پائے جاتے ہین، عربون کے حاکمانہ اقتدار کے راستہ سے نہین بلکہ اس تہذیب کی راہ سے داخل ہوا، جو زندگی کے مختلف مظاہر کو ایک دوسرے سے مربوط کرتی ہے"۔ اس سلسلہ مین رینالڈی نے بہت عربی الفاظ خصوصاً ان کی علمی اصطلاحات شمار کرائی ہین۔ اس کے بعد لکھتا ہے کہ "جینیوا ۱۳۰۷ء مین عربی تعلیم کے لیے ایک درسگاہ قائم کرنے پر مجبور ہوا" یہ اس کا ثبوت ہے کہ اس زبان مین عربی کے الفاظ پائے جاتے ہین، اطالیہ کے ان تمام شہرون کے عوام کی زبان مین جو مشرق اور سسلی سے تجارتی تعلقات رکھتے تھے، بہت سے ایسے الفاظ ہین جن کی اصل عربی ہے، یہ الفاظ عربی تجارت کی راہ سے داخل ہوئے، اور ان مین سے بہتیرے الفاظ اب تک ان کی لغت کی کتابون میں موجود ہین، اس کے بعد اس نے اوزان اور پیمانون کے نام اور بحری عربی الفاظ پیش کیے ہیں جو عربی سے اطالوی زبان مین لیے گئے ہین اور لکھا ہے کہ سسلی کے مشہور مستشرق اماری نے یہ ثابت کیا ہے کہ وطنی شاعری کی ایجاد مین اس حیثیت سے سسلی عربون کا مقروض ہے اور اہلی سسلی کا کہ جب سسلی کے دربار نے اسلامی بادشاہی کا لباس پہنا اس وقت سے اس کی توجہ شاعری کی جانب ہوئی، جو اطالوی شاعری کی بھی ترقی کا وسیلہ تھی، رینالڈی کا بیان ہے کہ "عربون نے تنہا سسلی اور اطالیہ ہی کی شاعری کو مدد نہیں پہنچائی بلکہ ہمارے قصص و افسانون کی شکل و صورت اور اسکے

مواد میں بھی مدد دی"۔ اس بیان سے اسپین کے نامور مستشرق آسین کی اس رائے کی تائید ہوتی ہے کہ اطالوی شاعر دانتے نے اپنے قصیدہ "المهزلة الالهیة" کا مواد معری کے رسالہ الغفران سے اخذ کیا ہے۔

عربوں نے پلرمو میں طب کا سب سے پہلا مدرسہ قائم کیا، جس کی مثال سارے یورپ میں نہ تھی، سسلی کی اس عربی درسگاہ کے قیام کے بہت بعد یورپ میں دوسری طبی درسگاہیں قائم ہوئیں، جن سے اٹلی کے شہروں میں طب کی اشاعت ہوئی اور پاپاؤں کے خفیہ (زوال) مٹ جانے کے بعد اٹلی میں عربی علوم کے لیے فضا اور بھی سازگار ہو گئی اور وہ ان لوگوں میں آہستہ آہستہ پھیلنے لگے جو اطالویوں سے اس کو حاصل کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے تھے، حالانکہ سسلی میں عربوں کی تہذیب مصر و اسپین کے مقابلہ میں کمزور تھی، سسلی میں عربون کے آثار بتاتے ہیں کہ جس زمانہ میں انھوں نے اس جزیرہ کو خیرباد کہا، اس زمانہ میں وہ عربوں کے ابتدائی داخلہ کے زمانہ سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ تھا، اور یہاں ان کے بڑے مفید اثرات ظاہر ہوئے، لیبان کے قول کے مطابق ایک قوم دوسری قوم میں جو خوبیاں پیدا کرتی ہے وہی اس تہذیب کے اثر و نفوذ کا معیار ہے جو وہ دوسری قوم کو دیتی ہے۔

سسلی اور اندلس کا موازنہ

اس زمانہ میں جب رومی اور عرب دونوں مل کر سسلی کی بہی خواہی میں کوشاں تھے، وہ یورپ کے تمام ملکوں میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ تھا، مگر اندلس میں جتنے بڑے بڑے لوگ پیدا ہوئے اور ان کے جو اثرات ظاہر ہوئے، ان کے مقابلہ میں سسلی میں بہت کم پیدا ہوئے، اس کا سبب یہ ہے کہ اولاً یہ جزیرہ بہت چھوٹا ہے، دوسرے یہاں خالص عربوں کی حکومت کا زمانہ بہت کم رہا اور وہ زیادہ تر افریقہ کی حکومت کے تابع رہا، جو اغالبہ اور عبیدیوں کے ماتحت تھا، اس کے مقابلہ میں اندلس میں اموی خاندان کے

بڑے بڑے حکمران رہے، ان کی حکومت کا زمانہ بھی طویل تھا، اور انھون نے اس کو عربون کا مستقل وطن بنادیا، اور دوسرے ملکون کی جانب سے ان کی توجہ ہٹادی اور ان سے ان کا تعلق صرف اس قدر رہ گیا تھا جتنا ایک قوم کو دوسری دور دراز بسنے والی اپنی ہم مذہب اور ہم خیال قوم سے ہوتا ہے، اور ان کے اصل وطن مین جسقدر علوم وفنون اور صنعت و حرفت اور قوت کے اور جو اسباب و وسائل تھے، ان سب کو پوری صحت کے ساتھ اندلس منتقل کر دیا، اور اپنی ذہانت و ذکاوت سے یہان کے مذاق اور حالات کے مطابق اس مین اور اضافہ کیا،

عربی سسلی کی تاریخ کے متعلق جو تھوڑے بہت حالات ہم تک پہنچے ہین ان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہان کے ممتاز اہل علم کی تعداد اور ان کے اثرات اندلس کے علماء کے مقابلہ مین بہت کم تھے، اور اندلس کے سیکڑون حاملین علم وادب اور علمائے شریعت کے مقابلہ مین ان کے ہم پایہ علماء کی تعداد چند دہائیون سے زیادہ نہین ہے، اندلس مین ارسطو اور افلاطون کی کتابون کے ترجمے کیے گئے، اور سسلی کے امراء و سلاطین مین اندلس کے خلفاء عبد الرحمن الداخل، عبد الرحمن الثالث اور حکم جیسی شہرت رکھنے والا نامور کوئی نہین پیدا ہوا، اور نہ سسلی کے علماء و مفکرین مین ابن رشد، ابن ازہر، ابن باجہ اور ابن الخطیب کی جیسی شخصیتین تھین، اندلس کے اس تفوق و امتیاز کے بعض دوسرے اسباب بھی تھے، مثلاً عربی ملکون سے اس کی دوری کے باوجود ہزارون خالص عرب وہان جاکر آباد ہوگئے جن کی نسلون مین وہان کے اثرات ظاہر ہوئے اس اختلاط سے ایک باعمل اور ذہین قوم کی طرح مشرق و مغرب کی بہترین مخلوط نسل پیدا ہوئی، اس کے مقابلہ مین سسلی مین زیادہ تر بربری آبادی تھی، خالص عربون کی بہت تعداد کم تھی اور سسلی کی فتح کے زمانہ مین وہ ان لوگون

کی ہجرت گاہ تھا، جو افریقہ چھوڑ کر یہان آباد ہو گئے تھے، اس کے بعد عرب فاتحین بھی آباد ہوئے، مگر وہ یہان کے باشندون میں خلط ملط ہو گئے، اس لیے گو سسلی مین مسلمانون کی حکومت کے زمانہ مین اور اس زوال کے بعد یہان مسلمانون کی بڑی آبادی تھی لیکن درحقیقت اندلس کی طرح یہان کوئی مستقل قومیت نہ بن سکی،

سسلی چھوڑنے کے بعد یہان مسلمانون کے آثار

سسلی کے مقبرون وغیرہ مین جو آثار پائے جاتے ہین، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہان نوین صدی ہجری کے آخر تک عربی زبان رائج رہی اور ان شواہد و اکتشافات سے جن کا جدید علماے اثریات نے قبرون سے پتہ چلایا ہے، اس کی تائید ہوتی ہے، ان مین ایک قبر پر ایک بڑے فوجی افسر "ابی النصر بن قائد ابی المسرور الجیخیری ۸۷۳ھ کا نام ہے، دوسری پر القسنطینی القاضی ۸۹۴ھ کا نام اور تیسری پر ۸۵۹ھ کا ایک کتبہ ہے، اس کے علاوہ چھٹی اور ساتوین صدی کے بہت سے کتبات و شواہد ہین، ان مین سب سے زیادہ نادر اور حیرت انگیز ایک عیسائی عورت کی قبر کا عربی کتبہ ہے، یہ کتبہ عربون کے سسلی چھوڑنے کے ساٹھ سال بعد کا ہے، اس مین ہجری تاریخ ہے کتبہ کی پوری عبارت یہ ہے،

"توفیت انة امد القسیس اکریزنت قسیس الحضرة المالکة الملکیة العالیة العلیة المعظمة السنیة القدیسیة البهیة المعتزة بالله الملزوزة بقدرته المنصورة بقوته مالکة نیطالیه ولنکبرده وقلوریه وصقلیه وافریقیه معزة امام رومیة الناصرة للملة النصرانیة صرمد الله مملکتها یوم الجمعة والعشر العشرین من اوسة سنة ثلاث واربعین وخمسمائة ودفنت بالجامع الاعظم ثم نقلها ولدها بالسیمد الی هذه الکنیسة

مخایله یوم الجمعه اول ساعة العشاء، العشرین مائة سنة اثنی احدی واربعین
وخمسمایة وبنی علی قبرها هذه الکنیسة وسماها صنت آنه علی اسم
امه مریم...... وه تعالها بالرحمة، آمین آمین آمین"

اس کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ عربی زبان ملک کے باشندون مین اتنی سرایت کر گئی تھی کہ عربون کے ملک سے نکلنے کے بعد بھی اس کو یہان کے عیسائی ایک مدت تک گفتگو اور تحریر مین استعمال کرتے اور ہجری تاریخ لکھتے رہے، ان حالات مین سسلی کے نارمن فاتح راجہ اور اس کے جانشینون کا مسلمانون کے ساتھ حسن سلوک، اور انکی رعایت اور ان کے ساتھ مسلمانون کا اخلاص کوئی تعجب انگیز نہین ہے، ہمارے مورخون کے بیان کے مطابق راجر اول ۴۹۱ھ سے پہلے مرگیا تھا، اس کے بعد اس کا لڑکا راجر دوم جانشین ہوا، جس نے مسلمان بادشاہون کی طرح جنائب، حجاب، سلاحیہ، اور جاندار یہ وغیرہ مسلمان شاہی دربارون کے تمام عہدے اور آداب ورسوم قائم رکھے جن سے یورپ کے سلاطین بالکل ناواقف تھے، اور ان مین اس کا رواج نہ تھا، راجر نے مسلمان بادشاہون کی طرح مظلومون کی دادرسی کے لیے دیوان المظالم بھی قائم کیا تھا، اور اپنی اولاد کے مقابلہ مین بھی وہ عدل وانصاف سے فیصلہ کرتا تھا، اس نے مسلمانون کو عزت و توقیر کے ساتھ رکھا، ان کو مقرب بنایا اور فرنگیون کو ان پر زیادتی کرنے سے روکا، اس لیے وہ بھی اس سے محبت کرتے تھے۔

چودھوان باب

مسلمان اور اہل یورپ جنگ صلیبی مین

مسلمانون سے جنگ کے لیے صلیبیون کی بہانہ جوئی

اندلس سے اموی حکومت کے خاتمہ کے ۴۲۲ھ کے بعد مسلمانون کی سیاست بگڑ گئی تھی، جس کا فطری نتیجہ ان کا زوال تھا، اس لیے اہل یورپ نے سمجھا کہ ان کا زوال فوری شروع ہو گیا ہے اور وہ ان کو لقمۂ تر بنا لیں گے، مگر مرابطی فرمانروا یوسف بن تاشفین افریقہ سے اندلس پہنچ گیا اور از سر نو مسلمانون کا منتشر شیرازہ مجتمع کر کے ۴۷۹ھ مین جنگ زلاقہ مین عیسائی فرمانروا (الفانسو) پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ اندلس کے مسلمانون مین از سر نو زندگی پیدا ہو گئی، اور اہل یورپ کے دلون مین انکا وقار دوبارہ قائم ہو گیا، اس سے پہلے مسلمان اپنے دشمنون کے سامنے اتنے ذلیل ہو چکے تھے کہ اندلس کے عیسائی حکمرانون کو خراج دینے لگے تھے، اور جزیرہ سسلی ان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔

جس زمانہ مین عرب فوجین بحر متوسط مین نمودار ہوئی تھین اور دوسرے جزیرون مین ان کی حکومت قائم ہو گئی تھی، اسی زمانہ سے یورپ کے اسیر اپنے لیے راہ فرار ڈھونڈھنے لگے تھے جو ان کو یورپ کے ساحل تک صحیح وسلامت پہنچا دے، کیونکہ ان کو یقین تھا کہ عرب فنون جنگ مین ان سے زیادہ ماہر اور ترقی یافتہ ہین، اور ہر زمانہ مین ان مین

کوئی نہ کوئی ایسا بڑا آدمی پیدا ہوتا رہتا ہے جو ان کو آگے بڑھا دیتا ہے، مثلاً ۳۹۲ھ میں اسپین میں ابن عامر جس نے اہل یورپ سے ۵۰ کامیاب مقابلے کیے اور اندلس کو بچا کر اس کا درجہ بلند کر دیا۔

اتفاق سے قریب قریب اسی زمانہ میں سلجوقیون نے قیصر روم فرمانروائے قسطنطنیہ کو زیر کرکے جزیہ دینے پر مجبور کر دیا تھا، قیصر نے مسلمانون کے مقابلہ کے لیے یورپ کے بادشاہون سے مدد طلب کی اور پاپائے مقدس کی رگ حمیت کو بھڑکایا اور اس سے وعدہ کیا کہ اگر وہ مسلمانون کے سیلاب کو روکنے مین اس کی مدد کرے تو وہ مشرق کے آرتھوڈکس کلیسا کو چھوڑ کر روم کے کلیسا کی اطاعت قبول کرلے گا، اتفاق سے اسی زمانہ مین بیت المقدس کے بعض عیسائی زائرین کو یہ شکایت پیدا ہوئی کہ فاطمی حکومت زائرین سے بھاری ٹیکس وصول کرتی ہے ان کے مذہبی پیشواؤن نے اس واقعہ کو بہت زیادہ بڑھایا، اور پیٹر راہب جیسے لوگوں نے اس واقعہ کو آڑ بنا کر اہل یورپ کو مسلمانون کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا اور عیسائیون کو بیت المقدس کی زیارت مین جو معمولی مشکلات پیش آتی تھین بڑے مبالغہ سے ان کی تشہیر کی، حالانکہ ان زائرین کے ساتھ ان انفرادی اور اتفاقی واقعات کے سوا جن سے کوئی ملک اور کوئی قوم بھی خالی نہین ہے، زیادتی کا کوئی غیر معمولی واقعہ نہین پیش آیا۔ خود ایک عیسائی مصنف برناڈ فیس کا بیان ہے کہ

اس پورے علاقہ (فلسطین وبیت المقدس) کے مسلمان اور عیسائیون مین امن و سلامتی اتنی عام ہے کہ اگر مین وہان کا سفر کرون اور میرا باربردار اونٹ یا گدھا راستہ مین جاتا رہے اور مین اپنا سامان سفر بغیر کسی محافظ کے چھوڑ کر قریب کی آبادی مین دوسری سواری کی تلاش مین چلا جاؤن تو واپس آکر میرا مال ومتاع بالکل صحیح وسلامت ملے گا،

کوئی شخص اس کو ہاتھ نہ لگائے گا۔ جنگ صلیبی کی تیاری کی ابتدا مین یورپ کے بعض مذہبی
پیشواؤن نے محض اپنے اغراض نفسانی کے لیے ارض مقدس کے زائرین
پر زیادتیوں کے افسانون کو بڑھا چڑھا کر مسلمانون کے خلاف عیسائیون مین بغض و کینہ
کے جذبات ابھارے"۔
منرو لکھتا ہے کہ "مسلمانون کی جانب جو قابل اعتراض واقعات منسوب کیے جاتے
ہین ان مین اُس زمانہ کے مطابق جو ہمارے زمانہ کے مقابلہ مین بہت زیادہ وحشیانہ تھا، بڑی
آمیزش اور حاشیہ آرائی ہے، عیسائی ان افسانون کی پوری تشہیر کرتے تھے، جس سے دوسری
عیسائیون کی رگ حمیت بھڑک اٹھتی تھی، اہل یورپ نے اس کے علاوہ بھی اپنی دعوت کی تبلیغ
و اشاعت اور مسلمانون کے خلاف عیسائیون کے جذبات بھڑکانے کے لیے مختلف طریقے
اختیار کیے، مثلاً ان پر بت پرستی کا الزام لگایا کہ وہ محمد کی الوہیت کے قائل ہین، پاپائے
مقدس نے موقع سے فائدہ اٹھا کر کلرموں (فرانس) کی کانفرنس مین بیت المقدس کے عیسائی زائرین
کی مشکلات اور تکلیفون کو بیان کر کے عیسائیون کو ابھارا کہ وہ مقدس صلیب ہاتھ مین لیکر
بیت المقدس کے فتح کرنے کا عہد کریں اور اس کار خیر کے صلہ مین ان کو گناہون کی بخشش
کا پروانہ دے کر ان کے تمام اعمال جائز قرار دیدیے، اور ان کی عدم موجودگی مین انکے
اہل و عیال اور مال و متاع کی روحانی رہنمائی اور حفاظت کا وعدہ کیا اور یہ یقین دلایا کہ
جب وہ بیت المقدس فتح کرلیں گے تو ان پر دنیاوی دولت کی بھی بارش ہوگی، پاپائے
مقدس کی اس ترغیب پر کچھ لوگوں نے تو مذہبی دفاع کے لیے مذہبی پیشواؤں کا ساتھ دیا،
اور کچھ لوگ دنیاوی مال و دولت کی طمع مین ساتھ ہوگئے، کیونکہ اس زمانہ مین یورپ مین
فقر و افلاس عام تھا اور وباؤن نے ان کو تباہ و برباد کر دیا تھا، سارے یورپ مین قحط

پھیلا ہوا تھا، عین ان حالات مین ان کے سردارون نے ان کو یہ سبز باغ بھی دکھلایا کہ اسلامی مشرقی ممالک مین سونے کی کانین ہین، جو شخص بھی وہان جائیگا جاتے ہی مالا مال ہو جائیگا۔

ان ترغیبون اور تحریصون کے بعد صلیبی مجاہدین یورپ سے روانہ ہوئے اور راستہ مین ایشیائے کوچک مین بڑے سخت مصائب برداشت کرتے ہوئے ۴۹۰ھ/۱۰۹۶ء مین قسطنطنیہ مین جمع ہوئے، پھر یہان سے چل کر شام پہنچے اور اس کا ساحلی علاقہ فتح کیا، اس کے بعد بیت المقدس پر قبضہ کرکے اس غلط فہمی مین بڑی وحشت و درندگی اور سنگدلی کا مظاہرہ کہ مسلمان اپنے قبلۂ اول یعنی بیت المقدس کو زیادہ اہمیت نہین دیتے اور اگر ان کے ملک کے کسی خاص حصہ پر قبضہ کرلیا جائے تو وہ اس کی پروا نہ کرینگے اور اگر اس وقت ان کو ذلت کا مزہ چکھا دیا جائے تو وہ آئندہ کا خیال نہ لائین گے۔ ان کو اس کا اندازہ نہین تھا کہ جب مسلمان حملہ کرتے ہین تو بنے ہوئے نہین بلکہ اصلی شیر ہوتے ہین۔

صلیبیون کی جہالت اور ان کے مسلمانون کے درمیان موازنہ

صلیبیون نے ابتدائی لڑائیون مین فنونِ جنگ سے انتہائی جہالت کا ثبوت دیا، اور ان کو جو کچھ کامیابی ہوئی وہ صرف فوجون کی کثرت تعداد کے بل پر، جب سے انھون نے اپنا ملک چھوڑا تھا اس وقت سے قسطنطنیہ مین داخلہ اور مشرق کا رخ کرنے تک ان مین کوئی ضبط و نظام نہین تھا، وہ یہ بھی بھول گئے یا بھلا دیے گئے تھے کہ قیصر ان کا معنوی حلیف ہے، اس لیے اس کی قوم کی تحقیر و تذلیل اور اس کے ملک پر دست درازی کرنے مین بھی انھون نے باک نہین کیا، ان کی آبادیون کو تباہ و برباد کیا، ان کا سامان لوٹا، ان کے گرجون کو جلا دیا اور ہر شرمناک فعل کے مرتکب ہوئے۔ اور اپنے اعمال سے ثابت کردیا کہ ان مین اس درجہ جہالت تھی کہ وہ جس کام کیلیے نکلے تھے اس مین صحیح راستہ پر نہین چل سکے اور رومی علاقہ مین پہنچکر بھٹک گئے۔ اس لیے

سلجوقیون نے ان کو شکار بنا لیا، صلیبیوں نے رہا، انطاکیہ، معرہ، طرابلس الشام اور بیت المقدس جن جن شہروں پر قبضہ کیا، ان کے باشندوں کے ساتھ انتہائی سنگ دلی کا سلوک کیا، جنگجو اور امن پسند آبادی دونوں سے یکساں لڑے اور عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو بے دریغ قتل کیا، اس موقع پر ہمارا مقصد جنگ صلیبی کی تاریخ اور اس سلسلہ میں اسلامی ملکوں پر جو کچھ گذری ان کو بیان کرنا نہیں ہے، بلکہ مشرق و مغرب پر ان کے جو اثرات ظاہر ہوئے ان کو دکھانا مقصود ہے، صلیبی اس پر بڑا فخر کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے حملوں سے مسلمانوں کو مشرق ہی میں روک دیا اور وہ یورپ کا رخ نہ کر سکے، مگر اس کے باوجود وہ ہمیشہ اس سے خوفزدہ رہے کہ اگر انھوں نے کبھی یورپ پر متحدہ حملہ کر دیا تو پورا ملک اس سیلاب میں بہ جائے گا، اور ان کا یہ خوف بالکل بجا تھا کیونکہ ان کے سامنے ابن تاشفین مرابطی کی مثال موجود تھی جس نے ان کو اسپین میں ذلت کا مزہ چکھایا اور ملک شاہ سلجوقی جس نے قیصر روم سے جزیہ وصول کیا، ان دونوں مثالوں کے ہوتے ہوئے اہل یورپ کو مستقبل میں مسلمانوں کے خطرات کا محسوس کرنا کچھ بیجا نہیں تھا، شامی مسلمانوں پر صلیبی مجاہدین نے بڑی سختیاں کی تھیں، اس لیے لوگوں کا خیال یہ تھا کہ مسلمان شامی عیسائیوں سے اس کا بدلہ لیں گے، لیکن انھوں نے جنگ صلیبی کے پورے زمانہ میں اعتدال ملحوظ رکھا اور باوجودیکہ ان کو صلیبیوں سے بڑی تکلیفیں پہنچی تھیں، انھوں نے شریعت کے حدود سے باہر قدم نہیں نکالا، اور دار الحرب اور دار الاسلم دونوں میں شریعت کے مطابق عیسائیوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا، جس کا اعتراف صلیبی مورخین تک کو ہے اور خود صلیبی مجاہدین اور ان عجیب و غریب لڑائیوں کے ہر جیلے غرض مشاہدے نے اس پر حیرت ظاہر کی ہے۔

صلیبیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام | اس کے مقابلہ میں صلیبیون کا حال یہ تھا کہ وہ اپنوں سے بھی

بدعہدی کرتے تھے، قیصر روم سے انھون نے یہ وعدہ کیا تھا کہ پہلا جو شہر وہ فتح کرین گے وہ قیصر کے حوالہ کر دین گے۔ اس کے باوجود انھون نے نیقیہ جو سلجوقیون سے لیا تھا، قیصر کے حوالہ نہین کیا اور میشو کے بیان کے مطابق معرۃ النعمان پر قبضہ کرنے کے بعد اس کی پوری مسلمان آبادی جس نے مسجدون اور تہ خانون میں پناہ لی تھی قتل کر دی، اور مورخین کے بیان کے مطابق جنگ کے علاوہ ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان قتل کیے گئے، معرۃ النعمان خود شام کا بڑا شہر تھا، اور انطاکیہ پر صلیبیون کے قبضہ کے بعد اطراف کے مسلمانون نے بھی یہان پناہ لی تھی، بیت المقدس پر بڑی ہولناک اور خونریز جنگ کے بعد صلیبیون کا قبضہ ہوا تھا، اس معرکہ مین لاکھون مسلمان مارے گئے، جن مین بہت سے علماء، ائمہ و مشائخ تھے، اور عیسائیون نے مسلمانون اور یہودیون کے ساتھ ہر اس فعل کا ارتکاب کا کیا جو ان کے مذہب مین حرام تھا، میشو لکھتا ہے کہ "صلیبیون نے بیت المقدس مین ایسے اندھے تعصب سے کام لیا جس کی مثال نہین ملتی، اس کی شکایت منصف مزاج صلیبی مورخین تک نے کی ہے، وہ عربون کو اونچے اونچے برجون اور عمارتون کے اوپر لیجا کر نیچے گرا دیتے تھے، ان کو آگ مین جلاتے تھے، قبون اور تہ خانون سے نکال کر میدانون میں گھسیٹتے تھے، اور لاشون کے ڈھیر پر لیجا کر قتل کرتے تھے، کئی ہفتون تک مسلمانون کا یہ قتل عام جاری رہا، جس مین مشرقی اور مغربی مورخین کے متفقہ بیان کے مطابق ستر ہزار مسلمان مارے گئے۔ اور یہودی بھی اس قتل عام سے نہ بچ سکے، انھون نے جس مقدس کنیسہ مین پناہ لی تھی، اس مین صلیبیون نے آگ لگا دی اور کل کے کل یہودی جل کر خاکستر ہو گئے۔[1]

صلیبیون کا یہ عام دستور تھا کہ وہ جس شہر مین داخل ہوتے تھے اس کی پوری آبادی

[1] تاریخ محاربات صلیبی میشو۔

کو قتل، عمارتون اور کتب خانون اور ساز و سامان کو جلا ڈالتے تھے، انھون نے طرابلس کے دار الحکمت کو جس مین ایک لاکھ کتابین تھین جلا کر راکھ کر دیا، جو ان کی رعونت اور خشونت کی دلیل ہے، اور اپنے ان اعمال سے مسلمانون اور عیسائیون کے درمیان تعصب کی آگ بھڑکا دی، اس کے باوجود مسلمانون نے ذمی عیسائیون کے ساتھ کوئی سختی نہین کی، اور اسلامی تعلیم کے مطابق ان کے ساتھ حسن سلوک قائم رکھا، لبنان کے عیسائیون نے صلیبیون کی رضا کارانہ خدمات انجام دی تھین، اور جنگ مین ان کے دوش بدوش لڑے تھے، ان کی رہنمائی کی خدمت انجام دی تھی، اور اپنے پڑوسی مسلمانون کے مقابلہ مین جن کے سایۂ عاطفت مین پانچ صدیون تک انھون نے امن و عافیت کی زندگی بسر کی تھی جاسوسی تک کی، اس کے باوجود مسلمانون نے ان سے بدلا نہین لیا، جنگ صلیبی مین عیسائیون نے حضرت مسیح کی مہر و محبت کی تعلیم کے بالکل خلاف عمل کیا اور مسلمانون نے احکام شریعت اور قرآن مجید کے اس حکم کا کہ "کوئی ایک کا بوجھ دوسرے پر نہ ڈالا جائے گا" پورا لحاظ رکھا، اور مسلمان حکمرانون نے شارع علیہ السلام کی وصیت کے مطابق اپنی ذمی رعایا کے ساتھ پوری رعایت برتی، اس بارہ مین مسلمان مدبرین کی سیاست کا اندازہ اخشید فرمانروائے مصر کی اس تحریر سے ہو سکتا ہے جو اس نے قیصر ارمانوس کو لکھی تھی کہ "وہ حاکم و محکوم کے تمام طبقون کی تالیف قلب، ان مین اطاعت و اتحاد و اتفاق، ان کے لیے امن و عافیت اور سامان معیشت مین وسعت و فراخی کی کوشش کرتا ہے"، اگر اتفاقاً کسی مسلمان فرمانروا سے غیر مسلمون پر کوئی زیادتی ہو جاتی تھی تو وہ اس کی تلافی کی بھی کوشش کرتا تھا، مثلاً حاکم بامر اللہ فاطمی[1] نے عیسائیون کے گرجے مسمار کر دیے تھے، مگر پھر ان کو دوبارہ بنوا بھی دیا، مگر اس قسم کی زیادتی

[1] حاکم بامر اللہ کو ایک قسم کا مراق ہو گیا تھا، اس مراق مین اس نے سنی مسلمانون پر بھی زیادتیان کی تھین۔ م

کی مثالین شاذ ہین اور شاذ واقعات سے عام حکم نہین لگایا جاسکتا۔

صلیبیون کے ساتھ صلاح الدین کا حسن سلوک

صلاح الدین ایوبی نے ۵۸۳ھ مین جب بیت المقدس کو عیسائیون سے واپس لیا ہے، اس وقت یہان ایک لاکھ صلیبی مجاہدین موجود تھے، ان مین عورتون اور بچون کے علاوہ ساٹھ ہزار سوار اور پیادہ سپاہ تھی، صلاح الدین نے ان سب کی جان بخشی کی اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا، فقہانے ہرچند اس پر زور ڈالا کہ بیت المقدس پر صلیبیون کے قبضہ کے زمانہ مین ان کے اسلاف نے مسلمانون کے ساتھ جو سلوک کیا تھا وہی ان کے ساتھ کیا جائے، مگر صلاح الدین نے اس کو منظور نہین کیا، اور صرف ہر مرد پر دس دینار، ہر عورت پر پانچ دینار، بچون پر دو دینار جزیہ لگانے پر اکتفا کیا، جو لوگ اسکو ادا نہ کرسکے انکی جانب سے سلطان کے بھائی ملک العادل نے اپنی جیب سے دو ہزار آدمیون کا جزیہ ادا کیا، اسکے بعد بھی جو لوگ باقی رہ گئے انکا جزیہ سلطان نے معاف کردیا، اور صلیبیون کے جواہرات اور سونے چاندی کو ہاتھ نہین لگایا، اسوقت بیت المقدس مین یورپ کی دو ملکہ مقیم تھین، سلطان نے مع انکے خدام، جواہرات اور مال و دولت کے یہان سے چلے جانے کی سہولتین بہم پہنچائین اور لاٹ پادری کو اسکی اجازت دیدی کہ وہ گرجون کی کل دولت و ثروت لیکر جو صلیبیون نے فتح کے زمانہ مین حاصل کی تھی امن و عافیت کے ساتھ چلا جائے، مسلمانون نے سلطان سے کہا بھی کہ اس دولت سے وہ دوبارہ مسلمانون کے مقابلہ کی تیاری کریگا، مگر اس نے جواب دیا کہ مین بدعہدی نہین کرسکتا، اور دولت کے اس انبار سے جزیہ کے دس دینار کے علاوہ ایک حبہ بھی زیادہ نہین لیا، اس طرح اس نے اپنے عمل سے صلیبیون کو مکارم اخلاق اور اسلام کی رواداری کا سبق دیا۔

لیکن صلیبی صلاح الدین کے یہ سارے احسانات بھول گئے اور جب رچرڈ شیر دل نے صلاح الدین سے تاوان اور صلیب الصلبوت طلب کی اور سلطان نے اس کو واپس نہین کیا تو رچرڈ نے دو ہزار سات سو مسلمان قیدیون کو جو اس کے ہاتھون مین اسیر تھے

عکا مین راس تل کے پاس صلاح الدین کی نوجون کے سامنے قتل کرادیا، اور اس شبہہ
مین کہ ممکن ہے یہ قیدی حفاظت کے خیال سے کچھ سونا اور جواہرات نگل گئے ہون، انکے
پیٹ چاک کرڈالے، ان دونون کی سیاست مین یہ فرق تھا، مسلمانون نے اپنی قوت
اور صلیبیون کی کمزوری کے زمانہ مین ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو اوپر مذکور ہوا اور صلیبیون
نے اس کے بدلہ مین یہ ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا۔
اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ اس کے بعد مسلمانون نے بھی اس کا بدلہ لیا اور ملک الظاہر نے
ہزارون صلیبی قتل کیے، اور سلطان قلاؤن کی قوم نے بھی بیت المقدس پر صلیبیون کے
قبضہ کے وقت ان کے ہاتھون مسلمانون کے اس قتل عام کو فراموش نہین کیا جب انکو
مسجد اقصیٰ تک مین پناہ نہیں ملی تھی اور اس حرم مقدس مین اتنے مسلمان قتل کیے گئے
تھے کہ ان کے خون سے نہر جاری ہوگئی تھی جس مین گھوڑے سوارون کے پاؤن ڈوب
جاتے تھے، اس لیے سلطان قلاؤن نے بھی اپنے زمانہ مین بیت المقدس مین ایک لاکھ
صلیبی قتل کیے۔

مسلمانون اور صلیبیون کے اخلاق پر جنگ صلیبی کے اثرات

صلح و آشتی کے زمانہ مین صلیبیون کے ساتھ مسلمانون کا برتاؤ
بڑے لطف و محبت کا رہتا تھا، اور اس زمانہ مین جب
خود صلیبی مورخین کے بیان کے مطابق صلیبی مجاہدین مزاج کی درشتی و خشونت اور عادات
واخلاق مین جہالت کا نمونہ تھے، مسلمان اجنبی مہمانون کی طرح ان کی میزبانی اور مدارات
کرتے تھے، اور ان کے ساتھ عزت و احترام اور حسن سلوک سے پیش آتے تھے مسلمانون
نے ان کے ساتھ اتنا اخلاق برتا کہ انھون نے عادات واطوار اور لباس وغیرہ مین ان کی
تقلید شروع کردی، بعض نے عربی زبان تک مین مہارت پیدا کر لی اور زندگی کے بہت سے

شعبون مین مسلمانون کے طور طریقے اختیار کر لیے۔

منرو کا بیان ہے کہ "جب مسلمانون اور صلیبیون کا مقابلہ ہوا، اس وقت ان کے دماغ سے مسلمانون کی بزدلی کا خیال نکل گیا، اور دونون کے تصادم سے نہ صرف صلیبیون کو مسلمانون کی حیرت انگیز شجاعت کا اعتراف کرنا پڑا، بلکہ ان کے دل مین مسلمانون کے خلاف اور جو غلط تصورات تھے وہ بھی دور ہو گئے، شام اور فلسطین کے عیسائیون اور مسلمانون سے ہر وقت صلیبیون کا سابقہ رہتا تھا، اس قربت اور تجربہ سے بھی بہت سی غلط فہمیان دور ہو گئین، شام مین صلیبیون کی تعداد بہت تھوڑی تھی، اس لیے ان کو زراعت، گرجون اور قلعون وغیرہ کی تعمیر بلکہ فوجی تیاری مین بھی اہل ملک سے مدد لینا پڑتی تھی، اس مین وہ مسلمانون اور ملحد عیسائیون[1] کے درمیان کم امتیاز کرتے تھے، اس کے علاوہ وہ مسلمان شرفاء کے پڑوس مین رہتے تھے، اس لیے دونون ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات اور میل جول کے فرائض انجام دیتے تھے، ان کے ساتھ سیر وشکار مین جاتے تھے، بہت سے فرنگی مدتون مسلمانون کی قید مین رہے جن کے ساتھ وہ حسن سلوک سے پیش آتے تھے اور بڑی حد تک اس کو آزادی دے رکھی تھی، ان تمام اسباب وحالات کی بنا پر صلیبیون کو بہت قریب سے مسلمانون کو دیکھنے کا موقع ملا، اسی طریقہ سے مسلمان قیدیون کو صلیبیون کے مشاہدہ اور تجربہ کا موقع ملا جس سے مختلف زمانون مین دونون کے درمیان دوستانہ تعلقات ورابط پیدا ہوتے رہے، دونون کے ملکون کے درمیان تجارتی تعلقات بھی مسلمانون سے تعارف کا بڑا ذریعہ ثابت ہوئے، صلیبیون نے شامی، ارمنی اور ان عرب عورتون سے شادیان کی تھین، جنھون نے معموریت[2] قبول کر لی تھی، اس کے علاوہ

---

[1] اس سے مراد غالباً ذمی عیسائی ہین جو صلیبیون کے عقیدہ مین ملحد تھے۔ [2] معموریت عیسائیت کی ایک مذہبی رسم ہے

ان معاہدوں کے بعد جو مسلمانوں اور صلیبیوں کے درمیان اس غرض سے ہوئے تھے کہ اگر کوئی تیسرا فریق دونوں میں سے کسی کے مقابلہ میں اٹھے گا تو دونوں ایک دوسرے کی مدد کریں گے، فریقین کے بہت سے افراد کے درمیان دوستانہ تعلقات پیدا ہوگئے تھے۔

مسلمانوں اور صلیبیوں کے مقابلہ سے صلیبیوں کو سب سے بڑا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ یورپ کے حکمرانوں میں بیت المقدس پر مسلمانوں کے قبضہ کے آخری سال تک پائی کلیسا کے احکام کے مطابق حکومت کرنے کا جو دستور چلا آرہا تھا کہ "وہ اپنی اندھی تقلید سے لوگوں کے متعصبانہ جذبات بھڑکا دیتے تھے، اور بغیر کسی نمایاں فائدہ کے ان کو اور دوسروں کو قتل کرا دیتے تھے،" وہ ختم ہوگیا۔ صلح کے وقفوں میں صلیبی معمولی ٹیکس ادا کر کے مسلمانوں کے شہروں میں پوری آزادی کے ساتھ گھوم پھر کر تجارت کرتے تھے اور مسلمان بھی صلیبیوں کے علاقوں میں آتے جاتے تھے۔ جنگ صلیبی سے سب سے زیادہ مادی فائدہ ان قوموں کو پہنچا جو بحر متوسط کے ساحل پر آباد تھیں خصوصاً وینس، جنیوا وغیرہ کے باشندوں کو جن کے پاس تجارتی جہاز اور بندرگاہیں تھیں، اٹلی کے اس پار کے یورپ کے باشندے ارض مقدس کے آنے جانے میں اٹلی سے گذرنے پر مجبور تھے، اس لیے کہ خشکی کا راستہ طویل بھی تھا اور غیر محفوظ بھی کیونکہ ابتدائی صلیبی فوج کشی کے زمانہ میں انھوں نے قیصر روم کے ملک کو تباہ اور اس کے مقدس مقامات کی توہین کی تھی، اس لیے وہ اس راستے سے گذرنے میں مزاحمت کرتا تھا اور ان کی خیانت اور بدعہدی کی وجہ سے ان پر اعتماد نہ کرتا تھا، اور انکے مقابلہ میں مسلمانوں سے عہد و پیمان کو ترجیح دیتا تھا۔

مگر صلیبی لڑائیون کی تاریخ پوری طرح ظاہر ہو جانے کے بعد بھی جس کے بعد کسی چیز مین شک و شبہہ کی گنجایش باقی نہین رہ جاتی یورپ کے شعوبی ہمیشہ صلیبیون کے ضبط و نظام، ان کی حسن تنظیم اور حسن سیاست کی تعریف کرتے رہتے ہین، اور ان کو ہر اس عیب سے جو خود ان کے مورخین کی شہادت سے ثابت ہے بری کر کے ان کو لطف و کرم اور مسلمانون کو شقاوت و سنگ دلی کا نمونہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہین، اور اسکو نہین مانتے کہ مشرق قریب و مغرب بعید کی قومون کے تمدن مین کوئی بڑا فرق ہے، حالانکہ ان لوگون کے علاوہ جن کے دل اور آنکھ دونون کو اعتراض نے اندھا کر دیا ہے، اس حقیقت پر فریقین کے عقلاء کا اتفاق ہے،

جنگ صلیبی مین فریقین کے حامی اور مخالف

اگر اہل مشرق، اہل مغرب سے ان فوائد اور نقصانات کا محاسبہ کرنا چاہین جو جنگ صلیبی مین دونون کو پہنچے، تو اس کا اجمالی نتیجہ یہ ظاہر ہوگا کہ اس جنگ نے مسلمانون کو بتایا کہ وہ باہمی امداد و اعانت کے بغیر زندہ نہین رہ سکتے، شام سے عربی عصبیت کمزور پڑ گئی تھی، اس جنگ نے ان پر مذہبی اور تمدنی اتحاد کی حقیقت واضح کی، اور مسلمانون نے جب دیکھا کہ صلیبی لشکر مین نارمن، اٹلی، فرانسیسی، جرمن، نارو ے، سوٹیزرلینڈ اور یورپ کے دوسرے ملکون اور قومون کی فوجین شامل ہین، تو اس مشترک دشمن کے مقابلہ کے لیے عرب، ترک اور کرد وغیرہ بھی متحد ہو گئے، اور ایک اعلیٰ و ارفع مقصد کے لیے ان کے سلاطین و امراء نے اپنے اختلافات بھلا دیے، اور فاطمی اتابکی اس کے بعد نوری اور صلاحی پھر ممالیک وغیرہ کی حکومتین آپس مین متحد ہو گئین، ان بڑی حکومتون کے علاوہ چھوٹے چھوٹے امراء بھی آپس مین مل گئے، اور مسلمانون کے مختلف فرقون کا متحدہ محاذ قائم ہو گیا،

اور شام کے ساحلی شیعون کے علاوہ جن کے شہرون پر پہلے ہی سے صلیبی قابض ہو گئے تھے جسکی بنا پر وہ معذور ہو گئے تھے، باقی مسلمانون کا کوئی فرقہ جماعت سے علیحدہ نہین رہا، یعنی تنوخی اور دروزی سب اہل سنت کے ساتھ تھے، البتہ اسمٰعیلیون کے دماغ پر ان حالات سے فائدہ اٹھاکر تباہ شدہ شہرون کے کھنڈر پر اپنی حکومت قائم کرنے کا جنون سوار ہو گیا، اور وہ مسلمان امرا، وعمال مین سے جس کو بھی اپنا مخالف اور اپنی راہ مین حائل سمجھتے تھے، اس کو دھوکے سے قتل کر دینے کی کوشش کرتے تھے، اور اس معاملہ مین ان کی بے حمیتی اتنی بڑھ گئی تھی کہ انھون نے سلطان صلاح الدین جیسے شخص پر بھی ہاتھ چھوڑنے کی کوشش کی، اور تاج الدین بوری والی دمشق اور نظام الملک طوسی وغیرہ بہت سے اکابر ان کے ناگہانی حملون کا شکار ہوئے، ایسی مثالین عیسائیون مین بھی تھین، جس کا صلیبیون نے بھی اعتراف کیا ہے کہ ان کو بعض مرتبہ شام کے ان عیسائیون کی وجہ سے شکست اٹھانا پڑی، جو اسلامی حکومت کی خدمت انجام دیتے تھے، انھون نے اس کا پانسہ پلٹ دیا اور شامی عیسائیون کے ایک طبقہ نے جس کیساتھ مختلف اسلامی حکومتون کا برتاؤ منصفانہ اور لطف ومحبت کا رہا تھا، اپنے ملک کو مدد پہنچائی، اسی طریقہ سے مسلمانون کے محکوم ارمنی صلیبیون کے دوش بدوش مسلمانون سے لڑے جس کا پوپ گریگوری سیزدہم نے ۱۳۸۳ھ کے ایک خط مین تشکریہ ادا کیا ہے،

البتہ مسلمانون مین جن لوگون نے قوم سے غداری کرنا چاہی اور جن پر صلیبیون کیجانب میلان کا الزام تھا، انکے ساتھ عام مسلمانون اور انکے رہنماؤن نے کوئی نرمی نہین برتی چنانچہ جب دمشق اور شام کے بعض دوسرے شہرون کے باشندون نے صلیبیون کی مخالفت کی اور دمشق کے حاکم شمس الملک نے یہ علاقے صلیبیون کے حوالے

کر دینے کے لیے ان کو خفیہ بلا بھیجا تو خود اس کی ماں صفوۃ الملک نے اس کو قتل کرا دیا، صلیبیون نے بارہا فوجی طاقت کے زور اور چالاکی سے دمشق وغیرہ کے علاقون پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور ایسے وحشیانہ حملے کیے جو ان کی جنگی تاریخ کے لیے بدنما داغ ہین اور ان کی فوجین حوران، داریا بلکہ دمشق کے نواح مرج اخضر پہنچ گئین، لیکن ان کو ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا

اسی طریقہ سے ۵۲۳ھ مین جب والی دمشق نے محسوس کیا کہ باطنی دمشق حوالہ کر دینے کے لیے صلیبیون سے سازباز کر رہے ہین تو اپنے خائن وزیر مزدکا کو قتل کر دیا۔ اور لوگون کو اسماعیلیون کے خلاف بھڑکا دیا، انھون نے چھ ہزار باطنی قتل کر ڈالے اور ان کا فتنہ دب گیا، انھون نے دمشق حوالہ کرنے کی تاریخ تک مقرر کر دی تھی کہ اس تاریخ مین دونون مل کر دمشق پر حملہ کر دینگے اسماعیلیون نے بھی انتقام مین حلب کے بازار جلا ڈالے، جس سے یہان افلاس پھیل گیا، گو عام طور سے مسلمان صلیبیون کے مقابلہ مین متحد تھے، تاہم بعض زمانون مین کچھ اختلاف بھی رہا، جس سے صلیبیون نے فائدہ اٹھایا، اور بعض مسلمان سلاطین نے ان کی مدد کی، مگر مسلمان امراء نے کبھی نہ جنگی قوانین کے دائرہ سے باہر قدم نکالا اور نہ عہد شکنی کے مرتکب ہوئے،

صلیبی جنگ مین مسلمانون کو کیا فوائد پہنچے

جنگ صلیبی کے طویل زمانہ مین مسلمانون نے فنون جنگ کی جانب بڑی توجہ کی، اور اسلحہ، گھوڑے، منجنیقون اور دبابون وغیرہ سامان جنگ کی بڑی تعداد جمع کر لی، اور اس سلسلہ مین بہت سی ایجادین کین، جنھون نے عکا کے معرکہ مین صلیبیون کو متحیر کر دیا تھا، اس معرکہ مین مسلمانون نے پوری جنگی مہارت اور حربی تدبیرون سے صلیبیون کا مقابلہ کیا، جیسا کہ خود ان کے عینی شاہد

مورخین کا بیان ہے کہ "ابھی مسلمان برجون مین لڑ رہے تھے، ابھی منجنیقون کا استعمال شروع کر دیا، کبھی دبابہ سے مقابلہ کرتے تھے کبھی کباش اور لوالب[۱] کو کام مین لانے لگے، اگر دن کو فصیلون کو توڑتے تھے تو رات کو سرنگ کھودتے تھے کبھی خندق سے لڑتے اور کبھی سیڑھیون اور کمند کے ذریعہ، کبھی خشکی کی سمت سے حملہ کرتے، اور کبھی بحری جنگ، جنگ گویا ان کی عادت اور پیشہ بن گیا تھا اور مسلسل جنگ کی تگ و دو اور اہل و عیال اور کاروبار کی زیادہ دوری سے بچنے کے لیے مسلسل جنگ کے بجائے دن رات مین تھوڑے تھوڑے وقفون، مختلف مہینون اور مختلف زمانون مین لڑتے تھے،

عکا کے محاصرہ کے زمانہ مین جب فوجی جائزہ کے لیے اسلامی افواج صلاح الدین کے سامنے پیش کی گئین، تو ان کی تعداد ایک سو اسی (۱۸۰) دستے تھی، اور بیس دستے اس وقت موجود نہ تھے، ہر دستہ ایک امیر کی ماتحتی مین تھا، جو طبل، علم، نوبت، نقارہ وغیرہ تمام فوجی اعزاز سے ممتاز ہوتا تھا، رضاکار دن کے علاوہ خالص فوج کا تخمینہ دو لاکھ سے لیکر پانچ لاکھ تک کیا جاتا ہے۔

جنگ صلیبی کے حوادث ہی کی وجہ سے فنون جنگ و سیاست مین مسلمان حکمرانون کے کمالات ظاہر ہوئے، اور سلطان نور الدین محمود زنگی اور سلطان صلاح الدین جیسے عالی دماغ فرمانروا پیدا ہوئے، اگر یہ جنگ نہ ہوئی ہوتی تو ان دونون کے بہت کمالات اور ان کی نادر خصوصیات ظاہر نہ ہوتیں، مسلمان ان دونون کی سیرت کو عمر بن عبدالعزیزؒ کی سیرت کا درجہ دیتے تھے، ان دونون نے اپنی نفسی قوت سے اسلام کی روح دوبارہ زندہ کر دی، اگر جنگ صلیبی نہ ہوتی تو طغتگین کی سیاسی اور تنظیمی قابلیت اور کامل

---

[۱] دبابہ، کباش اور لوالب سب آلات جنگ کے نام ہیں۔ م۔

طاہر، قلاؤن اور اشرف وغیرہ بہت سے لیڈرون کی جنگی بصیرت پر پردہ پڑا رہتا، یہ بھی حسن اتفاق اور خدا کی توفیق تھی کہ صلیبی لڑائیون کے زمانہ مین مسلمان امرا اور فرمانرواؤن کو اسلامی موقف کی نزاکت کا احساس ہوگیا تھا، اس لیے وہ اپنے سارے اختلافات ختم کرکے آپس مین مل گئے، ان مین اتنا اتحاد واتفاق اس سے پہلے کسی زمانہ مین نہین ہوا تھا، ان کے مقابلہ مین صلیبی امرا آپس مین جھگڑتے رہتے تھے، اور خونریزی تک نوبت آجاتی تھی، اور بسا اوقات وہ اپنے حریف کے مقابلہ مین مدد لینے کے لیے مسلمانون کی جانب رجوع کرتے تھے،

اس زمانہ مین مصر، شام، عراق، جزیرۂ دیار بکر اور دیار ربیعہ وغیرہ کے سارے مسلمان ایک مرکز پر جمع ہوگئے تھے اگر وہ اسوقت متحد اور ایک دوسرے کے معاون ومددگار نہ بن جاتے تو اسلام بالکل کمزور پڑجاتا اور اس کی حکومت ساری دنیا سے اٹھ جاتی، اس لئے کہ صلیبی مجاہدین نے حجاز تک کو فتح کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا، چنانچہ کرک کے صلیبی فرمانروا آرنلڈ نے بحر قلزم مین ایلہ کے قریب ایک بیڑا اسی غرض سے تیار کیا تھا اور دو سمتون سے اس مہم کا آغاز کیا، ایک سمت مین ایک جماعت نے ایلہ کے قلعہ کا محاصرہ کیا، اور دوسری سمت دوسری جماعت مسلمانون کا خاتمہ کرنے کے لیے عیذاب روانہ ہوئی، اور والی کرک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مین گستاخانہ کلمات استعمال کیے، جس کو سنکر سلطان صلاح الدین نے قسم کھائی تھی کہ جب بھی اس پر قابو حاصل ہوگا، اپنے ہاتھ سے اس کا سر قلم کرے گا، چنانچہ حطین کے معرکہ مین جب دوسرے صلیبی حکمرانون کے ساتھ والی کرک گرفتار ہوا، اس وقت صلاح الدین کو اپنی قسم پوری کرنے کا موقع ملا، اس نے اور سب حکمرانون کو تو رہا کردیا لیکن

والی کرک کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا، حطین کا معرکہ اور اس کے بعد ساحلی علاقے اور بیت المقدس کی فتح مسلمانون اور صلیبیون کے درمیان سب سے پہلا فیصلہ کن معرکہ تھا جس مین اسلامی فوجون نے اسلام کی فتوحات کی طرح حیرت انگیز کارنامے دکھائے،

جنگ صلیبی کی تباہ کاریان اور انکی تلافی کے لیے مسلمانون کی کوشش

جنگ صلیبی کے نقصانات مین ایک بڑا نقصان یہ بھی تھا کہ شام کے تمام ساحلی شہر تباہ ہو گئے، جن کو جنگی ضرورت کی بنا پر دونون فریق نے عمداً تباہ و برباد کیا تھا، مسلمانون نے بہت سے قلعے اور شہر اس خطرہ سے تباہ کیے تھے کہ اگر وہ دشمنون کے قبضہ مین چلے گئے تو وہ ان مین قلعہ بند ہو جائین گے جس سے جنگ کی مدت بڑھ جائے گی، اور مسلمان جانی نقصان کے علاوہ بڑی سخت تباہی و بربادی مین مبتلا ہو جائین گے، کیونکہ اس جنگ مین مسلسل لڑائیون کی وجہ سے لوگ پہلے کی طرح کھیتی باڑی کی جانب توجہ نہین کر سکتے تھے، اور جو پیداوار تھی وہ اسلامی فوجون کے لیے بھی کافی نہین تھی، بہت سی مزروعہ زمینین جو دونون فوجون کے درمیان مین پڑتی تھین بے کار ہو گئی تھین، اور ان زمینون کو بھی جن مین دشمن جنگی حالات کے مطابق آگے بڑھتے اور پیچھے ہٹتے رہتے تھے انکا شتکارون نے چھوڑ دیا تھا، ہزارون زراعت پیشہ مسلمان جنگ مین کام آ گئے تھے، جس سے کام کرنے والون کی بڑی کمی ہو گئی تھی، ان اسباب کی بنا پر ملک مین بڑا قحط پڑ گیا تھا، ہر چیز کی قیمت پنج گنی اور چھ گنی ہو گئی تھی، جس سے لوگ سخت تنگی اور مصیبت مین مبتلا ہو گئے تھے، اسکے مقابلہ مین یورپ کے معرکہ آرا صلیبیون کی تعداد مین جو کمی ہوتی تھی وہ یورپ کی مسلسل امداد سے پوری ہوتی رہتی تھی، انھون نے سات بڑے حملے کیے، اور بعض بعض حملون مین انکی فوج کی تعداد پانچ لاکھ سے اوپر تھی، اور بعض اوقات مسلمان فوجون اور ان کی بیرونی امداد

کی تعداد صلیبیون کی تعداد سے بہت کم ہوتی تھی۔

مسلمانون مین ایک بڑی کمی یہ تھی کہ وہ اہل یورپ سے پوری طرح واقف نہین تھے، اور اس کی جانب انھون نے بہت کم توجہ کی تھی، حالانکہ شروع سے ان سے انکا سابقہ تھا، اور ان کے حالات سے واقفیت کے وہ خواہش مند بھی تھے۔ ایسے موقعے بھی آئے جب انھون نے اہل یورپ کو اس تباہ کن جنگ سے روکنے کی بھی کوشش کی، جنانچہ ان سے معاہدے کرتے تھے، انھین خصوصی امتیازات اور رعایتین دیتے تھے، ان کی شکایتون کا ازالہ کرتے تھے۔ مسلمانون نے جب دیکھا کہ صلیبی مجاہدین اسلامی ملکون کی خبرین حاصل کرنے کیلیے ان سے زیادہ اہتمام کرتے ہین، جس سے کبھی کبھی ان کو فتح حاصل ہو جاتی ہے تو تھوڑے دنون کے بعد انھون نے مخبری کے فن مین ایسا کمال حاصل کرلیا کہ ان سے صلیبیون کی چھوٹی سے چھوٹی خبر بھی مخفی نہ رہنے پاتی تھی، دیلمیون کے زمانہ مین اور اس سے پہلے اور بعد کے زمانون مین بھی یہ دستور تھا کہ ملک کا کوئی حصہ خبررسانون اور ڈاک کے انتظام سے خالی نہ تھا، اور دور و نزدیک کی کوئی خبر ان سے مخفی نہ رہتی تھی، صلیبیون نے بعض مرتبہ اپنے پڑوسی مسلمانون کی استمالت کی بھی کوشش کی، لیکن انھون نے ان کو ہمیشہ غاصب ہی سمجھا، جس نے باہر سے آکر اسلامی علاقون پر قبضہ کرلیا تھا، اسلیے جب تک وہ اپنے وطن اور اپنی سرزمین سے آخری صلیبی کو نہ نکال دیتے، اسوقت ان کے دل مین انکی کوئی گنجایش نہین نکل سکتی تھی۔

مسلمانون نے اپنے دشمنون کے ساتھ مختلف قسم کی تدبیرین اور چالیں بھی اختیار کین جنگ صلیبی سے متاثر علاقون کے حکمران عباسی خلفاء کو مانتے تھے، اور اپنے مقصد کے حصول اور لوگون کو جنگ مین شامل کرنے کے لیے ان کے معنوی اثر کو کام مین لاتے تھے لیکن اس زمانہ مین عباسیون کا اثر اتنا کم ہوگیا تھا کہ ان کے نام سے مسلمان قومون کو جہادی نوائد

حامل ہوتے تھے، ان مین بڑی کمی ہوگئی تھی،

صلیبی بادشاہوں کے ساتھ مسلمانوں کی سیاست اور ان کا طرز عمل

صلیبی سلاطین کے ظلم و زیادتی اور ناحق کوشی کے باوجود مسلمانون نے فتح اور شکست دونوں حالتون مین انکے ساتھ نہایت تعجب انگیز سیاست اختیار کی، اوران حالات مین بھی انھون نے ان کے ساتھ جیسا سلوک کیا اس سے زیادہ اچھا سلوک ایک شریف دشمن سے تصور مین نہیں لایا جاسکتا، طغتکین پھر نورالدین اور ان کے بعد ابتدائی لڑائیون مین سلطان صلاح الدین تینون کا طرز عمل اس معاملہ مین یکسان رہا، لیکن جب مسلمانون نے دیکھا کہ انکی نرمی اور حسن سلوک کا کوئی اثر ان پر نہین پڑتا تو انھون نے بھی طرز عمل بدلدیا، پھر جب انکو اس کا اندازہ ہوگیا کہ جنگ صلیبی کے بارہ مین یورپ کی سیاست بدل گئی ہے اور وہان جوشیلے بہادرون نے مشرق کے صلیبیون کی امداد سے ہاتھ روک لیا ہے تو تدبیر اور عاقبت اندیشی کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اہل یورپ سے اپنی سرزمین کو بالکل پاک کردیں۔

سلطان نورالدین زنگی کی ذات تاریخ اسلام کی بڑی نامور اور باعظمت شخصیت تھی، اس نے اپنی قوت بازو سے ایک بڑی سلطنت قائم کی اور جب وہ مستحکم و مضبوط ہوگئی تو اس نے صلیبیون کے قلعون پر حملے شروع کردیے، اور اپنی شجاعت، اخلاص، اور مسلمانون مین اپنی محبوبیت کی وجہ سے پچاس شہر اور قلعے فتح کیے، اور جب وہ صلیبیون کو شکست دیتا تھا تو ان کے تعاقب اور تلاش مین زیادہ کاوش نہیں کرتا تھا، اور اپنی قوم کے حقوق بھی نظرانداز نہین کرتا تھا، بلکہ حالات کے مطابق ایک عملی انسان کی طرح درمیانی طریقہ اختیار کرتا تھا، اس نے جب حارم مین صلیبیون کو شکست دی تھی، اس وقت رومیون جرمنون اور دوسرے فرنگیون کو ملاکر ان کی کل تعداد تیس ہزار تھی، اس معرکہ مین ایک

صلیبی حکمران بوہیمنڈ بھی گرفتار ہوا، اس نے اپنی رہائی کے معاوضہ مین بہت بڑی رقم پیش کی سلطان نے اس کو رہا کر دیا، اور وہ رقم جہاد مین صرف کی، اسی طریقہ سے ایک اور صلیبی فرمانروا نے اپنی رہائی کا فدیہ دیا، سلطان نے اس سے یہ وعدہ لیکر کہ وہ چند سال تک مسلمانون سے جنگ نہ کرے گا، چھوڑ دیا، اور فدیہ کی رقم سے ایک بڑا شفاخانہ تعمیر کر دیا، سلطان کے دوسرے ارکان سلطنت اس کی رہائی کے خلاف تھے، ان کو یہ یقین تھا کہ وہ عہد پر قائم نہین رہے گا، لیکن اتفاق سے وہ اپنے اہل وعیال کے پاس پہنچتے ہی مر گیا،

مسلمان سلاطین مین صلیبیون کے ساتھ سب سے زیادہ سابقہ صلاح الدین کا رہا تھا، اور اسی کے ہاتھون بڑے بڑے اہم اور ہلاکت خیز واقعات پیش آئے، اسی کے زمانہ مین سب سے بڑے صلیبی حملہ مین یورپ کا سب سے بڑا فرمانروا رچرڈ شیر دل بادشاہ انگلستان شام آیا، اس نے جنگ کا شیرازہ منتشر کرنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے، صلاح الدین کے غلامون سے دوستی پیدا کی اور ان سے اتنے تعلقات بڑھائے کہ دونون مختلف اوقات مین آپس مین ملتے تھے، لیکن اس کوشش مین سنجیدگی نہ تھی، اور اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ کسی طرح ارض مقدس کی واپسی مین کامیاب ہو جائے، صلاح الدین اس کو پوری طرح سمجھتا تھا، مگر اس نے عمداً اس تماشہ سے چشم پوشی کر لی تھی۔

رچرڈ نے صلاح الدین کو لکھا تھا کہ اس جنگ مین بہت سے مسلمان اور فرنگی ہلاک، ملک تباہ اور جان ومال کا اتلاف ہو چکا ہے، اور اب معاملہ انتہا کو پہنچ گیا ہے، اور صرف بیت المقدس، صلیب مقدس اور تھوڑے سے ملک کا یہ سارا جھگڑا ہے بیت المقدس ہماری عبادت گاہ ہے، اس لیے خواہ ہمارا ایک آدمی بھی زندہ نہ رہ جائے ہم کسی حالت مین اس کو چھوڑ نہیں سکتے، ہم صرف اتنا ملک چاہتے ہین کہ

اور ان دونوں کی حد فاصل ہو جائے، صلیب تمھارے نزدیک محض معمولی لکڑی کا ایک ٹکڑا ہے جس کی کوئی قیمت نہیں، اور ہمارے لیے وہ بڑی مقدس چیز ہے، اس لیے سلطان کو ہمارے یہ مطالبات مان کر ہم پر احسان کرنا چاہیے کہ اس دائمی مصیبت سے نجات مل جائے۔" سلطان نے اس کا یہ جواب دیا کہ "بیت المقدس جیسے تمھارے لیے مقدس ہے ویسے ہی ہمارے لیے بھی ہے، بلکہ تم سے زیادہ ہمارے لیے اس کی عظمت ہے، وہ ہمارے نبی کی معراج کی راہ اور ملائکہ کی اجتماع گاہ ہے، اس لیے اس سے ہماری دستبرداری کا تصور بھی نہیں لایا جا سکتا، اور نہ ہم اس خیال کو کسی مسلمان کے سامنے اپنی زبان سے نکال سکتے ہیں، ملک در اصل ہمارا ہے، تم لوگ محض مسلمانوں کی کمزوری کی وجہ سے اس پر قابض ہو گئے ہو، رہی صلیب تو اس کو برباد کرنا ہمارے نزدیک بہت بڑی عبادت ہے، اور اس بارہ میں ہم اسلام کے مفاد اور مصالح کے علاوہ اور کوئی طریقہ اختیار نہیں کر سکتے، جو ہمارے لیے صلیب سے زیادہ ضروری ہیں،

رچرڈ نے یہ بھی صلاح الدین کو لکھا تھا کہ "نہ تمام مسلمانوں کو ہلاک کر دینا تمھارے لیے مناسب ہے، اور نہ تمام فرنگیوں کو میرے لئے"! ابن شداد یہ عجیب و غریب شرائط صلح نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ "اپنے حصول مقصد کے لیے کبھی نرمی اور کبھی سختی کی یہ تدبیر قابل غور ہے، اور اس کا یہ طرز عمل اس حالت میں تھا جب وہ اپنے ملک واپس جانے کے لیے بیچین تھا، خدا مسلمانوں کو اس کے فریب سے بچانے کے لیے کافی ہے، مسلمان اتنے بڑے فریب میں کبھی مبتلا نہیں ہوئے، اور نہ کبھی ان کو ایسے نڈر اور بیباک دشمن سے سابقہ پڑا، ۵۸۸ھ میں فرنگیوں اور مسلمانوں میں صلح ہوئی، اور یورپ کے بڑے بڑے لوگوں نے حلف لیکر اس کی توثیق کی، صرف رچرڈ نے یہ عذر کیا کہ بادشاہ قسم نہیں

کھاتے، اس لیے وہ حلف نہین لے سکتا، اور اس کے بجائے ہاتھ مین ہاتھ دیکر عہدہ کی توثیق کی۔

صلیبیون کو جنگ سے جو فوائد پہنچے

جنگ صلیبی مین صلیبیون کو حسب ذیل فوائد پہنچے، انھون نے آرام و راحت کی شایستہ زندگی مسلمانون سے سیکھی، اور دہقانی زندگی کو خیرباد کہا، زراعت و تجارت سے شغف پیدا ہوا، اور ان کو معلوم ہوا کہ اسلامی مشرقی ملکون کی صنعت و حرفت ان کی صنعتون سے زیادہ ترقی یافتہ، ان کی زراعت ان کی کھیتی سے زیادہ کامیاب، ان کی تجارت ان کی تجارت سے زیادہ نفع بخش اور ان کے معاملات ان کے معاملات سے زیادہ صاف ہین، اور ان مین عجیب وغریب رواداری ہے، اسی زمانہ سے فرنگیون کو سیر و سیاحت سے دلچسپی پیدا ہوئی، اور انھون نے مشرقی ملکون سے تجارتی تعلقات قائم کیے، ان کو اس کا بھی یقین ہوگیا کہ اگر مسلمان کچھ دنون تک بدلہ نہ لین تو اس کے یہ معنی نہین ہین کہ وہ ہمیشہ خاموش رہین گے جب بھی ان کے لیے غلبہ و اقتدار کے اسباب فراہم ہو جائین گے، وہ اٹھ کھڑے ہون گے اور اس وقت ان مین بڑے بڑے قائد اور رہنما پیدا ہو جائین گے، ان کے لیڈر بڑے واقعات نہین پیدا کرتے، بلکہ اہم واقعات کے وقت ان مین خود بخود لیڈر پیدا ہو جاتے ہین، اور ان کی لیڈری فوری پیداوار نہین ہوتی۔

صلیبیون کو اسکا بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کی فوجون اور ان کی قیادت مین قومی وحدت نہ ہونے کی وجہ سے ان کے دشمن، رومی اور اسلامی ملکون مین ان کے سینہ پر سوار ہو گئے، اور جنگ صلیبی نے یورپ کی مختلف قومون کو ایک دوسرے کے قریب اور ایک جھنڈے کے نیچے جمع اور ان کے دلون مین تہذیبی وحدت کا احساس

پیدا کیا، جس سے یورپی تصور کے پیدا ہونے مین مدد ملی۔ اس جنگ نے فرنگیون اور ان کے دشمنون کو ایک دوسرے کا احترام کرنا سکھایا اور صلح و مسالمت کے زمانہ مین دونون مین عہد و پیمان اور تعلقات و روابط قائم ہوئے، چنانچہ رچرڈ نے عرب سوارون کا ایک دستہ بنایا، اور دونون قومون مین ازدواجی تعلقات بھی قائم ہوئے، اس طرح فریقین مین ایک دوسرے کے ساتھ رواداری پیدا ہوئی، منرو لکھتا ہے کہ "عیسائی طبیبون پر مسلمان اطبا کی برتری کی وجہ سے عیسائی مسلمان اطبا کو ترجیح دیتے تھے، کیونکہ عیسائی طبیب زخمون کے علاج مین چھری، چاقو وغیرہ آلات جراحت استعمال نہیں کرتے تھے، ایک مرتبہ فریڈرک باربروسہ کی جانب سے ہوجرڈ صلاح الدین کے پاس آیا، سلطان نے ان کے سامنے اسلامی عقائد اور مسلمانون کی رواداری کو بڑی خوبی سے بیان کیا، اور یہ بھی بتایا کہ مسلمانون نے ہر مذہب کے پیروون کو پوری آزادی عطا کی ہے، اور اکثر مسلمان صرف ایک بیوی پر اکتفا کرتے ہین"، منرو نے یہ بھی لکھا ہے کہ "صلاح الدین کی اس نرمی، فیاضی اور حسن سلوک کی بنا پر جو اس نے بیت المقدس کی فتح مین عیسائیون کے ساتھ کیا تھا، یورپ مین بہت محبوب تھا، یہ سلوک اس سلوک سے بہت مختلف تھا، جو ۱۰۹۹ء مین صلیبیون نے بیت المقدس پر قبضہ کے زمانہ مین مسلمانون کے ساتھ کیا تھا، اور جس نے اہل یورپ تک کو حیرت مین ڈالدیا تھا، حسن سلوک مسلمانون کی فطرت مین داخل ہے، اور وہ رواداری مین مشہور ہین، مسلمانون اور صلیبیون کے اس اختلاط اور میل جول نے اہل یورپ کے دلون سے اسلام کے متعلق وہ تمام غلط خیالات دور کر دیئے جو ان کے مذہبی پیشواؤن نے دانستہ یا نادانستہ پھیلائے تھے، حتی کہ خود بعض عیسائی بڑی خوبی سے اسلامی عقائد کی تشریح کرنے لگے"، آگے چل کر منرو لکھتا ہے کہ

"مسلمانون کو مہمانون کی میزبانی مین بڑا غلو ہے، اور وہ اخلاق ولطف وکرم مین بہت ممتاز ہین"
ریکوڈس سنہ ۱۲۹۴ء کے قریب زمانہ مین لکھتا ہے کہ "کون شخص ہے جو مسلمانون کی شجاعت، بہادری،
نمازون مین ان کے خضوع وخشوع، محتاجون کے ساتھ شفقت ومحبت، اللہ تعالیٰ، انبیاے
کرام، اور مقامات مقدس کے ساتھ ان کے احترام وتقدیس، ان کی حسن معاشرت، اجنبیون
کے ساتھ ان کے لطف ومدارات، ان کے اتحاد یکجہتی اور باہمی الفت ومحبت پر متحیر
نہین ہے"۔ ریکوڈس کے یہ خیالات نقل کرنے کے بعد منرو لکھتا ہے کہ "ان صریح شہادتون
کے برخلاف اب تک مسلمانون کے متعلق عیسائی کاہنون کا پرانا نظریہ باقی ہے، اور
اس مین کوئی تبدیلی نہین ہوئی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ عیسائیون کے بکثرت
اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ان سے خوفزدہ ہین اور یہ سمجھتے ہین کہ مسلمانون کو عیسائیت
سے مانوس کرنا محال ہے"۔

صلیبیون نے شام کے ساحلی علاقے اور ارض مقدس مین بعض قلعے اور گرجے
اپنی یادگار چھوڑے ہین، سنہ ۶۹۰ھ مین جب سلطان خلیل نے ان پر آخری کاری
ضرب لگائی تھی، اسوقت اس علاقہ کے کچھ فرنگی اس کو چھوڑ کر لبنان کے پہاڑی علاقہ
مین آباد ہوگئے، اور کچھ اپنے اصلی وطن لوٹ گئے۔ سیڈیو لکھتا ہے کہ "اگر جنگ صلیبی
کی وجہ سے اہل یورپ مین سخت قسم کا تعصب نہ پیدا ہوگیا ہوتا تو اس مین کوئی شبہہ
نہین تھا کہ اس جنگ سے ان کو بے شمار فوائد حاصل ہوتے، اور جب انھون نے
مسلمانون کی رواداری اور نورالدین وصلاح الدین جیسے مشاہیر امراء وسلاطین
کی نرمی ومسامحت کو دیکھا تو جنگ صلیبی کے خاتمہ کے بعد ان مین رومن شہنشاہی کے
زمانہ سے زیادہ تجارت پھیل گئی، اور اہل یورپ نے عربون سے تہذیب اور اعلیٰ عادات

واخلاق وغیرہ وہ تمام باتیں سیکھیں جو زندگی کو آسان اور شیریں بناتی ہیں"۔ اس کو لکھنے کے بعد سینیوبس تحریر کرتا ہے کہ مشرق ومغرب میں تعلقات کا آغاز مومنین کی جنگ سے ہوا، اور تجارتی معاملات کے ذریعہ وہ انتہا کو پہنچے، مشرقیوں کے تصادم سے مغربی مہذب بنگئے اس اختلاط کا اثر عیسائیوں کے دینی افکار پر بھی پڑا، پہلے تو وہ مسلمانوں سے برسرپیکار رہے، مگر جب انھوں نے ان کو قریب سے دیکھا اور ان میں صلاح الدین جیسا سخت مگر روشن ضمیر اور کریم النفس انسان نظر آیا، جس نے عیسائی قیدیوں کو بغیر کسی معاوضہ کے چھوڑ دیا، اور ایک بڑے صلیبی لیڈر کے علاج کے لیے اپنا طبیب خاص بھیجا، تو پھر وہ مسلمانوں کا احترام کرنے لگے"۔

جنگ صلیبی کے نقصانات اور فوائد کے بارہ میں لیبان کی رائے

لیبان ان خونیں حوادث پر بحث کرتے ہوئے جو صلیبی لڑائیوں میں مشرق ومغرب کے درمیان پیش آئے، لکھتا ہے کہ "یہ لڑائیاں اپنے مقصد یعنی فلسطین پر عیسائیوں کے قبضہ کے اعتبار سے بے کار اور بے نتیجہ رہیں، اور صلیبیوں کو اتنی خونریزی اور مالی قربانیوں کے باوجود چند ہی صدیوں میں یہاں سے نکل جانا پڑا، مگر اس کے دور رس نتائج کے لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ ان سے بڑے فوائد حاصل ہوئے، اور مشرق کے ساتھ مغرب کا دو صدیوں تک اختلاط یورپ میں تہذیب کی اشاعت کا قوی ذریعہ ثابت ہوا، اور جنگ صلیبی سے ان کی اصل غرض وغایت کے علاوہ بالکل دوسرے قسم کے فوائد ونتائج حاصل ہوئے، تاریخ میں اس کی مثالیں موجود ہیں کہ ایک کام جس مقصد کے لیے کیا گیا اس کے بالکل خلاف دوسرا مقصد حاصل ہو گیا، جو شخص مشرق ومغرب کے اس تصادم کے مشترک اثرات ونتائج کا جو دونوں پر مترتب ہوئے، اندازہ کرنا چاہیے، اس کو ان قوموں کی تمدنی حالت کو نگاہ میں رکھنا چاہیے جن

درمیان اختلاط ہوا ہے، یہ ہم جانتے ہین کہ اس زمانہ مین جب یورپ وحشت وجہالت مین غرق تھا، مشرق عربون کے طفیل مین ایک اعلیٰ واشرف تہذیب سے بہرہ مند تھا، صلیبیون کے مجموعی اعمال سے ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ ہر موقع پر وحشی ثابت ہوئے تھے، ان کا کام لوٹ مار تھا، اور اس مین دوست و دشمن کا کوئی امتیاز نہ تھا، انھون نے قسطنطنیہ مین قدیم یونانی اور لاطینی یادگارون کے گران بہا خزانے برباد کیے، اور ان وحشیون کے تصادم سے مشرق کو کوئی فائدہ نہین پہنچا، اور ان کے دلون مین اہل یورپ کی جانب سے سخت نفرت وکراہت پیدا ہو گئی، جو کئی صدیون تک قائم رہی یہ اس جنگ کا نہایت مضر نتیجہ تھا۔"

صلیبیون کی جہالت، ان کی درشت مزاجی، احمقانہ درندگی اور دینداری کی کمی کی وجہ سے اہل مشرق کے دلون مین یورپ کی عیسائی قومون اور ان کے مذہب کے بارہ مین بڑی بدگمانی پیدا ہو گئی، جس سے مشرق ومغرب کے درمیان اختلاف کی ایک بڑی خلیج حائل ہو گئی، جس کی تلافی دشوار ہے، اور یہ سب پاپاؤن کے غیر معمولی اثر اور مذہبی رہنماؤن کی خرابی کا نتیجہ تھا، پھر اس کے ردعمل مین دینی اصلاح کی تحریک اور خونریز لڑائیون کا سلسلہ شروع ہوا، ان لڑائیون کا سب سے مذموم اور ناخوشگوار نتیجہ یہ تھا کہ چند صدیون تک لوگون مین مذہبی تعصب اور عدم رواداری راسخ ہو گئی، اور مذہب سنگدلی، وحشت اور درندگی کا مظہر بن گیا، جس کی مثال یہودیون کے علاوہ اور کسی کی تاریخ مین نہین ملتی، ان لڑائیون کے بعد مذہبی تعصب جنون کے درجہ تک پہنچ گیا، جس کے آثار آج بھی نمایان ہین، اور مذہبی رہنما خونریزی کے اتنے عادی ہو گئے ہین کہ وہ دشمنون کو مٹانے کے لیے جو طریقے پہلے استعمال کرتے تھے اب ان کو وہ

ایمان کی تبلیغ اور الحاد و بیدینی کے استیصال کے نام سے خود اپنی قوم کی بربادی کے لیے استعمال کرتے ہین، اور جو شخص کوئی ایسی نئی بات کہتا ہے جو ذرا بھی ان کے خلاف ہوتی ہے اس کو وہ سخت ترین عذاب کا مستحق سمجھتے ہین، یہودیون، البیجیون[1] اور مختلف غیر مقلد طبقون کا قتل عام، تحقیق دینی کی عدالت، اور تمام مذہبی لڑائیان اور وحشیانہ معرکے جن مین ایک مدت دراز تک یورپ مبتلا رہا، سب اسی مذہبی تعصب کے مذموم نتائج تھے، جس کی آگ صلیبیون نے بھڑکائی تھی"۔

صلیبیون کا مقصد بظاہر تو عیسائی دنیا کا قبلہ یعنی مزار مقدس پر قبضہ کے ذریعہ دین کی خدمت تھی، لیکن حقیقۃً وہ مذہب کی روح سے بالکل عاری تھے، اس لیے جب وہ مال غنیمت دیکھتے یا کوئی ناپسندیدہ کام، حیلہ و فریب یا جرم و گناہ کرنا چاہتے تو مذہب کو پس پشت ڈالدیتے اور اس کی پروا مطلق نہ کرتے کہ ان کے ان اعمال کا نتیجہ خود ان کی ذات اور ان کی قوم کے حق مین کیا ہوگا، عماد کاتب[2] نے لکھا ہے کہ "یورپ کے صلیبیون نے فلسطین کے صلیبیون کے تعیش کے لیے بہت سی عورتین بھیجی تھین، جو جنگجو صلیبیون کی نفسانی خواہشات پوری کرتی تھین، جو کسی آسمانی مذہب مین بھی جائز نہین ہے، اس لیے ان لوگون کے برخلاف جو صلیبیون کو تہذیب و تمدن کا صاف و شفاف لباس پہنانا چاہتے ہین، لیبان کے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ وہ بالکل وحشی اور جاہل تھے، اور ان مین مذہب اور ایمان بہت کم تھا"، انکا ظاہری لباس جہل و حماقت اور ان کا شعار تعصب اور خواہش نفس تھا،

[1] البیجی عیسائیون کا ایک فرقہ تھا جو بارہوین صدی ہجری مین فرانس کے صوبہ البنی مین پیدا ہوا تھا، اس نے پوپ کی مخالفت کی تھی، اسلیے پادریون نے اسکو بڑی بیدردی کیساتھ مٹایا۔ [2] الفتح القدسی۔

صلاح الدین کی سیاست
اور
اس سے صلیبیون کا استفادہ

جنگ صلیبی سے پہلے یورپ کے ان معدودے چند ذہین افراد کے علاوہ جو تجارت کے سلسلہ مین مشرق یا بیت المقدس کی زیارت کے لیے فلسطین یا حصول تعلیم کے لیے اسپین و سسلی آئے تھے، عام طور سے اہل یورپ مشرق سے ناواقف تھے، جنگ صلیبی مین انھون نے اس کو پہچانا، ان ناخواندہ جماعتون مین ہر طبقہ کے آدمی تھے، اور انھون نے مسلمانون کو ان کے خاص وطن مین دیکھا تھا جس سے ان کو اس کا پورا اندازہ ہو گیا کہ مسلمان جنگی علمی و ادبی اور اجتماعی اوصاف مین ان سے بہت ممتاز ہین، انھون نے ایک ایسی قوم دیکھی جو مذہبی پیشواؤن کی قید و بند سے ایک حد تک آزاد اور اس سے مختلف تھی جیسی دوسرے لوگ اس کو سمجھتے تھے[1]، مذہبی پیشواؤن کی گرفت سے آزادی کی ایک مثال یہ ہے کہ جنگ صلیبی کے معاملات مین صلاح الدین فقہا کو مشورہ مین شریک نہین کرتا تھا، بلکہ اپنے فوجی افسرون اور تجربہ کار مشیرون کی رائے پر اعتماد کرتا تھا، کیونکہ وہ یہ جانتا تھا کہ اس قسم کے معاملات و مسائل مین مذہبی پیشواؤن کی نظر، سیاسی مبصرون کی نگاہ سے مختلف ہوتی ہے، اگر سلطان بیت المقدس کی فتح کے وقت فقہا کی رائے کے مطابق صلیبیون کے ساتھ اسی بے رحمی کا سلوک کرتا جو صلیبیون نے اپنے قبضہ کے زمانہ مین مسلمانون کے ساتھ کیا تھا، تو یورپ کے ہر گھر مین صف ماتم بچھ جاتی، اور پھر صلیبی لڑائیون سے بھی یہ عقدہ نہ حل ہو سکتا، اس معاملہ مین سلطان کی نگاہ ان لوگون سے زیادہ وسیع تھی جنھون نے یہ مشورہ دیا تھا کہ صلیبیون کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو انھون نے مسلمانون کے ساتھ کیا تھا، اور ان کو ایک سرے سے قتل کر دیا جائے۔

[1] اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمان عیسائیون کی طرح مذہبی پیشواؤن کے خود ساختہ قیود کے پابند نہ تھے۔
م

اس کے مقابلہ مین صلیبیون پر ان کے مذہبی پیشواؤن کا اتنا اقتدار تھا کہ اگر ان کے ارباب سیاست مسلمانون کے ساتھ نرمی اور رواداری برتنا بھی چاہتے تھے تو دینی پیشوا ان کو سختی کرنے کا حکم دیتے تھے، اور اگر سیاسی رہنما عہد کی پابندی مین مصلحت سمجھتے تو دینی طبقہ ان کو تمام مذہبی قیود سے آزاد کر دیتا تھا، چنانچہ بادشاہ انگلستان نے جب اس شرط کے ساتھ اپنی بہن کی شادی سلطان کے بھائی ملک العادل کے ساتھ کرنا چاہی کہ شام کا ساحلی، اسلامی اور فرنگی علاقہ ان دونون کو دیدیا جائے، اور ملک العادل سلطان کی جانب سے اسلامی علاقے پر حکومت کرے، اور فرنگی علاقہ کی حکمرانی ان کی جانب سے اس کی بہن کے ہاتھون مین رہے، تو عیسائی مذہبی پیشواؤن نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ پاپاے روم کے مشورہ کے بغیر شاہ انگلستان اپنی بہن کا نکاح ایک مسلمان کے ساتھ نہین کر سکتا، اور پاپا اس کی اجازت اس وقت تک ہرگز نہ دیتا جب تک ملک العادل عیسائیت نہ قبول کرتا، ان کی مخالفت کی بنا پر یہ مفید تجویز پوری نہ ہو سکی، بعض لوگون کی رائے ہے کہ جن صلیبی لڑائیون کا سلسلہ گیارہوین صدی سے تیرہوین صدی تک جاری رہا، وہ یورپ کی ترقی کا ذریعہ ثابت ہوئین، اس ترقی کی ابتدا نیچے طبقون، کاشتکارون اور عوام سے ہوئی تھی، جن کو پیٹر راہب نے صلیب کے علم کے نیچے جمع کرکے ان کی فوج مرتب کی تھی، پوری تین صدی جنگ صلیبی جاری رہی، تیرہوین صدی مین اسکا خاتمہ ہوا، یہ پورا زمانہ "دور ایمانی" کہلاتا ہے، اس مین عیسائی یورپ کلیسا اور حکومتون کے حکم سے مذہبی عدالتون سے خالی رہا[1]

[1] یعنی وہ عدالتین جو عقائد کی جانچ پڑتال کے لیے قائم تھین، اور بدعقیدہ عیسائیون کو سزا دیتی تھین، مگر عیسائی دنیا مین صلیبی جہاد کی شرکت ایک ایسا فریضہ تھا جسکے بعد کسی عمل کی ضرورت باقی نہ رہجاتی تھی، اسلیے اس مدت مین مذہبی عدالتین بھی ختم کر دی گئی تھین۔

تاریخ عالم مین ہے کہ "صلیبی لڑائیون سے یورپ کو یہ فوائد حاصل ہوئے کہ کاشتکارون کو جاگیرداروں کی غلامی سے نجات ملی (کلیسا کی حکومت کے بجائے) دنیاوی حکومت کے اقتدار کو تقویت پہنچی، جاگیرداری نظام مین اصلاح اور غنائی شاعری کی اشاعت ہوئی، اٹلی کا ملک دولت مند ہوگیا، مذہب کی قوت اور پاپائیت کا اقتدار کمزور پڑگیا سب سے بڑا فائدہ یہ پہنچا کہ دولت امرا اور عمائد سے نکل کر متوسط طبقہ کے ہاتھون مین پہنچ گئی، اور امرا کو جاگیرین بیچ دینا پڑین، جن کو محنت کش اور تجارت پیشہ طبقہ نے خرید لیا،

میتھو کا بیان ہے کہ تیرھوین صدی مین نارمن اور شمالی یورپ کی تمام وحشی قومون مین دہقانیت عام تھی، اس سے جنگ صلیبی مین بڑی مدد ملی، مگر جب سولھوین صدی مین جدید تہذیب کی ابتدا ہوئی اور بادشاہون مین پھیلی تو وہ وطن چھوڑکر مسافرت کی بدویانہ زندگی کو ناپسند کرنے لگے، ان کے ساتھ ان کی قوم بھی اس کو برا سمجھنے لگی، پھر جب صنعت و حرفت پھیلی اور زراعت مین ترقی اور علوم و فنون کی اشاعت ہونے لگی، اور یورپ کے ہر شہر، ہر خاندان اور ہر ملک، و قوم کی خصوصیات اور ان کے القاب و امتیازات کا شہرہ ہونے لگا، ان کو حقوق و مراعات حاصل ہوگئے، اور اس مین آیندہ ترقی کی امیدین قائم ہوئین تو اس سے اہل یورپ کے اخلاق مین بڑا انقلاب پیدا ہوگیا، اور ان مین بدویانہ سیروسیاحت کی زندگی کا جو میلان تھا وہ بدل گیا، اور اس کو انھون نے وطن سے تعلق کا ذریعہ بنا لیا، اس کے بعد کی صدی مین جہازرانی کی ترقی سے امریکہ کا انکشاف ہوا اور جہازران کیپ آف گڈ ہوپ سے بھی آگے تک پہنچ گئے، اس انکشاف سے تجارتی دنیا مین ایک انقلاب پیدا ہوگیا، اور افکار و خیالات نے ایک نیا رخ اختیار کیا، اور وہ صنعتی تجارتی کمپنیان جو جنگ صلیبی کے زمانہ مین قائم ہوئی تھین امریکہ اور شرق اقصیٰ

کا رخ کرنے لگیں اور اہل یورپ کے لیے بڑے بڑے ملکوں اور دولت مند خطوں کے دروازے کھل گئے، یہ خطے ان کی حرص وطمع پوری کرتے تھے، اور حصول جاہ وثروت اور جہانگیری کی بھوک کی آگ بجھاتے تھے، اس سے نئی دنیا کے حالات مشرق کے عجائبات سے مانوس ہوئے،

یہ وہ فوائد ہیں جو صلیبیوں کو سرزمین شام میں مسلمانوں سے جنگ کرنے اور مسلمانوں کو اپنے وطن میں بیرونی حملہ آوروں سے حاصل ہوئے مگر اسی کیساتھ یہ نقصان بھی ہوا کہ صلیبیوں نے اس منحوس لڑائی کی آگ بھڑکا کر خود اپنے اور دوسروں کے اوپر بڑا ظلم کیا، مذہبی پیشواؤں کے بھڑکانے سے ان میں ایسا جوش وجنون پیدا ہوگیا کہ انھوں نے ان کے ساتھ اپنے کو بھی ہلاکت میں ڈالا اور دوسروں کے ملک میں گھس کر ناکردہ گناہوں کو قتل کیا اور انسانی قوانین کو پامال کرکے اپنے بہادروں کی شہرت پر بٹہ لگایا، اور اپنی عزت اور آبرو کھوئی، ان طویل لڑائیوں کے نتائج فریقین کے حق میں جیسے بھی ظاہر ہوئے ہوں مگر ان سے جو مادی نقصانات پہنچے ان کا اندازہ لگانا مشکل ہے، اس میں شبہہ نہیں کہ اس جنگ میں صلیبیوں نے عربوں کی تہذیب کی بہت سی چیزیں سیکھیں، مگر ان کو وہ بہی اور دوسروں کی ہزاروں جانیں کھوئے بغیر اندلس اور سسلی کے عربی تمدن سے بھی سیکھ سکتے تھے، صلیبی مجاہدین نے اپنے وطن واپس جانے کے بعد اپنے ہم وطنوں پر اس جنگ کے داعی ارباب کلیسا کے اس پروپیگنڈے کے خلاف کہ "مسلمان بت پرست ہیں اور ارض مقدس پر قبضہ کرکے انھوں نے مذہب توحید (عیسائیت) اور ہر فضیلت وخوبی کا خاتمہ کردیا ہے، وہ مطلق وحشی اور درندے ہیں"، اصل حقیقت ظاہر کی کہ مسلمان موحد اور صاحب مذہب ہیں، اور ان میں مروت، دوستی، وفاداری وغیرہ تمام فضائل

اخلاق موجود ہین،

اس مصیبت عظمیٰ اور اندوہناک حادثہ مین مسلمان خدا کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے اور اس کے فیصلہ پر راضی رہے، اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے انھون نے سستی اور غفلت چھوڑ دی اور تمام لغویات سے کنارہ کش ہو کر سنجیدگی اور متانت اور عملی جد و جہد کو اپنا شعار بنایا، اور خدا کی راہ مین ان کو جو تکلیفین پہنچین ان سے وہ کمزور نہین ہوئے۔

پندرہوان باب

عربی تہذیب و تمدن پر مغلون اور ترکون کی یورش

اسلامی ملکون کی تہذیب

عباسی خلافت سے بعض امراء کے آزاد ہو جانے کی وجہ سے اگرچہ مسلمانون کی مرکزیت کو نقصان پہنچا، اس آزادی و استقلال کی جو نوعیت بھی رہی ہو، مگر اس سے اسلامی ملکون کی تہذیب کو بڑا فائدہ پہنچا، اور عربی تمدن کی اشاعت اور اس کے استحکام مین بڑی مدد ملی، مثلاً افریقہ مین بنی اغلب، مصر مین بنی طولون اور بنی عبید، بخارا مین بنی سامان، شیراز مین بنی بویہ، غزنہ مین بنی سبکتگین وغیرہ نے عباسی خلافت کے نہج پر اپنی حکومت کا ڈھانچہ بنایا، اور ان مین سے ہر پایہ تخت اپنے نظام اور علمی حیثیت مین ایک چھوٹا بغداد بن گیا۔

اسلامی ملکون کے بہت سے پایہ تخت مثلاً قیروان، فسطاط، دمشق، بخارا، سمرقند، بلخ، ہرات، اصفہان، رے، مرو، نیشاپور، شیراز، مراغہ، ہمدان، خوارزم، سیستان، جرجان، طبرستان، قزوین، جوین، بست، سرخس، بیہق، اشروسنہ، فرغانہ، صغد، چاچ، اور طوس وغیرہ علمی حرکت اور ترقی کی مثال اور نمونہ بن گئے، اس کی بنیاد امویون نے رکھی تھی، اور بنی عباس نے ان کی پیروی کر کے اس کو بہت آگے بڑھا دیا، ان مین ہر ملک کے علوم و فنون نے مقامی حالات کے مطابق شکل اختیار کی، اور مختلف

شہرون مین ایک نئے رنگ کی تہذیب پیدا ہوئی، اور تہذیب کے اس تنوع کے ساتھ ان مین کا ہر شہر علم وحکمت کا مرکز بن گیا، جس مین مختلف علوم وفنون کی تعلیم عربی زبان مین ہوتی تھی، اس طریقہ سے ترک، ایرانی اور خزر وغیرہ کا قدم عربی کیجانب بڑھتا گیا،

دوسری طرف مغرب کے بربرون نے تاہرت، سجلماسہ، تلمسان، ریف، فاس اور مکناس وغیرہ مین بزور شمشیر حکومتین قائم کین تھین، اور اندلس پر حاوی ہوگئے تھے، مگر وہ اہل اندلس کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئے، اور ان کو تباہ وبرباد کیا، انھون نے اس کا بدلہ لیا، اس لیے بربر کو تہذیب راس نہیں آئی، اور ان مین مغلون، اور ایرانیون کی طرح اسلامی تہذیب کو قبول کرنے کی صلاحیت نہین تھی، بلکہ انھون نے الٹے اس کو نقصان پہنچایا، اور صنہاجہ جن مین مرابطین بھی تھے، عیش وتنعم مین اس قدر غرق ہوگئے کہ اپنے شمالی افریقہ کے اسلاف فندالیون کی طرح تباہ وبرباد ہوگئے،

مقدسی چوتھی صدی ہجری مین رے کے اوصاف مین لکھتا ہے کہ "یہان علمی مجلسین مدارس، ذہانت وطباعی، صنعت وحرفت، دقت نظر، دوربینی، مکارم اخلاق، اور بہت سی خصوصیات ہین، وہان کا کوئی واعظ تفقہ سے، کوئی رئیس علم سے، کوئی محتسب شہرت سے اور کوئی خطیب ادب سے خالی نہین ہے، وہ امہات البلاد اور اسلام کے قابل فخر شہرون مین ہے، وہان بڑے بڑے قاری، ائمہ، عباد وزہاد اور مجاہدین وغزاۃ ہین، شیراز مین عضد الدولہ کے ایک محل کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے" اس مین تین سو ساٹھ کمرے ہین، عضد الدولہ سال کے ہر دن ایک ایک کمرہ مین بیٹھتا ہے، اس کے کتب خانہ کے انتظام کے لیے شہر کے ثقہ لوگون مین سے ایک وکیل، ایک خزانہ دار اور ایک نگران ہوتا تھا، اس زمانہ تک مختلف علوم وفنون مین جتنی کتابین تصنیف ہو چکی تھین، سب اس

کتب خانہ مین موجود تھین، اس کی عمارت ایک بلند اور طویل چبوترے پر تھی، کتب خانہ مین ہر سمت کتابین تھین، عمارت کی دیوارون سے ملی ہوئی بڑے بڑے خانے کی الماریان تھین، جن کے پٹ اُوپر سے بند ہوتے تھے، ان مین ترتیب سے کتابین چنی ہوئی تھین، ہر فن کی کتابین الگ الگ الماریون مین تھین، اور ان کی علٰحدہ علٰحدہ فہرستین تھین، جن مین کتابون کے نام درج تھے، عضدالدولہ علم اور علمار کا بڑا قدردان تھا، اس لیے ہر شہر کے علماء کھنچ کر اس کے پاس جمع ہو گئے تھے، اور اس کے لیے انھون نے کتابین لکھین، عضدالدولہ ان فرمانرواؤن مین نہین تھا جو اپنے قصور و محلات کی تعمیر کے لیے دوسرے ملکون کو ویران کرتے ہین، بلکہ نہایت عاقل، ہوشمند، فاضل، مدبر اور ہیبت و جبروت کا حکمران تھا، اس کا باپ رکن الدولہ تھا، اس نے پورے چوالیس سال تک حکومت کی، اس مین ساری بھلائیان جمع تھین، اور وہ دین و دنیا دونون مین کامیاب رہا،

سامانیون کے زمانہ مین سمرقند اور بخارا علم کے مرکز تھے، اور ان کا پایہ تخت علم و فن مین قریب قریب عباسیون کے پایہ تخت کے ہم سر تھا، مورخین کا بیان ہے کہ "سامانی حکومت کے زمانہ مین بخارا مجد و شرف کا مرجع، ملک کا کعبہ، ناموران زمانہ کا اجتماع گاہ، آسمان ادب کے ستارون کا مطلع اور بڑے بڑے فضلار کی بہار تھا، اور مراغہ مین ساتوین صدی تک بڑی بڑی عمارتین، مدارس، اور اعلیٰ درجہ کی خانقاہین تھین، اور ادبار و شعرا، محدثین و فقہار کا مجمع تھا، یہی حال ہمدان کا تھا، اور اس زمانہ تک جب تک تیمور نے اسکو تباہ نہین کیا، وہ سلاطین کا مرکز اور علما و دیندار لوگون کی کان رہا"۔ محمود نے اپنے پایہ تخت غزنہ مین ایسی ایسی عمارتین تعمیر کی تھین جو عجائبات مین شمار ہوتی تھین، اسکے دربار مین شعراء و علمار کا بڑا مجمع تھا، ان مین بیرونی جیسا دنیاے قدیم کے علما، کا سرتاج

اور تاریخ اسلام کا سب سے بڑا ریاضی دان، فردوسی جیسا شاعر، عتبی جیسا کاتب اور اسی درجہ کے بہت سے مغنی اور شعرا موجود تھے، [1]

ہم ان تمام پایہ تختون کے اوصاف وخصوصیات، ان کے تفصیلی حالات اور ان کے علما، وارباب کمال کے علمی وعملی ایجادات اور کارنامون کی تفصیلات تحریر نہین کرسکتے اس کے لیے کئی ضخیم جلدون کی ضرورت ہوگی یہی حال بصرہ، کوفہ، بغداد، سامرہ، واسط مراغہ، شیراز، قصر ابن ہبیرہ، عسکر مکرم، اردبیل، سرخس، سمرقند، بیکند، بوزجان، سامان، شہرستان، دہستان، اذنہ، مصیصہ، سلمیہ، فسطاط، قطائع، مسیلہ، بطلیوس، قسطیلہ مریہ، اور زہرا، وغیرہ شہرون کا تھا، جو عربون نے بسائے یا تباہ شدہ دوبارہ آباد کیے تھے، ہمارا مقصد صرف پایہ تختون اور مرکزی شہرون مین اس ترقی یافتہ تہذیب کی ایک جھلک دکھانا ہے، جس کا اندازہ صرف ایک شہر مرو کی تصویر سے ہوسکتا ہے، خراسان پر عربون کے ابتدائی قبضہ کے زمانہ سے مرو، نیشاپور اور بخارا خراسان کے والیون کا مستقر تھے، جن مین دس بڑے موقوفہ کتب خانے تھے، یاقوت کا بیان ہے کہ "اتنی تعداد مین اور اتنی عمدہ کتابین دنیا کے کسی کتب خانے مین نہین تھین، ان مین کوئی شہر، مدرسون، کتب خانون اور علم وعلماء کی جماعت سے خالی نہین تھا، بلکہ بہت سے گاؤن تک اس خصوصیت مین چھوٹے پیمانہ پر بڑے شہرون کے مشابہ تھے، اور یہ حالت ساتوین صدی تک رہی، اس کے بعد جب دنیا کے سب سے بڑے فاتح اور روے زمین کے سب سے زیادہ ہلاکت آفرین انسان چنگیز کی زیر قیادت وحشی منگولون نے اسلامی ملکون پر یورش کی تو سارے علاقون اور شہرون کو زیر وزبر کر ڈالا، جس کا مقصد

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام،

صرف تباہی و بربادی تھا، اسلام پر اتنی بڑی مصیبت کبھی نہین پڑی تھی، اسکی حکومت بحرِ چین سے لیکر بحرِ اسود تک پھیلی ہوئی تھی، اس نے ماوراء النہر، خوارزم، خراسان، ہرات، قندھار اور ملتان پر قبضہ کرکے اس کی پوری آبادی کو بلا امتیاز بوڑھے، بچے عورت و مرد سب کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا[1]، اور ان کی عمارتون کو مسمار کرکے زمین کے برابر کر دیا، اور بڑے بڑے شہر ایسے ویران ہوگئے کہ ان مین الو بولنے لگے اور غزنہ نیشاپور، بخارے اور سمرقند وغیرہ جیسے بڑے بڑے علمی مرکزون اور پایہ تختون مین عربون نے چھ صدیون کی جانکاہی مین جو کچھ پیدا کیا تھا، سب کو بالکل تباہ و برباد کر دیا، یہ شہر درحقیقت اسلام اور علم کے پایہ تخت تھے، اور ان مین جو علماء و فضلاء پیدا ہوئے انھون نے مخلوط عربی اور ایرانی تمدن کو درجہ کمال تک پہنچایا، مغلون نے ان تمام چیزون کو تباہ و برباد کر دیا، حتی کہ بعض بڑے شہرون کی پوری کی پوری آبادی بالکل صاف ہوگئی، اور ان مین خاک اڑنے لگی، اس تباہی مین بے شمار کتب خانے جلا کر خاکستر کر دیے گئے[2]، مدرسے ویران اور ملکی رصد گاہین مسمار کی گئین، اس لیے مسلمان علماء و حکماء کی بیشتر تصانیف کے ناپید ہونے کا سبب درحقیقت چنگیز اور اسکی اولاد کی لائی ہوئی تباہی تھی، اس کے بعد ہلاکو نے اسلام کے سب سے بڑے رکن پر ضرب لگائی اور مدینۃ السلام (بغداد) کو برباد کرکے اسلامی تمدن کے آخری قلعہ کو بھی مسمار کر دیا، اور ان علاقون مین ایک مدت تک دوبارہ اسلامی حکومت قائم نہ ہوسکی، کیونکہ ساتوین صدی کے شروع مین چنگیز، اس کے وسط مین ہلاکو، اور آٹھوین صدی کے آخر اور نوین صدی کے اول مین تیمور، اور دوسرے مغل سردار پیدا ہوئے اور جو ملک

[1] معجم البلدان یاقوت [2] قاموس الاعلام شمس الدین سامی

یا علاقہ مغلون کی پہلی تاخت سے بچ جاتا، اس کو دوسرا سردار اور جو دوسرے کے حملہ سے بچ جاتا تھا، اس کو تیسرا برباد کر دیتا تھا، غرض مشرق مین مغلون اور مغرب مین بربرون نے اسلامی تمدن کا خاتمہ کر دیا۔[1]

مغلون مین تمدن کی صلاحیت و استعداد

اگرچہ ترک تاتار اور ترکمان کے قبائل مختلف ہین، لیکن ان سب کی نسل ایک ہے، ان مین بعض بدوی اور خانہ بدوش تھے، اور بعض شہری جو شہرون اور آبادیون مین رہتے تھے، ان قبائل مین سب سے پہلے ترکون نے اسلام قبول کیا اور مغل اور تاتاری ایک عرصہ دراز تک اپنے پرانے مذہب پر قائم رہے، اور سلجوقی ترکون نے ایران، عراق، روم، کرمان اور شام مین سکونت اختیار کی، ان کے فرمانرواؤن مین ملکشاہ اور الپ ارسلان پہلے بادشاہون مین عدل و دینداری تھی، اور اس کے اکثر فرمانروا علم دوست تھے، خصوصاً ملکشاہ، سلطان محمد اور سنجر علماء کے ساتھ بڑے لطف و کرم کا برتاؤ کرتے تھے، اور ان کے زمانہ مین اسلامی شہرون نے بڑی نمایان ترقی کی، علم و تہذیب کی اشاعت ہوئی، علماء و ادباء پیدا ہوئے، اور اسلام نے ان کو مہذب و شایستہ بنا دیا اور ان کی فوج کے دلون مین رحم و شفقت کے جذبات پیدا کر دیے، اس لیے وہ ان افعال کے مرتکب نہین ہوئے، جن کی مغل ترک اور ان کی فوج مرتکب ہوئی تھی، جو اپنی پرانی وحشت و درندگی اور بت پرستی پر مدتون قائم رہے، ہوٹسما لکھتا ہے کہ مغل اور ترک کسی زمانہ مین بھی مذاہب کی جانب زیادہ متوجہ نہیں ہوئے، اور انکی فطرت مین مذہب سے وابستگی نہیں ہے۔[2]

چنگیز نے فارس مین طوس، نیشاپور، قزوین، اصفہان، شیراز اور مراغہ جیسے مرکز علم

---

[1] مقدمہ زبدۃ النصرہ عماد کاتب [2] ہوٹسما کی یہ رائے اور مصنف کی تائید دونون بداہۃً غلط ہیں۔ "م"

برباد کر دیے[1]، اور اس بربادی مین جو کمی رہ گئی تھی وہ اس کے بعد اس کے جانشینون نے پوری کر دی، ان کے مقابلہ مین سلجوقی سلاطین اور ان کے وزرا، جامع مسجدون، مدرسون، پلون اور سراؤن وغیرہ کی تعمیر مین ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتے تھے، ملکشاہ اگرچہ خود عالم نہین تھا، لیکن اس نے علم و فن کی جانب بڑی توجہ کی، ملکشاہ اور اس کے آدمیون کو اپنی حیثیت اور علم سے اپنی محرومی کا اندازہ تھا، اس لیے انھون نے ملک کا انتظام تمامتر اپنے وزیرون پر چھوڑ دیا تھا، مثلاً نظام الملک سلطنت کا مختار کل تھا، اور سلجوقیون نے چونکہ خود عربی ایرانی تمدن اختیار کر لیا تھا، اس لیے انھون نے اپنی قوم کو بھی اس کے استخفاف و تحقیر سے روکا، اور اس کو برباد کرنے سے بچایا، اسلام پر صلیبیون کی یورش کے زمانہ مین اس کے تحفظ مین سلجوقیون کے بڑے کارنامے ہین، انکے پرفخر کارنامون کے لیے یہ کافی ہے کہ مشہور زنگی خاندان اور نور الدین محمود جیسا نمونۂ عدل و انصاف فرمانروا سلجوقی امراءین سے تھا، اور نظام الملک جیسا علم دوست اور علماء نواز اس کا وزیر تھا،

اسی زمانہ مین جب مشرق قریب مین ایک چھوٹا سا گروہ مصر و شام جیسے اسلام کے مرکزی ملکون کی صلیبیون سے مدافعت کر رہا تھا، ان کے قلعے اور شہر برباد ہو رہے تھے، اور جامع مسجدین اور اسلامی نشانیان مٹائی جا رہی تھین، وسط ایشیا کے اسلامی علاقون مین چنگیز تباہی مچا ہوئے تھا، اور ابھی شام کا ملک جنگ صلیبی کی مدافعت ہی مین مشغول تھا کہ ہلاکو نے بغداد پہنچکر اس کو برباد کر دیا، اور خلیفہ مستعصم اور بڑے بڑے علماء و فقہاء اور ارکین و عمائد کو قتل کیا، اور چالیس دن تک دار السلام مین قتل عام

[1] مقدمات تاریخیہ جلال نوری۔

برپا رہا،[1] اور تاتاری لوگون کو طرح طرح کی اذیتین دیکر ان کا مال و متاع نکلواتے رہے، اور اس عروس البلاد کا بڑا حصہ نذر آتش کر ڈالا، بچون اور ان لوگون کو چھوڑ کر جو تہ خانون مین گھس کر اور نہرون اور تالابون مین ڈوب کر مرے، عام مقتولون کی تعداد آٹھ لاکھ سے زیادہ تھی، ہلاکو نے خلفار کی قبرین تک کھدوا ڈالین اور ان کی ہڈیان نکلوا کر جلا دین گھوڑے کے اصطبل اور مویشیون کے چارہ خانے اینٹون کے بجائے کتابون کی جلدون سے بنائے گئے، یہانتک روایت بیان کی جاتی ہے کہ دجلہ مین اتنی کتابین پھینکی گئیں کہ اس کے پانی کا رنگ بدل گیا، اور کتابون کو پاٹ کر دجلہ مین تین پل بنائے گئے، یہ صرف ایک شہر کا حال تھا، یہی بربادی انھون نے ہر اس شہر مین برپا کی جہان ان کے قدم پہنچے تھے، انھون نے بغداد، شام، اور جزیرہ مین جو کتابین لوٹی تھین، ان سے مراغہ مین کتابون کے انبار لگ گئے تھے، اور وہان چار لاکھ سے زیادہ کتابین جمع ہو گئی تھین[2]

خلافت بغداد کی تباہی مین سب سے بڑا ہاتھ شیعون کا تھا، انھون نے مسلمانون کے مقابلہ مین ہلاکو کے دادا چنگیز کی بھی مدد کی تھی، اور جب ہلاکو نے خراسان، عراق اور شام کا رخ کیا تو اس کی بھی انھون نے مدد کی، ابن تیمیہ کا بیان ہے کہ خلیفہ مستعصم کا شیعی وزیر علقمی خلیفہ اور مسلمانون کو برابر دھوکا دیتا رہا، اور اسلامی فوج کی تنخواہین روکنے اور اس کو کمزور کرنے کی کوشش کرتا رہا، اور عام مسلمانون کو تاتاریون کے مقابلہ کرنے سے روکتا رہا، اور اس قسم کے طرح طرح کے فریب کرتا رہا، یہانتک کہ تاتاریون نے بغداد مین داخل ہو کر لاکھون مسلمانون کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا، اسلامی تاریخ مین

[1] الحوادث الجامعہ والتجارب النافعہ فی المائۃ السابعہ لابن فوطی [2] فوات الوفیات کتبی،

مسلمانوں کے ساتھ کافر تاتاریوں کے اس دردناک حادثہ سے زیادہ دردناک کوئی واقعہ نہیں ہوا۔[1]

ساتویں صدی کے آخر ۶۹۹ھ مین غازان تاتاری شام فتح کرنے کی غرض سے نکلا، یہ تبریز کے ایلخانی فرمانرداؤں سے پہلے اسلام قبول کر چکا تھا، مگر اس نے بھی شام مین بڑی تباہی مچائی، شہروں کو ویران اور نذر آتش کیا، اور مال و متاع حاصل کرنے کے لیے لوگوں کو طرح طرح کی اذیتیں دین، اور دمشق کا ایک اہم حصہ جلا کر برباد کر دیا، جس مین بعض بڑے بڑے مدرسے اور جامع مسجدین تھین، اس نے دمشق سے چھتیس لاکھ اشرفیان وصول کین، اس کے وزراء و امراء نے جو کچھ وصول کیا اور جو رشوتین لین وہ اس کے علاوہ تھا، اس نے شام و مصر کے فرمانرواؤن سے اس دلیل پر جنگ کی تھی کہ وہ مذہب کے راستہ سے ہٹ گئے ہین، اور ان مین عہد و پیمان کی پابندی نہین ہے، اور وہ رعایا پر ظلم و زیادتی اور ان کے مال و متاع اور عورتون مین دست درازی کرتے ہین،

اس کے بعد نوین صدی کے آغاز مین تیمور نے بقیۃ السیف ملکوں کا قصہ پاک کرنے کے لیے اسلامی ملکون پر تاخت کی اور شام کے راستہ کے بہت سے شہرون کو ویران کر ڈالا، ان مین سب سے زیادہ اہم بغداد کی تباہی ہے، اس نے یہان کے باشندون کو تہ تیغ کیا، اس کے بڑے بڑے آثار کو مٹایا، عام آبادی کو ویران کیا، دمشق کا تہائی اور حلب کا ایک حصہ برباد کر ڈالا، اور ان دونوں شہرون کے مدرسون، جامع مسجدون اور کتب خانون کو تباہ کر دیا، دمشق پر جو دنیائے اسلام کا سب سے زیادہ متمول شہر تھا،

[1] منہاج السنۃ

اتنا تاوان لگایا کہ وہ بالکل مفلس و محتاج ہوگیا، تیمور پہلے نقد دولت اور اپنے فوجی افسروں اور سپاہیوں کی پسند کی چیزوں پر قبضہ کرتا، اس سے جو کچھ بچ رہتا تھا، اس مین آگ لگا دیتا تھا، دمشق کو لوٹنے کے بعد وہ یہاں سے بہت سے کاریگروں، اہل حرفہ اور ارباب فضل و کمال کو اپنے ساتھ لے گیا۔ اس نے اور اس کی فوج نے دمشق مین اتنا سامان لوٹا کہ باربرداری کے سامان کی کمی کی وجہ سے کل سامان نہ لے جاسکا، اور اس کو راستہ مین اس کثرت سے پھینکتا گیا کہ صحرا اور میدان کپڑون اور مختلف قسم کے سامانون کے بازار بن گئے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین نے اپنے خزانے معدنیات اور فلزات اگل دیے ہین،

اسی کے ساتھ دمشق کے ماہرون اور علما، و فضلا، اور اعیان و اشراف کی ایک جماعت بھی ساتھ لیتا گیا، اس کے امرا بھی اتنے فقہا، علما، حفاظ قرآن، صناع و اہل حرفہ اور لونڈی، غلام، عورتین، بچے اور لڑکیان ساتھ لے گئے کہ ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا صرف ایک پایہ تخت مین نہین بلکہ اکثر اسلامی پایہ تختون میں اس نے یہی کیا، اس کے باوجود تیمور اور چنگیز و ہلاکو کی لائی ہوئی تباہی مین کوئی نسبت نہین تھی، تیمور بہرحال کلمہ گو تھا اس لیے اس نے بہت سے اسلامی ملک چھوڑ بھی دیے تھے، اور اگرچہ دوسرے بڑے فاتحون کی طرح اس نے مفتوحہ ملکون کی دولت سمیٹی اور بڑی خونریزی کی، اس کے باوجود وہ علم دوست اور علما نواز تھا، اور دوسرے شہرون کو ویران کرکے اس نے جو کچھ حاصل کیا تھا، اس سے اپنے پایہ تخت سمرقند کو آباد اور آراستہ کیا، اور یہان بڑے بڑے مدرسے کتبخانے اور علم و فن کی نشر و اشاعت کے دوسرے وسائل قائم کیے۔

ابھی اسلامی ملکون کو مغرب کے صلیبیون اور مشرق کے مغلون کے مصائب سے نجات

لی تھی کہ دسوین صدی ہجری مین ترکی کا سلطان (سلطان سلیم) جو عثمانی سلاطین مین سب سے بڑا بادشاہ شمار کیا جاتا ہے، اٹھا اور ایران کے ایک حصہ اور پورے شام و مصر اور جزیرہ پر چھا گیا، لیکن اس کا مقصد مقبوضہ ملکون کو ویران کرنا نہیں، بلکہ ان کو علمی اور صنعتی و حرفتی ذخیرہ سے خالی کرنا تھا، چنانچہ عربی تمدن سے فائدہ اٹھانے اور اپنی زندگی کو اسکے سانچہ مین ڈھالنے کے لیے ایشیا اور افریقہ مین جو آباد علاقے باقی رہ گئے تھے، ان کے باقی ماندہ عربی تمدن کے عظیم الشان ورثہ کو اپنے یہان منتقل کرنا شروع کر دیا، اس زمانہ مین قسطنطنیہ مین تمامتر یونانی تمدن چھایا ہوا تھا، سلطان نے اس سے آزادی حاصل کرنے اسکو اسلامی رنگ پر لانے اور ایک نئے اور اسلامی ترکی تمدن کے ذریعہ قسطنطنیہ کو اسلامی دنیا کا مرکز نگاہ بنانے کیلیے باقی ماندہ عربی تمدن کے اسباب و وسائل کو منتقل کر دیا، اسوقت سے ترکون مین بت پرستی کی مخالفت شروع ہوئی، اور اسی نامور فاتح (سلطان سلیم) نے مصر سے مختلف علوم و فنون کی کتابون ان کے علما، صنعت و حرفت کے آلات اور صناعون کو قسطنطنیہ لیجا کر ان کی قدر دانی کی، اور ان جواہرات سے اسکو آراستہ کیا، اس وقت سے مصر کا عربی تمدن چھن گیا، مگر اس کے کچھ آثار باقی رہ گئے، جن کی مدد سے بری اور بحری ممالیک[1] کے دور حکومت میں دوبارہ پھر وہ اہم پایہ تخت بن گیا، اور اس کے تجارتی تعلقات مغرب سے مضبوط ہو گئے، اور انھون نے ایک نیا تمدن پیدا کیا، ان کے زمانہ مین تجارت کو بڑی ترقی ہوئی، سلطان سلیم اپنے ساتھ مصر سے اسلحہ، سنگ رخام چینی اور تانبے کے ستونون اور دوسرے نوادر اور ساز و سامان کے علاوہ ایک ہزار گاڑیاں سونے اور چاندی کی لے گیا تھا، اس نے یہان کوئی اچھی اور نادر چیز نہین چھوڑی، اس لیے پچاس سال تک مصر میں صنعت و حرفت کا بازار

[1] مصر کے غلام حکمران خاندان۔

بالکل سرد رہا اور آستانے کے کتب خانے اور قصور و محلات عربی ملکوں کی ان کتابوں سے جو ہلاکو اور تیمور کی تاخت سے بچ رہی تھیں معمور ہو گئے، مگر خود ترکوں میں ان کا ذوق کم تھا، اس لیے انھوں نے ان کو اپنے محلوں، جامع مسجدوں اور مدرسوں میں محدود کر دیا، جس کی وجہ سے عربی ملکوں کے ذہن سے عربوں کے ابتدائی علمی آثار محو ہو گئے، اس کے علاوہ ترکوں نے دوسرے علمی مرکزوں اور باقی شہروں کی عمارتوں کو بالکل نظر انداز کر دیا، اس لیے وہ برباد ہو گئیں، اور ان کا کوئی محافظ و نگراں باقی نہ رہ گیا تاتاریوں کی یہ قسم (ترک) بالکل طفیلی تھی، جو دوسروں کا خون چوس کر زندگی بسر کرتی تھی، اس طرح گویا قضا و قدر نے ایران و شام و مصر میں عربی تمدن کے آخری آثار کے خاتمہ کے لیے جو ان کا اصل مرکز اور ملجا و ماویٰ تھے، سلطان سلیم کو مامور کیا تھا،

ترکوں کے ہاتھوں ان کی پیشرو حکومتوں کے کاموں کی بربادی

ترکوں کے زمانہ میں عربی تمدن کو سب سے زیادہ نقصان اس سے پہنچا کہ انھوں نے مدارس کے تمام اوقاف اور ذرائع آمدنی پر قبضہ کر لیا اور ان کو بالکل بے سہارا چھوڑ دیا، خطط توفیقی میں ہے کہ ترکوں کے عہد میں تین صدیوں تک قاہرہ کے مدرسوں کے نگران ان کے اوقاف کی آمدنی کو مقاصد وقف کے خلاف صرف کرتے رہے، اور مدرسوں اور ان کے طلبہ اور ملازمین پر اس کا صرف بالکل بند کر دیا، اس سے بڑی شورش پیدا ہوئی اور درس و تدریس کا سلسلہ بالکل بند ہو گیا، مدرسوں کی کتابیں لوٹ لی گئیں، بہت سی بیچ دی گئیں، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض بڑے دار العلوم اور ان کی عمارتیں چھوٹے چھوٹے مکتب اور خانقاہیں بن گئیں، اور بعض بالکل ختم ہو گئیں، اور بعض مویشی خانہ وغیرہ کے کام آئیں۔

جس زمانہ میں ترکوں نے دمشق پر قبضہ کیا ہے، یہاں قرآن، حدیث اور مذاہب اربعہ

کی فقہ کے ایک سَو پچاس سے زیادہ مدرسے اور طب، ہندسہ کی تعلیم گاہین تھین،
زاویون، خانقاہون اور شفاخانون کی تعداد ان کے علاوہ تھی، مگر جب ترکون نے چار
عدیون کی حکومت کے بعد اس کو چھوڑا ہے، تو یہان صرف چند مدرسے باقی رہ گئے تھے؛
ان مین بھی تعلیم و تدریس کا معقول انتظام نہ تھا، دمشق کے علاوہ شام کے تمام بڑے بڑے
شہرون قدس، حماۃ، حمص، حلب اور طرابلس الشام وغیرہ مین بڑے بڑے مدارس تھے؛
ان سب کا انجام بھی یہی ہوا، یہ تمام مدارس، کتب خانے، آرام و راحت، ترغیب
و تشویق اور افادہ و استفادہ کے جملہ سامانون سے مکمل تھے، جو عراق کے خصوصاً موصل،
بصرہ اور بغداد وغیرہ مین عموماً ہوتے تھے، البتہ بغداد کا مدرسہ نظامیہ اور مدرسہ مستنصریہ
اس سے مستثنیٰ تھے، نظام الملک نے بغداد مین تنہا مدرسہ نظامیہ ہی نہین بنوایا تھا، بلکہ
فقہا کے دار العلوم اور علماء کے مدارس بھی بنوائے تھے، اور عابدون و زاہدون کیلیے
خانقاہین بھی تعمیر کی تھین اور ان کے اخراجات کے لیے اوقاف اور وثیقے اور طلبہ
کے وظائف اور جاگیرین مقرر کی تھین، اور یہ فیض پوری مملکت مین عام تھا، اور شام
کے سرے بیت المقدس سے لیکر پورے بالائی شام، دیار بکر، عراق عرب و عجم اور
خراسان کے تمام حصون مین دریاے جیحون کے پار سمرقند تک کے طویل و عریض علاقہ
مین کوئی ایسا صاحب علم، طالب علم اور خانقاہ نشین زاہد ایسا نہ تھا جو نظام الملک کی
فیاضی سے محروم رہا ہو، وہ اپنے ذاتی خزانہ سے چھ لاکھ سالانہ نقد اس کار خیر میں صرف
کرتا تھا، مدرسہ مستنصریہ کی جاگیر کی آمدنی جو نظام الملک نے اس کے مصارف کے لیے
مقرر کی تھی، ستر ہزار اشرفی سالانہ تھی، اس کی تمام موقوفہ جائدادون کی قیمت دس لاکھ
اشرفی تھی جو مذہب کی تعلیم پر وقف کی تھین، اسکے قائم کردہ تمام مدارس کے متعلق شفاخانے

اور طبی مدرسے بھی تھے، ان مدارس مین حیوانیات، نباتات، فلکیات، ریاضی کی مختلف شاخون، ادبی فنون، تاریخ، علوم قرآن اور حدیث وغیرہ جملہ علوم کی تعلیم ہوتی تھی یہی تعلیمی نظام عربی ملکون کے تمام مدارس کا تھا،

مسلمان سلاطین اور ان کی مخیر رعایا نے وجوہ خیر اور رفاہ عام کے کامون مین بڑا تفنن پیدا کیا تھا، انھون نے بہت سی ایسی عمارتین بنوائین جو مختلف حیثیتون سے آج کے اہل مغرب کے کامون کے مشابہ تھین، گوکبوری والی اربل کو جو ساتوین صدی مین تھا، اس قسم کے کامون مین خاص امتیاز حاصل تھا، اس نے اپاہجون اور اندھون کے لیے چار اقامت خانے بنوائے تھے، ان مین ان کی تمام ضروریات پوری کی جاتی تھین، ایک بیوہ خانہ، ایک یتیم خانہ، ایک اقامت خانۂ ناتوان بوڑھون کے لیے، ایک ان بچون کی پرورش کے لیے جن کے ماں باپ کا پتہ نہ ہو، قائم کیا، اور ان سب بیواؤن، یتیمون، بوڑھون اور بچون کی جملہ ضروریات حکومت کے خزانے سے پوری کیجاتی تھین، شیرخوار بچون کو دودھ پلانے کے لیے دایہ تک ملازم تھین، ان عجیب وغریب کار خیر کے آثار آج تک اسلامی ملکون مین باقی ہین، تارو برادہ ان کا بیان ہے کہ شہر مراکش مین ایک ایسی جائے پناہ ہے، جس مین چھ ہزار اندھے رہتے تھے، اور ان سب کے کھانے پینے اور تعلیم کا اس مین پورا انتظام ہے، اس کا خاص نظام اور قوانین ہین جس کے مطابق وہ زندگی بسر کرتے ہین،

سنہ ۹۲۲ھ مین جب عثمانی ترک پہلی مرتبہ شام مین داخل ہوئے، اس وقت زندگی کے تمام شعبون مین عربی تمدن ایک نمونہ اور مثال تھا، جس کی روشنی انھون نے گل اور اسکی قوت کمزور کر دی، اگر ایک شام ہی کا ملک ان کی حکومت سے بچارہ جاتا تو بھی ان کے ذریعہ عربی علاقون مین عربی تمدن کی روشنی پھیل سکتی تھی، اگر علوی حکومت کے زمانہ مین مصر ہی سے

اس کا الحاق ہو جاتا تب بھی تمدن کی ہم مین ان دونون بھائیون (مصر و شام) کو ایک دوسرے سے سہارا مل جاتا، اور عربیت کے یہ دونون منبع و مرکز یہان سے ترکون کے نکلنے کے وقت بڑے بڑے شہرون کے بجائے چھوٹے چھوٹے گاؤن نہ بن جاتے، ابھی ماضی قریب تک ترکون کے طفیل مین صنعا، مکہ، مدینہ، بصرہ، بغداد، موصل، حلب اور دمشق وغیرہ ایسے شہر تہذیبی تنزل اور جہالت مین مبتلا تھے، جسے دیکھکر آنسو نکل آتے تھے، ان مین ضعف کی تمام بیماریان پیدا ہو گئی تھین، ایسی حالت مین ان کی تمدنی صحت و توانائی کی کیا امید ہو سکتی ہے، مدنیت نام ہے راحت و سکون، سعی و عمل اور مسلسل غور و فکر کا، اور یہ تمام باتین ان تمام ملکون مین مفقود ہین۔

اگر ان مدارس پر غور کیا جائے جن کو بیرونی عجمی قومون نے مٹایا تو معلوم ہو گا کہ جہالت دور کرنے مین ان کا کتنا ہاتھ تھا، یہ ادارے اس ترقی کا مکمل نمونہ تھے، جہانتک اس زمانہ کی انسانی عقل پہنچ سکتی تھی، اور ان ہی کے ذریعہ ہمارے اسلاف نے قرون وسطیٰ مین یہ ثابت کر دکھایا تھا کہ وہ فن ہندسہ مین پوری دستگاہ رکھتے تھے، اور ان کو حسن مذاق سے وافر حصہ ملا تھا، ان مین حصول مجد و شرف کا بھی جذبہ تھا، یہ مدرسے زبان حال سے گویا تھے کہ بڑے بڑے کارنامے بہت سی عقلون کے غور و فکر کے بغیر تنہا انجام نہین پا سکتے، اگر مختلف علماے دین اور فضلاے ادب ان مین تعلیم نہ دیتے تو یہ مدرسے اور عمارتین کبھی آباد نہ ہو سکتین، اور اگر ان کا مرتب نظام نہ ہوتا تو وہ صدیون تک زندہ نہین رہ سکتے تھے، دنیا کے تمام بڑے کارنامون مین بڑے لوگون کی عقلین رہنما اور ان کی کوششین شامل رہی ہین۔

قرون وسطیٰ مین ہماری تمام بڑی درسگاہین دینی اثر سے پیدا ہوئین، اور دوسرے

تمدنی مسائل ان کے تابع ومحتاج رہے، اس زمانہ مین یورپ مین بھی یہی حال تھا، چنانچہ وہان کی کل تعلیم گاہین اور خانقاہین مذہب ہی کی پیداکردہ ہین اور علماے دین یا ان لوگون کی بنائی ہوئی ہین جو دینی طبقہ سے تقرب حاصل کرنا چاہتے تھے، یا پھر دین کے حامی ومددگار سلاطین وحکام کی یادگار ہین، پھر جب ترقی واصلاح کے دور مین یورپ نے قدیم نظام کے اثرات سے نجات حاصل کی اس وقت ان مذہبی ادارون کا دور ختم ہوا اور دینی درسگاہون نے بتدریج علمی شکل اختیار کی اور بعض درسگاہون مین بحث ونظر کے جدید طرز پر دینیات کی تعلیم ہونے لگی، اور یورپ کے پرانے بادشاہون نے رعایا کا خون چوس کر اپنے اور اپنے امرا اور آشناؤن کے لیے جو فلک نما محل بنائے تھے، وہ اس دور جدید مین عجائب خانے، عدالت اور تعلیم گاہ بنا دیے گئے، اس لیے اگر عربی ملکون کے قدیم مدرسون کو بھی ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو وہ زمانہ کے ساتھ علم وفن کی درسگاہ بن جاتے،

ایرانیون اور ترکون مین موازنہ

عربی تمدن کے زوال اور عربون مین علم وفن کے انحطاط کے یہ اسباب تھے، جو اوپر مذکور ہوئے، لیکن ایران، افغانستان، ہندوستان، ترکستان، اور قوقاز وغیرہ دوسرے اسلامی ملکون کے تمدن کا حال جو صدیون عربی تہذیب کا مرکز رہے ان ملکون سے عربی حکومت کے خاتمہ کے بعد عرب ملکون سے مختلف اور ان کے حکمرانون کے مذاق کے مطابق پست وبلند ہوتا رہا، مگر مذہب کی وجہ سے ان مین عربی اثرات ہمیشہ قائم رہے، اور آیندہ بھی رہین گے، خواہ ان کے انتہا پسند قوم پرست اپنی اسلام سے پہلے کی قومی خصوصیات کو واپس لانے کی کتنی ہی کوششین کیون نہ کرین جیسا کہ آج پہلوی ایرانی اور کمالی ترک کر رہے ہین، اور وہ ایک ایسی جدید تہذیب بنانا چاہتے ہین؛

جس کی روح اسلام سے پہلے کی ایرانی اور تورانی ہو اور اس پر مغربی تمدن کی ملع کاری ہو، ان دونون قومون کے اس جدید نظام کے نتائج کا فیصلہ زمانہ کے ہاتھون مین ہے،

اسلام کی گذشتہ تاریخ مین ایرانیون نے تو یہ ثابت کر دیا تھا کہ ان مین علوم و آداب کو قبول کرنے اور اس کا نمونہ بننے کی پوری صلاحیت ہے، اور ان مین ایسے ایسے لوگ پیدا ہوئے جو حکمران طبقہ کے ساتھ بالکل مل جل گئے، اور عرب سوسائٹی کو فائدہ پہنچایا، لیکن ترک قبول اسلام کے بعد ایرانیون کی طرح اپنی علمی و صنعتی استعداد کا کوئی ثبوت نہ دے سکے، اگرچہ علماء و محققین اس کی شہادت دیتے ہین کہ ان مین فوجی اہلیت اور اس کی ذمہ داریون کو سنبھالنے کی پوری استعداد اور حکمرانی کا بھی ان مین کسی قدر سلیقہ ہے، اور بعض عثمانی سلاطین نے ان کو جہالت کی تاریکی سے نکالنے کے بھی کچھ وسائل اختیار کیے اور ان کے سب سے بڑے فرماں روا سلطان محمد فاتح نے اس کی کوشش کی کہ اپنے دار السلطنت مین ایسے علمی مرکز بنائے جن کے ذریعہ وہ کم سے کم مصر و شام کی مملوک حکومت کا اس میدان مین مقابلہ کر سکے، اور اس کے لیے اس نے بڑی کوشش کی، اور مختلف اسلامی ملکون کے علماء کو بلا کر ان کے وظیفے اور تنخواہین مقرر کین، اور مختلف طریقون سے ان کی قدر افزائی کی، ان مین ماوراء النہر کے اس زمانہ کے مشہور عالم علاء الدین بن محمد قوشجی بھی تھے، سلطان نے ان کو مع انکے شاگردون کے بلا کر اپنے ملک مین آباد کیا، اور ایا صوفیہ کا مدرسہ ان کے حوالہ کر دیا، مگر ترکون مین یہ دستور چلا آتا ہے کہ ایک فرماں روا کے بعد اس کے سارے کام بھی ختم ہو جاتے

ہیں، اور ہر نیا حکمران اپنی فہم و بصیرت کے مطابق حکمرانی کے طریقے بدلتا رہتا ہے، بلکہ کبھی نیا بادشاہ اپنے پیشرو کے کارناموں کو خواہ اسکا باپ ہی کیوں نہ ہو، حسد کی بنا پر ختم یا کم از کم ان کی رفتار مین سستی پیدا کر دیتا ہے، اس لیے علامہ قوشجی نے سلطان محمد کے زمانہ مین جو بنیاد ڈالی تھی وہ اس کے بعد کمزور پڑ گئی اور گذشتہ زمانون مین آستانہ، اناطول اور روملی وغیرہ کے تمام مدارس تعلیمی انحطاط کا نمونہ بن گئے۔ ان مین صرف اسی قدر روشنی تھی، جو مذہبی امور کی انجام دہی کے لیے معمولی درجہ کے ملا پیدا کر سکے، ان مین شاذ و نادر ہی کوئی قابل ذکر عالم پیدا ہوا، عالم ہونے کے لیے اتنا کافی تھا کہ وہ پرانے علوم کو نقل، ان کا خلاصہ اور ان کو جمع کر سکے اور اس مین بھی ذہنی عجمی رکاکت نمایان ہوتی تھی، ایرانی مصنفین کی عربی تصانیف کے برعکس ان کی تصانیف مین ایسا ابہام ہوتا تھا، جن کے رموز اور معمے ناقابل حل ہوتے تھے، اس کے باوجود عثمانی ترک اس کے لیے قابل شکر سمجھے جاتے ہین کہ انھون نے دوسری اسلامی حکومتوں کی طرح اپنے دور کے بڑے حصہ مین عربی زبان مین دینی تعلیم کیجانب توجہ کرنے مین کبھی غفلت نہین کی،

یہ دینی علوم مین ان کا حال تھا، مادی علوم مین خود ترک اور یورپین مصنفین کے بیان کے مطابق ان کا کارنامہ یہ ہے کہ انھون نے بیزنطینی علماء کو اپنے یہان سے نکالدیا جن کے ذریعہ اٹلی مین ترقی اور جدید تہذیب کی بنیاد پڑی، اس سے کوئی شخص انکار نہین کر سکتا کہ ترکون ہی نے آستانہ سے جدید تہذیب کی تعمیر کا سامان یورپ پہنچایا تھا اور یورپ نے اپنے موجودہ علوم کے لیے ان بیزنطینی علماء کا مرہون منت ہے، جو قسطنطنیہ پر ترکون کے قبضہ کے بعد اٹلی ہجرت کر گئے تھے، مثلاً نیادیس، ساریون، یورگی، طربوزونی، سکارڈیس، فرانجس اور مجال ووکا وغیرہ[1]

[1] تاریخ تمدنیات جلال نوری

جس قوم مین ترقی کی صلاحیت نہ ہو اس کو ابھارنے کی کتنی ہی تدبیر کیجائے اس کا بہت کم اثر ہوتا ہے، چنانچہ خود ترک علما کو اس کا اعتراف ہے کہ ان مین ابن رشد کے پایہ کا کوئی فلسفی پیدا ہو سکا،[1] اس مصنف نے نہایت جرأت و آزادی سے یہ لکھدیا کہ ترکون مین کوئی بڑا آدمی اور اس درجہ کا کوئی مصنف نہین پیدا ہوا، جیسے مصنفین عربون مین ان کے دور ترقی مین پیدا ہوئے، اور پورے چھ سو سال حکومت کرنے کے بعد بھی ترک اپنے پرانے اخلاق و عادات کو نہین چھوڑ سکے، شہاب الدین کا بیان ہے کہ شروع مین والی قرمان کے حدود مملکت مین ترکون کی ایک مختصر جماعت جو مویشی اور بکریان چراتی تھی اتری تھی، جب اس نے اس علاقہ پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لی، تو پھر اس کو وسعت دیکر اپنی قدیم تہذیب کے دائرہ کو بڑھایا اور اس کے ملبہ پر ایک عظیم الشان شہنشاہی قائم کی، اس وقت بھی انھون نے اپنے پرانے خصائل نہین چھوڑے اور ان مین چرواہون ہی کے جیسے اخلاق قائم رہے، چنانچہ وہ انسانون کو بھی جانور سمجھتے تھے اور جس طرح چاہتے تھے، ان کو ہانکتے تھے، اور ان کے دودھ، اون بلکہ گوشت و پوست تک کو اپنے کام مین لاتے تھے، لیکن بکریون کی چرواہی انسانون کی چرواہی سے مختلف ہے اور اس ذہنیت کے ساتھ کوئی قابلِ ذکر تہذیب قائم نہین ہو سکتی، یہ تھی ترکون کی وہ قوم جس کے متعلق قانون رجعت نے یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ خواہ ان کی کتنے ہی پشتین جدید بزنطینیہ مین گذر جائین، مگر ان کے خون مین کوئی تبدیلی نہ ہو گی۔[2]

[1] تاریخ تمدنیات جلال نوری [2] ترکون کے بارہ مین یہ رائے بہت سخت ہے، اس مین شبہہ نہین کہ ترک عربون کے مقابلہ مین ہمیشہ غیر مہذب رہے، اور انھون نے عربون کو نقصان بھی بہت پہنچایا، مگر اس سے انکار نہین کیا جاسکتا کہ عیسائی دنیا کے مقابلہ مین انھون نے اسلام کی بڑی خدمت کی اور اسکا جھنڈا انھون نے ہمیشہ بلند رکھا جو انکی بہت بڑی فضیلت ہے۔ (م)

ترک وتاتار کے بارہ مین لیبان کی رائے

جن ملکون پر صدیون ترکون نے حکومت کی، ان مین مسلسل تنزل وانحطاط ہی ہوتا رہا، اور انھون نے ان کو اسی حالت مین چھوڑا، جب وہ بیل گاڑیون مین چڑھ کر پہلی مرتبہ یہان آئے تھے، مثلاً رومیلی کا علاقہ، جب وہ کوئی شہر فتح کرتے تھے تو حمام پہلے بنواتے تھے، اور جامع مسجدین بعد مین اور مدرسون کے قیام کی نوبت تو کہیں جا کر برسون بعد میں آتی تھی، اور وہ بھی مختلف اسباب کی بنا پر مثلاً بعض صاحب وجاہت عمال اپنی دولت کو جو ظلم وزیادتی سے حاصل کرتے تھے، حکومت کی ضبطی سے بچانے کے لیے مدرسے بنوا دیتے تھے، یا پرانے مدرسون کو توڑ کر ان کی جگہ نئے مدرسے قائم کر دیتے، ان کو تعمیر سے زیادہ تخریب سے دلچسپی تھی" اس قسم کے مدرسے جن کا اندازہ اس دور کے مصر کے مدرسون سے ہو سکتا ہے کسی قابل نہ تھے" لیبان نے ترکون کے تمدنی کارنامون کا صحیح اندازہ کرکے یہ لکھا ہے کہ

عربون کے بعد ترک مشرقی ملکون کے بڑے حصہ پر قابض ہوگئے، مثلاً مصر وغیرہ، اگر سیاسی حیثیت سے ترکون پر نظر ڈالی جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ انکا ایک باعظمت دور رہا ہے، ان ہی کے سلاطین قسطنطنیہ کی قدیم شہنشاہی کے جانشین ہوئے، اور ایا صوفیہ کے گرجے پر اسلام کا پرچم لہرایا اور ایک زمانہ دراز تک یورپ کے بڑے بڑے مغرور بادشاہون کو اپنی قوت وسطوت سے مرعوب کیے رکھا اور اسلام کی بڑی اشاعت کی، اور باوجودیکہ ان کے سلاطین ہمیشہ محض فوجی رہے، مگر انھوں نے ایک عظیم الشان حکومت کے قیام کی صلاحیت کا بھی پورا ثبوت دیا، لیکن اپنے پورے دور مین اپنی کوئی تہذیب نہ پیدا کر سکے اور ان کا مقصد ہمیشہ اپنے محکومون سے جلب منفعت ہی رہا، انھون نے عربون سے علم وفن، صنعت وحرفت وغیرہ سب چھین لین اس کے

باوجود وہ علوم وفنون بھی جن مین عربون کا درجہ بہت نمایان تھا، ترکون کی ترقی
مین اثر انداز نہ ہو سکے اور جو قوم ترقی نہین کرتی وہ فطری طور سے زوال پذیر ہوجاتی
ہے، اس لیے ترکون کے انحطاط کا زمانہ بہت جلد آگیا، مشرق مین عربی تہذیب کا خاتمہ اسوقت
ہوا جب عربون کی جنگی قوت ان کے ہاتھون سے نکل کر دوسری قومون کے ہاتھوین
مین چلی گئی، لیکن ان کے مذہبی اثرات کی وجہ سے ان کا نام تاریخ نے ہمیشہ یاد رکھا،
مگر وہ تہذیب کے جس درجہ پر پہنچ چکے تھے، اس کو ان کے جانشین قائم نہ رکھ سکے،
اور اس انحطاط مین سب سے زیادہ مصر مبتلا ہوا، اور اس کی ابتدا مصر پر سلطان سلیم
کے قبضہ کے زمانہ مین اس وقت سے ہوئی جب وہ عثمانی سلطنت کا ایک صوبہ
بنا دیا گیا، اس وقت سے اس کے علوم وفنون اور صنعت وحرفت وغیرہ بتدریج
گھٹنے لگی، اور مصر بھی ان صوبون کی طرح ہوگیا جو آستانہ کے ماتحت تھے، اور جنکا
انتظام ایسے صوبہ دارون کے ہاتھون مین تھا جو آئے دن بدلتے رہتے تھے، اور
جن کے پیش نظر صرف دولت سمیٹنا ہوتا تھا، اس سے ان ملکون کی پرانی رونق جاتی
رہی اور ان مین کوئی چھوٹے سے چھوٹا نیا کارخانہ تک قائم نہ ہوسکا اور پرانے کارخانے
بھی بیکسی کی حالت مین چھوڑ دیے گئے، ان کا کوئی نگران نہ رہ گیا، اور ان مین صرف
وہ کارخانے باقی رہ سکے جن کو زمانہ نہ مٹا سکا، وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ بعض رعایا کے اخلاق
اس کے حاکمون سے زیادہ ترقی یافتہ ہوتے ہین، ترکی قوم فوجی کامون کے لیے پیدا
کی گئی ہے اور اس مین کوئی دوسری قوم اس کی ہمسری نہیں کرسکتی، لیکن ان کا ملک
بالکل ویران اور اس کی آبادی ایسے عناصر پر مشتمل ہے جن مین سب سے زیادہ پست و
ذلیل حالت مین خود ترک ہین، یا وہ لوگ ہین جو ان کے مشابہ ہین، ہندوستان مین

عربون کے جانشین مغل ہوئے، اس لئے عربی تہذیب کو ترقی نہ دے سکے لیکن اس سے پورا فائدہ اٹھایا، اس سے ان کے زمانہ مین ہندوستان کو ترقی ہوئی۔"

ایک مقام پر لکھتاہے کہ شام کا ملک امویون کے عہد اور عباسیون کے ابتدائی زمانہ مین ایک نہایت ترقی یافتہ تمدن دیکھ چکا تھا، اور عرب جو دوسرون کے شاگرد تھے اب خود استاد بن چکے تھے، علوم وفنون، شعروادب اور فنون لطیفہ کا عام فیضان تھا، شام کا یہ زرین دور اس زمانہ تک قائم رہا جب تک خلفاء مین اسلامی مملکت تقسیم نہیں ہوئی، اس کے بعد اس پر زوال طاری ہونا شروع ہوا، پھر بھی اس کا شعلہ کسی نہ کسی حد تک قائم رہا، جو ترکون کے قبضہ کے بعد بالکل ہی بجھ گیا، اور علم وفن، صنعت وحرفت، شان وشکوہ کے عجایبات کا بڑا حصہ جو عربون نے جمع کیا تھا، بالکل ضائع ہوگیا، اور تھوڑے ہی دنون کے بعد بڑے بڑے شہر مثلاً صور اور صیدا وغیرہ محض معمولی گاؤن بن گئے، ان کے سرسبز وشاداب پہاڑ بالکل ویران اور زرخیز گاؤن آبادی سے بالکل خالی ہوگئے، اور سرسبز وشاداب مرغزار روئدگی تک سے محروم ہوگئے،

ترکون کی تمدنی استعداد اور اس کے جو اثرات انھون نے چھوڑے ان کے بارہ مین یہ لیبان کی رائے ہے، لیکن انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس حقیقت کو بھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ عربون کا زوال دولت عباسیہ کے خاتمہ اور ہلاکو، چنگیز، غازان اور تیمور وغیرہ مغل سردارون کی یورش ہی کے زمانہ سے شروع ہوگیا تھا، درحقیقت اسلامی ملکون مین علم وفن کی زندگی اس قوت سے وابستہ تھی جو اس کی مضبوط بنیاد سے مسلسل ابلتی رہتی تھی، اور عثمانی ترکون نے ایسے نئے طریقون کا اضافہ نہین کیا جو علم کی تقویت اور ترقی کے لیے ضروری ہین، بلکہ جس حال مین ان کو پایا اسی پر قناعت کر لی،

اور لوگون کو علم و ادب اور ترقی کے میدان مین آگے نہ بڑھا سکے اور ان کی جہالت دور کرنے مین بے توجہی سے کام لیا،

ترکون کی جہالت اور عربون کو ان کا جاہل بنانا

ترکون کے زمانہ کا ایک حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ ان کے آخری دور کے ایک وزیر تعلیم نے ثانوی مدارس کے منصب تدریس کو اجرت کی کمی پر منحصر کر دیا تھا یعنی جو شخص کم سے کم مشاہرہ لیتا تھا اس کو مدرس بنایا جاتا تھا، خواہ وہ اپنے فن مین کتنا ہی جاہل ہو، بلکہ یہان تک کہا جاتا ہے کہ ترکون نے ثانوی مدارس مین مذہبی تعلیم غیر مسلم مدرسین کے سپرد کر دی تھی، اور عربی ملکون مین تو یہ عام دستور تھا کہ وسطانی مدارس مین ترکی زبان و ادب کی تعلیم ان عربون کے سپرد کیجاتی تھی، جو ترکی زبان نہ اچھی طرح بول سکتے تھے اور نہ لکھ سکتے تھے، اسی طرح عربی صرف و نحو اور منطق و بیان کی تعلیم ان ترکون کے سپرد کی جاتی تھی جو عربی کا ایک فقرہ بھی صحیح نہین لکھ سکتے تھے، اور ابتدائی مدرسون کے اکثر مدرسین بالکل جاہل ہوتے تھے، البتہ ترکون کے آخری زمانہ مین خاص پایہ تخت کی بعض بڑی درسگاہون مثلاً فوجی، طبی اور انجینیرنگ کے کالجون مین بڑے بڑے ترک، عرب، ارمنی، رومی، فرانسیسی اور جرمن علما، وغیرہ تعلیم دیتے تھے،

اگر عثمانی ترکون نے تعلیم کی جانب بھی اتنی ہی توجہ کی ہوتی جتنی توجہ وہ زمانہ قدیم سے فوجی قوت کی جانب کرتے چلے آتے تھے، تو ان کا ملک جہالت کے اس درجہ کو نہ پہنچتا اور ان کے زمانہ مین مسلمان اس اندوہ ناک انحطاط مین مبتلا نہ ہوتے۔ ان کی حکومت نے تعلیم کو محض اس کی ظاہری شکل بنا دیا تھا جس کو حقیقی تعلیم سے کوئی علاقہ نہ تھا، عربی

. . . .

زبان کی تعلیم کی جانب سے ان کی بے توجہی کا یہ حال تھا کہ ایک طرف سیکڑون عرب مواضعات مین ایک ابتدائی مدرسہ بھی نہین تھا، دوسری طرف ترکی زبان کی اشاعت مین یہ اہتمام تھا کہ معاملات کی دستاویزین ٹیکس کی سندات، معاہدے اور سرکاری احکام ترکی زبان مین لکھے جاتے تھے، اس سے بھی بڑھکر یہ کہ انتظامی عدالتون مین عربی زبان مین تحریر اور درخواستین دینے کی ممانعت تھی، عربون اور عربی زبان کے ساتھ اس جنگ کو منطق سے کوئی علاقہ نہ تھا، عربی تعلیم سے اس لاپروائی برتنے کا یہ نتیجہ تھا کہ ایک زمانہ ایسا بھی آگیا کہ عرب کے بہت سے دیہاتون مین لوگ معمولی قرأت تک سے ناواقف ہوگئے، بلکہ ایک چھوٹے اسلامی شہر مین یہ عبرت آموز واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص کو اپنے لڑکے کی قرآن کی تعلیم کے لیے کوئی مسلمان قاری نہ مل سکا، تو اسے مجبور ہوکر اس کے لیے ایک عیسائی راہب کے سپرد کرنا پڑا، جس زمانہ مین مسلمانون مین علم تھا اس زمانہ مین مسلمان علماء ذمیون کو ان کی مذہبی کتابین پڑھاتے تھے، چنانچہ ساتوین صدی مین موصل مین کمال الدین بن یونس اور دمشق مین عزالدین اربلی عیسائیون کو توریت اور انجیل کی ایسی اچھی تعلیم دیتے تھے اور اس خوبی سے ان کی شرح کرتے تھے کہ اس زمانہ کے عیسائی علماء بھی ایسی تعلیم نہ دے سکتے تھے[1]، یہ دونون عیسائیون کو ان کی مذہبی کتابون کی ویسے ہی تعلیم دیتے تھے جیسی مسلمانون اور فلاسفہ کو مذہب اور فلسفہ کی تعلیم دیتے تھے[2]،

یہ عربی تمدن پر مغلون اور ترکون کی یلغار اور ان بڑے عوامل کا تھوڑا سا

[1] وفیات الاعیان ابن خلکان و فوات الوفیات صلاح الکتبی [2] نکت الہمیان صفدی

بیان ہے جنھون نے آخری چار صدیون مین ایک فوجی حکومت کے بل پر غربی تمدن کو گھیر لیا تھا، اس حکومت کے زمانہ مین مدرسے ویران ہو گئے، کارخانون اور صنعت وحرفت پر زوال آگیا، کتابون کے ذخیرے، صنعت وحرفت کے آلات اور ثروت پیدا کرنے کے وسائل گم ہو گئے، اور یہ مرض جو حکومت کے خائن عمال کی وجہ سے ہمارے ملکون مین چھایا رہا اس کے سارے پرانے امراض سے زیادہ سخت تھا، اور اس کے نتائج مغلون کی پیہم یورش کے مصائب سے کم نہ تھے، بلکہ ایسے لٹیرون کی لائی ہوئی بربادیون کی اصلاح وترقی، جو آئے اور لوٹ مار کر نکل گئے، ان مقیم لوگون کی پیدا کردہ بربادیون سے زیادہ آسان ہے، جو مستقل جم کر معنوی اور مادی تباہی وبربادی پھیلاتے رہتے ہین اور جن کی تباہی وبربادی کا زمانہ بھی طویل ہو۔

سولھوان باب

اسلامی اور غیر اسلامی ملکون مین یورپین نوآبادکارونکی یورش

نوآبادکاری اور پرتگالیون کی نوآبادکاری کی تاریخ

روے زمین کے مختلف حصون مین نوآبادیان قائم کرنے اور اور ان کے علاقون سے فائدہ اٹھانے کے لیے ہمیشہ سے انسانون کی تگ و دو جاری رہی ہے جس مین باعمل انسان بے عملون پر تفوق حاصل کرتے، عالم جاہلون پر حکومت کرتے، طاقتور کمزورون پر حملہ کرتے، اور معزز ادنی اور پست لوگون کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتے رہے ہین، اس جہاد کی شکلین مختلف ہوتی ہین، لیکن ان کا نتیجہ ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے، اور اس کا مقصد وحید ہر پہلو اور ہر حیلہ سے رزق و معاش اور ان نعمتون کا حصول ہوتا ہے جن کے ذریعہ زندگی کی لذتون اور مسرتون سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جا سکے، یہ فطرت کا اٹل قانون ہے، کہ جنگجو ہمیشہ صلح پسند کو کھا جاتا ہے اور روے زمین ہمیشہ سے غالب و مغلوب اور شکار و شکاری کا آماجگاہ اور دنیا غالب کا لقمہ تر رہی ہے،

نوآبادکاری ایک قسم کی ہجرت ہے، اس مین مہاجر ہمیشہ کے لیے ترک وطن کرکے دوسرے مقام پر آباد ہو جاتا ہے، اس لیے وہ اس کی زمین کو پوری محنت سے آباد کرتا ہے، اور اس کی پیداوار اور قدرتی ذخیرون سے فائدہ اٹھانے مین پوری کوشش صرف کرتا ہے۔

اس کی سرسبزی وشادابی سے زیادہ سے زیادہ حصول منفعت کیلیے اس کو انتہائی ترقی دیتا ہے
اگر بڑے نوآبادکارون سے اس کا سبب دریافت کیا جائے تو جواب دینگے[1] کہ ہماری نوآبادکاری
نے ہماری شجاعت وبہادری اور ذہانت وذکاوت کو نمایان کیا اور ہم نے نوآبادیون
کی ہر کنکری اپنی اولاد اور جگرگوشون کے خون سے حاصل کی ہے، اور اس جدوجہد سے
ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہماری اولادین زمین کے ہر حصہ مین ہمارے لیے ایسے ملک بنادین
جو عظمت وشان مین ہمارے ملک کے ہمسر ہون، ہماری ان نسلون کو ان کی جدوجہد
کا پھل ملتا ہے، وہ نوآبادیون مین پھیل جاتی ہین۔ اور ان کی آبادی بڑھ جاتی ہے، مگر وہ
اپنی زبان۔ اپنے قومی اخلاق اور اپنی امتیازی خصوصیات کو قائم رکھتی ہین۔ اس سے
ہماری دولت مین اضافہ ہوتا ہے، ہماری عظمت وشہرت کو دوام حاصل ہوتا ہے
اور ہماری ناموری کا شہرہ چاردانگ عالم مین پھیل جاتا ہے،

عام طور سے نوآبادکاری ایسے لوگون کی تگ ودو سے پیدا ہوتی ہے جو تمدنی
درجہ مین متفاوت ہوتے ہین، اور مختلف قسم کے خطون مین ان کے حصول انتفاع
کے طریقے اور اس کے وسائل مختلف بلکہ بعض اوقات ایک دوسرے کی ضد ہوتے
ہین[2]۔ اس طریقہ سے امن وسلامتی کے ساتھ استعمار قائم ہوجاتا ہے لیکن یہ ضروری
نہین ہے کہ وہ ہمیشہ تمدنی ہی ذرائع یعنی زراعت وتجارت وغیرہ کے ذریعہ ہی
قائم ہوجائے، بلکہ کبھی کبھی جنگ وقوت کے ذریعہ بھی استعمار قائم کیا جاتا ہے، استعمار کی
تاریخ نہایت قدیم ہے، سب سے قدیم قومون مین فنیقی، رومن اور یونانیون نے اسکو

[1] G. Hanotaux: La fleur des histoires françaises

[2] لاروس الجدید المصور Nouveau Larousse illustré

اختیار کیا۔ فینیقیون کا استعمار محض تجارتی ہوتا تھا، وہ جن ملکون مین جاتے تھے صرف اپنی تجارتی منڈیان قائم کرتے تھے، اپنی نسلون کو یہان مستقل آباد نہین کرتے تھے، اس کے برعکس رومن اور یونانی اپنی نوآبادیون مین اپنی اولادون کو مستقل بسا دیتے تھے، اس لیے انھون نے فینیقیون کو ان کی تجارتی منڈیون سے بے دخل کر دیا، عرب نوآبادکاری مین بڑے تجربہ کار تھے، جس کا اعتراف اہل یورپ تک کو ہے، انھون نے لکھا ہے کہ عرب اپنی تاریخ کے ہر دور مین اس وصف مین مشہور تھے،[1] جنیوا، بیزہ اور وینس کے باشندے بھی جو اطالوی قوم کے مورث اعلیٰ تھے، اپنی نوآبادیون مین جلب منفعت کی حد سے آگے نہ بڑھ سکے اور ان کا استعمار فینیقیون اور اہل قرطاجنہ کے مشابہ تھا،

دور جدید مین مغربی قومون مین سب سے پہلے پرتگالیون نے اس کی جانب قدم بڑھایا اور مغرب اقصیٰ کے ساحلی علاقون پر قبضہ کرنا شروع کیا، اور سلا اور رباط الفتح کے علاوہ اس کا کوئی حصہ مسلمانون کے قبضہ مین نہ رہ گیا،[2] اور بلاد ہسپط کے باشندون کو اس قدر تنگ کیا کہ وہ اطراف ملک کے دور دراز گوشون مین نکل جانے پر مجبور ہوگئے، اس کے بعد پرتگالیون نے بحر ظلمات مین بڑھنا شروع کیا، اور مغربی و مشرقی افریقہ کے ساحلون کا پتہ چلا کر جزائر یا ازیہ" بہارات" تک پہنچنے کے لیے مشرق کی سمت بڑھے، اس راستہ کا انکشاف انھون نے پرتگال کے فرمانروا جان اول کے لڑکے ہنری المتوفی سنہ ۱۴۶۰ء کے زمانہ مین کیا،[3] وہ خود بڑا عالم و محقق تھا، اس کے پاس یہودی اور فاس و مراکش کے بعض ایسے نامور علماء جمع ہوگئے تھے جو اپنے زمانہ مین دنیا کے ممتاز علماء مین شمار کیے جاتے تھے، انھون نے عرب اور دوسری قومون

---

[1] لاروس الجدید المصور [2] الاستقصا، سلادی [3] حاضر العالم الاسلامی

کے جغرافیون کے ذریعہ تحقیقات کرکے پتہ چلایا کہ بر اعظم افریقہ کا چکر لگایا جا سکتا ہے،

یہ انکشاف ہمارے یورپ پر اس بادشاہ کا بڑا احسان ہے، جو عرب علماء کی تحقیقاتون

کے ذریعہ تکمیل کو پہنچا،

کچھ دنون کے بعد جزائر اباز یر مین پہنچ گئے جو مدت دراز تک ان کی تجارت کی

منڈی رہا، اس کے بعد ۹۰۸ھ مطابق ۱۴۹۸ء مین ہندوستان اور مالابار پہنچے،[1] اور

کالی کٹ مین داخل ہو کر تجارت کرنے لگے، اور سامری حکام سے کہا کہ "مسلمانون

کی تجارت سے تمھاری حکومت کو جو فائدہ حاصل ہوتا ہے اس سے دونا ہماری تجارت

سے ہوگا، اس لیے ان کو تجارت اور عرب کے خشکی کے سفر سے روک دینا چاہیے،

کش کے حاکم سے بھی اسی قسم کی درخواست کی اور کہا، تم کو ہماری تجارت سے زیادہ

فائدہ حاصل ہوگا، اس لیے مسلمانون کو کش سے نکال دینا چاہیے، اس نے جواب دیا

کہ وہ بہت قدیم زمانہ سے ہماری رعایا مین ہمارے ملک کی رونق ہے، اس لیے ہم انکو

نہین نکال سکتے" پرتگالی مسلمانون کو کافر کہتے تھے، اور مشہور پرتگالی بحر پیما واسکوڈیگاما

کا مقصد بحر ہند کے چکر سے عرب جہازون سے جنگ کرنا تھا،[2] بلکہ معمورہ ارض کے دور دراز

علاقون مین صلیب و ہلال کا مقابلہ اور اس ملک مین مکہ اور روم کی جنگ مقصود تھی،

جو ان دونون کے پیمانے میدان جنگ سے پندرہ سو میل تھا، پرتگال اسلام کو گھیرنے

اس کو دو آتش گردون کے درمیان لاکر اس کی دولت کے سرچشمون کو خشک کرنے اور

اس کی شوکت و عظمت کو مٹانے کے لیے براعظم افریقہ کے اس پار سے اپنی فوجیں اور اپنے

بحر پیماؤن کو بھیج رہا تھا، چنانچہ پرتگالی ملاح البوکرک نے جب عدن پر حملہ کیا تو اہل جلفتہ

---

[1] تحفۃ المجاہدین فی احوال البرتکالیین زین الدین [2] وثائق تاریخیہ و جغرافیہ و تجاریہ عن افریقہ شرقیہ، جیان

کو بھڑکایا کہ وہ نیل کا راستہ بحر احمر کی جانب موڑ دیں، مکہ پر حملہ کا خیال بھی اس کے دل میں پیدا ہوا اور، اس زمانہ میں یورپ سے ہندوستان کے دو راستے تھے، ایک خشکی کا دوسرا مصر و شام ہو کر بحری راستہ، اور یہ دونوں مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھے، اس لیے پندرہویں صدی میں یورپ اور خاص طور سے پرتگالیوں نے ان راستوں کو اہلِ یورپ کے لیے کھولنے کی بڑی کوشش کی، پرتگالی عربوں کو پہلی صدی ہجری کے آخر سے جب سے انھوں نے پرتگال پر قبضہ کیا تھا، جانتے تھے ان کے تہور و شجاعت سے بھی واقف تھے، اور زندگی کے کاموں میں ان کو جو مہارت حاصل تھی، اس کا بھی ان کو پورا اندازہ تھا، وہ یہ بھی نہیں بھولے تھے کہ صدیوں تک تلخیاں برداشت کرنے کے بعد عربوں کو اپنے ملک سے نکالنے میں کامیاب ہو سکے تھے، مگر چند ہی دنوں بعد انھوں نے پھر قبضہ کر لیا تھا، ان اسباب کی بنا پر پرتگالیوں کو جنوبی ہند کے مسلمانوں کے ساتھ سخت عداوت تھی، زین العابدین کا بیان ہے کہ وہ ان کا مذاق اڑاتے تھے، ان پر ظلم و زیادتی کرتے تھے، مسجدوں کو جلاتے تھے، بعض مسجدوں کو گرجا بنا لیا تھا، مسلمانوں کے جہاز اور ان کا مال و اسباب لوٹ لیتے تھے، ان کی مقدس کتابوں کو پیروں سے روندتے تھے اور آگ میں جلاتے تھے، عورتوں کی بے حرمتی کرتے تھے، ان کو ارتداد اور صلیب کا سجدہ کرنے پر مجبور کرتے تھے، جب کوئی مسلمان عورت یا مرد ان کے ہاتھوں میں اسیر ہو جاتا تھا تو اس کو زبردستی عیسائی بناتے تھے، اس قسم کے اور طرح طرح کے مظالم اس لیے کرتے تھے کہ وہ جنوبی ہند سے مسلمانوں کو نکال کر ہندوستان کی تجارت پر قبضہ کر لیں، اور عربوں کی تجارتی منڈیوں پر بلا شرکت غیرے قابض ہو جائیں، پرتگالی جب پہلی مرتبہ ہندوستان سے اپنے ملک واپس ہوئے ہیں تو انکے

جہاز گرم مسالہ سے بھرے ہوئے تھے، اس کے بعد ہر سال ان کے جہاز مال لیکر مسلسل جنوبی ہند آنے جانے لگے، وہ یہاں سے سیاہ مرچ، سونٹھ، دار چینی، لونگ، جاوتری وغیرہ جیسی قیمتی اور کثیر المنفعت پیداوار لیجاتے تھے، اور مسلمانون کے ہاتھون مین صرف ڈلی اور ناریل جیسی چیزون کی تجارت رہ گئی تھی،

ان نئے تاجرون اور نو آبادکارون کی ان زیادتیون سے مسلمان حکمران اور اس ملک کے دوسرے باشندے غافل نہین تھے، اور ان مین اور پرتگالیون مین اکثر جھڑپ بھی ہو جاتی تھی جس سے دونون کو نقصان پہنچتا تھا، اور عرب تاجر بھی یہان کے باشندون کو پرتگالیون کے خلاف بھڑکاتے اور ان کو ان تجارتی منڈیون سے نکالنے پر ابھارتے رہتے تھے، جن کے وہ تنہا مالک تھے، اس لیے جنوبی ہند کے ساحلی علاقہ پر بڑی جنگ وجدل اور دشواریون کے بعد پرتگالیون کی حکومت قائم ہو سکی۔

الغوری والی مصر کو بھی پرتگالیون سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا، اس لیے اس نے بھی ان سے اپنے ملک کو بچانے اور مصر کی تجارت کو ان سے آزاد رکھنے کے لیے بحر قلزم مین جنگی جہاز بھیجے تھے، کیونکہ مشرق کا تجارتی سامان زیادہ تر یہین آتا تھا۔ وینس کے باشندون کو بھی پرتگالیون سے اپنی تجارت کے متعلق خطرہ پیدا ہو گیا تھا، اس لیے انھون نے بھی ان کو روکنے مین الغوری کی مدد کی اور بحر احمر مین جہاز بنانے کے لیے اپنے یہان سے لکڑی بھیجی اور جب اس کی حکومت ختم ہو گئی تو دولت عثمانیہ نے سو جہازون کا ایک جنگی بیڑا بھیجا، اس نے سلطان عدن اور یہان کے بعض ممتاز عربوں کو قتل کر کے عدن پر قبضہ کر لیا، اس کے بعد گجرات پہنچا اور ۱۵۳۸ء مین دیو پر حملہ کر کے یہان کے بڑے بڑے قلعون کو توپوں سے مسمار کر دیا، اس درمیان مین فرنگی بھی تیار ہو گئے، اس لیے ترکی

بڑا مضر ہوتا ہوا لوٹ گیا، مگر کچھ دنون کے بعد ترک پھر ان دور دراز علاقون مین پرتگالیون کا مقابلہ کرنے کے لیے دوبارہ واپس آئے، اس زمانہ مین وہ وائینا کی دیوار دن تک پہنچ چکے تھے، اور اہل یورپ کے دلون مین ان کا خوف طاری ہو گیا تھا، اس لیے یورپ کی فتوحات کا راستہ صاف کرنے کے لیے پرتگالیون کی فوج کے ایک حصہ کو جنگ مین الجھائے رکھا،

مگر ہندوستان مین پرتگالیون نے مالابار، گجرات اور کوکن وغیرہ بہت سی بندرگاہون پر قبضہ کر لیا، ان کے علاوہ اپنی ہوشمندی اور اتحاد و اتفاق سے بہت سے شہرون پر قابض ہو گئے، اور ہرمز، مسقط، دیو، سمطرہ، ملاگا، ملاکو، مالیبار، ناگ پٹن، شیومنڈل وغیرہ مین اپنے قلعے بنا لیے، اور زنجبار، ممباسہ، موسمبیک، اور ملندہ کی طرح سیلون کے بھی بہت سے بندرون پر قبضہ کر لیا، اور بڑھتے ہوئے چین تک پہنچ گئے، ان تمام بندرون مین ان کی تجارت پھیل گئی، اور مسلمان تاجر ان کے مقابلہ مین بالکل پست پڑ گئے، ان کی حیثیت محض ان کے ملازم کی ہو گئی، وہ صرف ان ہی چیزون کی تجارت کر سکتے تھے، جنکو پرتگالی لائق اعتنا نہ سمجھتے تھے، اور تمام اہم اور فائدہ بخش چیزون کی تجارت خود پرتگالی کرتے تھے، اپنے علاوہ کسی دوسرے کو نہ کرنے دیتے تھے، اور انھون نے ملاگا، اشبی، دناسری اور عرب کا خشکی کا راستہ مسلمانون کے لیے بند کر دیا تھا، اور تمام بندرگاہون کے حکمران ان کے مطیع و منقاد ہو گئے تھے، اور یہان ان کی حکومت قائم ہو گئی تھی، اور ان کے اجازت نامے اور امان کی ذمہ داری کے بغیر بحری سفر نہین ہو سکتا تھا، اور ان کی تجارت، جہازون کی تعداد، اقامت گاہین اور قلعے بہت ہو گئے تھے، ان کے مقابلہ مین مسلمانون کی تجارت بہت گھٹ گئی تھی، اور وہ بھی پرتگالی جہازون کے ذریعہ ہوتی تھی، ۹۹۱ھ مین انھون نے

سامری کے علاقہ کی ناکہ بندی کر کے بحری راستہ روک دیا، جس کی وجہ سے وہاں چاول نہ جا سکا اور سخت قحط پڑ گیا۔

یہ تمام واقعات زین الدین کے بیانات سے ماخوذ ہیں، اس نے پرتگالیون کے اوصاف ان الفاظ مین لکھے ہین کہ "وہ بڑے چالباز، فریبی اور اپنی مصلحت کے بڑے ماہر ہین، ضرورت کے وقت اپنے دشمنون کی ذلیل خوشامد مین بھی ان کو عار نہین ہوتا، مگر جب غرض پوری ہو جاتی ہے تو ہر ممکن طریقہ سے اس پر مسلط ہو جاتے ہین، ان مین بڑا اتحاد ہے، اپنے سردارون کے حکم سے کبھی سرتابی نہین کرتے اور اپنے دار الحکومت سے دوری کے باوجود ان مین اختلاف نہین ہوتا، آج تک یہ سننے مین نہین آیا کہ انھون نے حکومت کے حصول کے لیے اپنے کسی بڑے آدمی کو قتل کیا ہو، اس لیے ان کی قلتِ تعداد کے باوجود مالابار وغیرہ کے حکمران ان کے مطیع ہو گئے، ان کے مقابلہ مین مسلمانون کی فوج اور ان کے سردارون مین بڑا اختلاف ہے، ان مین حصول اقتدار کی بڑی ہوس رہتی ہے، اور وہ اس کے لیے ایک دوسرے کو قتل کرنے مین بھی باک نہین کرتے"۔

پرتگالیون نے بحر ظلمات کے افریقہ کے پورے ساحلی علاقے کو نوآبادی بنالیا، اور برازیل کے علاقے اور امریکہ کے بعض ساحلی حصون مین اپنی فوج کو آباد کر کے اپنی آبادی قائم کر لی، لیکن ان مین کے بیشتر علاقے ان کے ہاتھون سے نکل گئے، مگر دو صدیون تک ان کو بڑی عظمت و شان حاصل رہی، اور انھون نے گرم مسالے، قیمتی پتھرون اور غلامون کی تجارت سے بڑی دولت پیدا کی، اور ان کے بادشاہ مشرقی افریقہ وغیرہ کی خراج، ٹیکس اور زمین اور مخصوص تجارتون کی آمدنیون سے بڑے دولتمند ہو گئے، ان آمدنیون کو ان کے عمال بڑے ظلم و زیادتی سے وصول کرتے تھے، ان

بڑی بڑی فتوحات سے پرتگال کی ثروت بہت بڑھ گئی، اور اس کے اثر سے نصف صدی کے اندر پرتگالیون مین غرور و نخوت جیسی بداخلاقیان پیدا ہو گیئن، اس کی وجہ سے ان لوگون کے دلون مین جن کے ملکون پر پرتگالیون نے قبضہ کیا تھا، اور ان کو محکوم بنایا تھا، خصوصاً عربون مین ان کے خلاف بغض و کینہ پیدا ہو گیا، اور انھون نے ۱۶۵۸ء مین والی عمان کی قیادت مین لڑکر پرتگالیون سے اپنا ملک چھین لیا اور ہزارون پرتگالی تلوار کے گھاٹ اتار دیے، فرانسیسی جہازران جیان کے بیان کے مطابق پرتگالیون نے بھی مسلمانون کو بے دریغ قتل کیا، ان کی آبادیان جلا ڈالین، اور ان کے شہرون کو برباد اور ان کے علاقون کو ویران کرکے بنجر بنا دیا،

اسپینیون نے کولمبس کے بدولت ان علاقون کو نوآبادی بنایا جن پر انھون نے سولھوین صدی مین قبضہ کیا تھا، اس مین جنوبی امریکہ کے ساحلی علاقہ کا بڑا حصہ شامل تھا، مگر انکی بداعمالیون، بدانتظامی اور نااہلی کی وجہ سے انیسوین صدی کے شروع مین یہ پورا علاقہ ان کے ہاتھون سے نکل گیا، انھون نے یہ قاعدہ بنا دیا تھا کہ اسپین کے صرف وہ رومن کیتھلک امریکہ مین آباد ہو سکتے ہین، جن کے خاندان کے کسی فرد کے خلاف دینی عدالت نے دو پشتون سے کوئی فتویٰ نہ صادر کیا ہو، مگر یہ قانون صرف دو سال تک رہا، جنوبی امریکہ مین اسپینیون کی نوآبادکاری کی تاریخ بڑی دردناک ہے، انھون نے یہان کے اصلی باشندون سے سونا اور قیمتی جواہرات حاصل کرنے کے لیے ان پر طرح طرح کے مظالم کیے، اور جن لوگون نے عیسائیت قبول کرنے سے انکار کیا، ان پر ویسے ہی مظالم ڈھائے جیسے مظالم پرتگالیون نے ہندوستانیون پر گرم مسالہ اور جواہرات حاصل کرنے کے لیے کیے تھے،

ڈچون انگریزون اور فرانسیسیون کا استعمار

پرتگال پر اسپینیون کے قبضہ کے بعد ڈچون کو موقع مل گیا، انھون نے مشرق بعید مین ایک عظیم الشان نوآبادی قائم کرلی، جسمین سے ملایا جاوا اور ساٹرا اب تک ان کے قبضہ مین ہین[1]، انھون نے ہسپانیون اپنے تجارتی تجربات سے بڑا فائدہ اٹھایا، اگر وہ دیکھتے تھے کہ بھلائی کے بدلے مین اس سے بہتر بھلائی کرنے مین زیادہ فائدہ ہے، تو بے تکلف اس پر عمل کرتے تھے، اور اس بارہ مین انھون نے بڑی دیانت اور نرمی و ملاطفت کا نہایت عمدہ نمونہ پیش کیا، سترہوین صدی مین انکا تجارتی بحری بیڑا یورپ کی تمام حکومتون سے زیادہ بڑا تھا، اور ان کی تجارتی نوآبادیون مین ہر شخص آزادی سے تجارت کرسکتا تھا، انڈو ڈچ یا مشرق بعید کی کمپنی ۱۵۹۹ء مین قائم ہوئی، جس نے ان نوآبادیون کو پرتگالیون سے چھین لیا، اور ہندوستانیون اور چینیون کے دلون مین پرتگالیون کی جو نفرت تھی اس سے بحر ہند مین ڈچون کو قدم جمانے مین بڑی مدد ملی، مگر جب ان کی قوت مضبوط ہوگئی، تو وہ بھی ظلم و زیادتی کرنے لگے، اور ان کا پرانا لطف و مدارات اور وہ سارے اوصاف و محامد جس کے ذریعہ انھون نے اپنے حریف پرتگالیون کی جگہ حاصل کی تھی، ختم ہوگئے، اس لیے ان سے بھی ہندوستانیون اور چینیون کو نفرت پیدا ہوگئی۔

اٹھارہوین صدی کے شروع مین انگلینڈ کے بہت سے باشندے یہان کی مذہبی سختیون سے تنگ آکر شمالی امریکہ ہجرت کرگئے اور بحر اٹلانٹک کے ساحلی علاقہ مین آباد ہوکر یہان بڑی عظیم الشان حکومت قائم کرلی، جو تمام ولایات متحدہ امریکہ پر مشتمل اور انگلستان کی حکومت سے آزاد ایک مستقل جمہوریہ تھی، اس نے اسپانیہ و انڈ

[1] یہ کتاب آج سے بیس سال پہلے لکھی گئی تھی، اسوقت انڈونیشیا ڈچون کا محکوم تھا اب آزاد ہوگیا ہے۔ م

ہر قوم کے مہاجرین کے لیے کھول دیا، مگر ملک کے اصل باشندون، حبشیون کو بالکل مٹا دیا، اور وہ محض برائے نام رہ گئے، اور ایک صدی کے اندر اس کی آبادی سو ملین تک پہنچ گئی، یہ تمدنی نوآبادکاری کی سب سے کامیاب قسم تھی، جس نے مختلف قومون کی متحدہ قومیت بنانے مین ایسی عاقبت اندیشی اور دور بینی کا ثبوت دیا تھا جس کی مثال گذشتہ تاریخ مین نہین ملتی، اور امریکہ کی کٹھالی "فنا مرکوا" مین بہت سے عناصر ملے ہوئے تھے، مگر پھر کچھ دنون کے بعد امریکہ نے آنے والے مہاجرین کی تعداد محدود کردی، اس کا سبب یہ تھا کہ سلاوی اور بلقانی قومین دوسری قومیت اختیار کرنے مین بڑی سخت تھین،

امریکہ مین جو صورت حال انگریزون کو پیش آئی اور جس طرح انھون نے اپنے بہت سے ہم قومون کو ہاتھون سے کھویا اس سے ان کو بڑا سبق حاصل ہوا، اور اس کے بعد پھر کبھی انھون نے ان کے ساتھ زیادتی سے کام نہین لیا، اور ایک تجارتی کمپنی ایسٹ انڈیا کمپنی نے کچھ دنون کے بعد بلطائف الحیل دنیا کی سب سے دولتمند نوآبادی ہندوستان پر قبضہ کرلیا، انگریز نوآبادی بنانے کے طریقون کے بڑے ماہر تھے، اس لیے انھون نے ابتدا مین ہندوستان، اسٹریلیا اور جنوبی افریقہ مین لطف و مدارات کا طریقہ اختیار کیا، جس مین تدبر اور چالبازی دونون شامل تھین، ان کو جو سیاسی، انتظامی اور تجارتی تجربے حاصل تھے، ان کو اپنی عام نوآبادیون مین کبھی نہین بدلتے تھے، چنانچہ غدر ۱۸۵۷ء مین جب انگلینڈ کے ہاتھ سے ہندوستان کے نکل جانے کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا، انھون نے اپنی حکومت کے قیام و استحکام کے لیے ایک ایسا نظام قائم کیا جو ہندوستان مین برطانوی شہنشاہی کی بنیاد تھا، یہ ایک ایسا تنظیمی کارنامہ تھا جو اب تک کسی قوم نے نہین کیا تھا، اور نہ کسی حاکم قوم کے دل مین اس کا خیال تک آیا تھا،

ہندوستان کا استعمار ہیرٹ کریز

فرانس نے بھی نوآبادیون کے قیام مین یہی اختیار کیا، مگر اس کو زیادہ کامیابی نہین ہوئی، بلکہ اس نے ہندوستان اور کنیڈا جیسی اپنی بہترین نوآبادیان کھودین، مگر انیسوین صدی مین اس نے بہت سے نئے علاقون الجزائر، تونس، مغرب اقصیٰ، سوڈان کے بعض حصون، گانون، کانگو، گانا، نیو کلدونیا، ڈگاسکر، سینی گال اور انڈوچینا وغیرہ پر قبضہ کرلیا اور اس کی نوآبادیون کا رقبہ ملک فرانس کے رقبہ کے بیس گنا زیادہ یعنی تقریباً دس لاکھ ملین مربع میل ہوگیا، جس کی آبادی پچاس ملین سے اوپر تھی، [له]

جس زمانہ مین ڈچ، انگریز اور فرانسیسی گرم ملکون پر قبضہ کرنے کے لیے آپس مین جھگڑ رہے تھے، روس خاموشی اور اطمینان کے ساتھ ان ملکون کو نوآبادی بنانے مین مشغول تھا جو کوہستان ارال اور آبنائے برنگ کے درمیان ہین اور اس وسیع میدانی علاقہ مین ایسے اہم تمدنی کام انجام دے رہا تھا جن کو کوئی حکومت بڑے وسیع اخراجات کے بغیر انجام نہیں دے سکتی، اس کے بعد انھون نے اپنے محدود دائرہ سے آگے قدم بڑھایا اور انیسوین صدی مین جنوبی ایشیا مین انگریزی مقبوضات کے قریب تک پہنچ گئے، ان ملکون کے علاوہ یورپ کی دوسری حکومتون کو بھی ان کی ضروریات نے نوآبادیان بڑھانے پر مجبور کیا، چنانچہ اٹلی نے ارٹیریا پھر اس کے بعد لیبیا [له] یعنی طرابلس اور برقہ پر قبضہ کرلیا اور ان مین ہزارون اٹالین لاکر آباد کردیے اور چند برسون مین ان کی تعداد ملک کے اصلی مسلمان باشندون کے نصف تعداد سے بڑھ گئی، جرمنی نے کیمرن اور ٹوجو پر قبضہ کرلیا تھا، جو جنگ عظیم کے بعد معاہدہ ورسائی کے مطابق اس سے لے لیے گئے، بلجیم نے کانگو مین نوآبادی قائم کی، پہلے بلجیم کے بادشاہ نے اس کو اپنے صرف خاص کے لیے مخصوص

له لیبیا اب آزاد ہوگیا ہے اور طرابلس مین آزادی کی کوشش جاری ہے۔

رکھا تھا، پھر تومی ملک بنا دیا، ڈنمارک اور سویڈن کی نوآبادیون مین بعض جزیرے ہین، مگر ان کی آبادی بہت کم ہے،

نوآبادکار حکومتون مین نوآبادیون کے لیے ایک عرصہ تک جنگ ہوتی رہی، پھر انھون نے دنیا کی تقسیم پر آپس مین سمجھوتہ کرلیا، اس کی رو سے پرتگال اور اسپین کی اکثر نوآبادیان ان کے قبضہ سے نکل گیئن، صرف بعض جزیرے اور کچھ علاقے ان کے ہاتھ مین رہ گئے، مگر پھر اسپین نے بڑی خونریزی اور تباہی پھیلانے کے بعد مغرب اقصیٰ کے علاقہ ریف پر قبضہ کرلیا، اگر ریف کی جنگ مین فرانس اسپین کی مدد نہ کرتا، تو وہ کبھی اس علاقہ پر قابض نہ ہو سکتا اور اہل ریف اسی طرح اس کو لے لیتے جس طرح حبشہ کا علاقہ بڑے نقصانات اٹھانے کے بعد اٹلی کو واپس کرنا پڑا، حبشیون کو توان کے مذہب (عیسائیت) نے نوآباد بننے سے بچالیا، لیکن اہل ریف مسلمان تھے، اس لئے ان کو یورپ مین کوئی حامی ومددگار نہ مل سکا۔

برطانیہ کو انسانون پر حکومت کرنے مین بڑی باوقار مہارت وبصیرت حاصل ہے وہ ہر قوم کے لیے ایسا نظام قائم کرتی ہے، جو اس کے مذاق سے میل کھاتا ہو، اس مہارت نے اس کو دنیا کی سب سے بڑی حکومت بنا دیا، جس مین کبھی سورج غروب نہین ہوتا اور اس کا رقبہ تیس ملین کیلومیٹر مربع میل سے کم نہین ہے، اور چارسو ملین نفوس کی آبادی پر مشتمل ہے، یہ ایک حکومت کیا ہے، بہت سی حکومتون کا مجموعہ ہے، جس کا رقبہ نہایت وسیع اور آبادی سے معمور ہے، رومن بھی اس سے بڑی اور اس سے زیادہ دولت مند حکومت کا تصور نہ لاسکے تھے، اس کے تمام راستے اور گذرگاہین بالکل مامون ہین، اور دنیا کی بڑی اہم آبناؤن خلیجون اور بندرگاہون سے بھری ہوئی ہین، اس کے پاس

ایک عظیم الشان بحری بیڑا ہے، جو صدیون سے تمام بڑی بڑی حکومتون مین سب سے زیادہ طاقتور ہے،

بیسوین صدی کے شروع مین روئے زمین کا کوئی حصہ باقی نہین رہ گیا تھا، جو یورپ

کی حکومتون کی تقسیم سے بچ رہا ہو، افریقہ اور جنوبی ایشیا تقسیم ہو چکے تھے، ایک چین کا ملک

یورپ کی حکومتون کی باہمی رقابت کی وجہ سے بچا ہوا تھا، اس کی فکر مین جاپان تھا، چنانچہ

وہ اس کے ان علاقون کو جو جاپان کے ہم سرحد تھے، نوآبادی بنانے، ان کو یورپ کی

حکومتون سے چھڑانے اور چین کے علاقون اور اپنے ملک سے ان حکومتون کو دُور

رکھنے کے لیے برابر ان پر قبضہ کرنے کی فکر مین رہا، اہل یورپ نے بارہا مشرق بعید کے

ملکون تک پہنچنے کی کوشش کی، اس سلسلہ مین چین و جاپان نے اپنی تہذیب سے زیادہ قدیم

تہذیب سے ٹکر لی، مگر اس مین زیادہ کامیابی نہین ہوئی، گذشتہ کئی صدیون سے سونے،

قیمتی پتھرون اور زمین کے نادر اور بیش قیمت ذخیرون اور پیداوارون سے فائدہ اٹھانے

کے لیے ہالینڈ، انگلینڈ اور فرانس مین جو رقابت اور کشمکش چلی آرہی تھی، وہ اس صدی مین

بہت بڑھ گئی، اور اب خشکی، تری اور فضائے آسمانی کے ایک ایک چپہ کے لیے کشمکش برپا ہے،

اگر گذشتہ جنگ عظیم نے یورپ کی حکومتون کو دوالیہ نہ کر دیا ہوتا، جس کے مہلک اثرات سے

ان کا تمدن ہی خطرہ مین پڑ گیا تھا، تو استعمار کا دائرہ اور بڑھ جاتا اور بہت سی قومین اس کے

پھندے مین پھنس چکی ہوتین،

جس طرح ہر قوم کی کچھ امتیازی خصوصیات ہوتی ہین، اسی طرح آجکل ہر نوآباد کار

حکومت کی خاص استعماری سیاست ہے، اور اس مین شبہہ نہین کہ استعمار ہر اس قوم

کے جوش و مستعدی کی نشانی ہے، جو دنیا مین بلند رتبہ ہونا چاہتی ہے، اور اس روحانی

اور اخلاقی نقصان کے مقابلہ مین جو استعماری حکومتون کو پہنچتا ہے، اس کو مادی فوائد

بہت زیادہ حاصل ہوتے ہین، اس لیے اگر ان کی تجارت کامیاب ہوجائے، اور انکے اشخاص یا کمپنیان دولتمند ہوجائین، اور استعماری حکومت کے بڑے عہدہ دار رشوت لین تو پھر یہ حکومتین روحانی نقصان کی پروا نہین کرتین، یورپ کے جن مصنفین نے استعمار کی تعریف کی ہے، انھون نے لکھا ہے کہ اس نے انسانیت کو بہت فائدہ پہنچایا ہے، مگر یہ مجمل بات تفصیل طلب ہے،

نوآبادیاتی ممالک اور جدید نوآبادکاری کے طریقے

اس مین شبہہ نہین کہ آج نوآبادیون کا بڑا حصہ تہذیب و تمدن کے راستہ پر گامزن ہے، لیکن نوآبادیات کا قیام و بقا اور اس کا تحفظ ان کے اصلی اور پرانے باشندون کی قوت پر منحصر ہے، اگر وہ کمزور ہین مثلاً سرخ اور سیاہ اقوام تو وہ سپید فام آریائی قوم کا مقابلہ نہین کرسکتے، اور طاقتور کمزور کو فتح کرلیا ہے، جیسا کہ افریقہ کے بہت سے علاقون مین ہوا، لیکن اگر نوآبادیات کے باشندے ترقی یافتہ اور متمدن ہین، مثلاً ہندوستانی[1] تو ان مین اور بیرونی اجنبیون مین برابر کا مقابلہ شروع ہوجاتا ہے، اس لیے کہ ملکی باشندون سے اجنبی حاکمون کی نیت مخفی نہین رہتی اور وہ اس کو خوب سمجھتے ہین کہ حاکم قوت اپنے خیالات اور اغراض و مقاصد کے مطابق ان کو تربیت دیگی تاکہ جتنی طویل مدت تک ممکن ہو ان سے فائدہ اٹھایا جاسکے، اور اس کی اور اس کی آنے والی نسلون کی حکومت اس سرزمین مین ہمیشہ ہمیشہ قائم رہے، اس لیے نوآبادیات کے حکمران اپنے محکومون کو ہمیشہ اپنی مرغوبات اور پسندیدہ چیزون کی تلقین اور اپنا ہم مذاق اور ہمرنگ بنانے اور اپنی قومیت مین ضم کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہین، ان کے دلون پر اپنی اور اپنی قوم کی عظمت کا سکہ بٹھاتے ہین اور ان کے

[1] ہندوستان نے نصف صدی کی جد و جہد کے بعد بالآخر ۱۹۴۷ء مین آزادی حاصل کرلی۔ "م"

دل ودماغ سے اپنی خواہش کے مطابق کام لینے کے لیے چاہتے ہین کہ محکوم اپنا ماضی بھول جائیں، اپنی قومی خصوصیات ترک کر دیں اور عموماً زندگی کے وسائل مین ان کا حصہ اسی قدر چھوڑتے ہین جس سے ان کی واجبی ضروریات پوری ہو سکین اور زندگی برقرار رہ سکے، شاذ ونادر ہی کوئی حکمران قوم کمزور اور بے بس قومون پر رحم کرتی ہے یہ امتیاز صرف عربون کو حاصل رہا ہے، جس کا اعتراف اس زمانہ کے یورپین علماء تک نے کیا ہے اور جب تک موجودہ تہذیب کی بنیاد تمامتر مادی رہیگی، اس وقت تک نوآبادکار حکومتون کی لوٹ مار پر تعجب نہ کرنا چاہیے، کیونکہ مادہ پرستون مین انصاف بہت کم ہوتا ہے، ایک امریکن مصنف کے بیان کے مطابق یہ لوگ اس راہ مین اخلاق فاضلہ کی کوئی قیمت نہین سمجھتے بلکہ اسکی تحقیر کرتے ہین، اور جب تک اصل مقصد حصول دولت اور جلب منفعت رہے گا، ان کا دماغ اس کے کسی وسیلہ کو بھی اختیار کرنے مین تامل نہ کرے گا، چنانچہ شمالی افریقہ پر قبضہ کے لیے لاطینی قومون نے جو کچھ روا رکھا جس مین عدل وانصاف کا کوئی شائبہ نہ تھا وہ اس کا ثبوت ہے،

ٹالسٹائے کہتا ہے کہ ہمارے زمانہ مین وطنیت کا جذبہ بالکل غیر فطری غلط اور نہایت مضر ہے، اور ہمارے اکثر اجتماعی امراض کا سبب جن سے دنیا چیخ اٹھی ہے درحقیقت یہی جذبہ ہے، عام اسلحہ بندی اور ہلاکت آفرین لڑائیون کا سبب ابھی یہی وطنیت ہے، اور انیسوین صدی کے نصف اول مین عام فوجی قانون نے ایسی غلامی جائز رکھی تھی جو پرانی غلامی سے بھی بدتر تھی، ان حکومتون کی بے حمیتی، سنگدلی، اور جنون اسی حد تک محدود نہین تھا، بلکہ انھون نے ہوائے نفس، غرور، اور حرص وطمع کی وجہ سے ایشیا، افریقہ اور امریکہ پر غاصبانہ قبضہ کرنے کے لیے آپس مین جھگڑنا شروع کیا اور

ان مین آپس ہی مین بدگمانی اور عداوت پیدا ہونے لگی، مغلوب قوموں کی تباہی اور بربادی ان کے نزدیک ایک معمولی بات ہوگئی تھی۔ ان کو صرف اس سے بحث تھی کہ کس قوم کو دوسری قوموں کی سرزمین پر قبضہ کرنے اور اس کے باشندوں کو مٹانے کا حق ہے، یہ تمام حکومتین تنہا مغلوب اور مفتوح قوموں ہی پر ظلم نہین بلکہ آپس مین بھی ایک دوسرے پر زیادتی کرتین اور بدباطنی، دھوکے، رشوت، مکروفریب اور جاسوسی، چوری اور قتل جیسے جرائم کی مرتکب ہوتی ہین، اور جو حکومت ان جرائم کا ارتکاب کرتی ہے، اس کی قوم اس کو شجاعت شمار کرتی، اس کی حوصلہ افزائی کرتی اور اس پر خوش ہوتی ہے، کچھ دنون سے مختلف قومون اور حکومتون مین دشمنی اور عداوت اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ ہر انسان یہ سمجھنے لگا ہے کہ تمام حکومتین ہر وقت دانت نکالے پنجہ پھیلائے تیار رہتی ہے کہ جس حکومت کو کمزور پائین اس کو کسی خطرہ اور مشقت کے بغیر چیر پھاڑ کر کھا جائین، وطنیت کیوجہ سے عیسائی قومین وحشت و درندگی کے اس درجہ کو پہنچ گئی ہین کہ یورپ اور امریکہ کے وہ باشندے بھی جو جنگ پر مجبور نہین ہوتے وہ بھی خونریزی کو پسند کرتے، اور کشت و خون سے خوش ہوتے ہین، اور جو لوگ تمام خطرات سے دور اپنے ملکون مین امن و سکون کے ساتھ بیٹھے ہوتے ہین، وہ بھی لڑائی چھڑنے کے وقت درندون کی طرح چیختے چلاتے ہین، اور شکست خوردہ لوگون کو ختم کر دینے کا مشورہ دیتے ہین"

اس مین شبہ نہین ہے کہ جو ملک نوآبادکار حکومتون کے قبضہ مین آگئے ہین، ان کو بدنظمی سے نجات مل گئی ہے، اور ان مین ایک طرح کا ضبط و نظام قائم ہوگیا ہے اور اس کے باشندے جدید تہذیب کی ان چیزون کو جو ان کے ذوق اور پسند کے مطابق ہوتی ہین، اختیار کر لیتے ہین، لیکن کیا ان کے ملک کی نعمتین ان کے لیے باقی رہ جاتی ہین؟

اور فاتح قومین ان کی قومی خصوصیات اور ان کے امتیازی وجوہ کو برقرار رہنے دیتی ہین؟ یہ مسئلہ نوآبادی نظام مین سب سے زیادہ اہم ہے، اس لیے کہ یورپ مین وہ تمام اوصاف اور اسباب و وسائل موجود ہین، جن کی حصول معاش کے مقابلہ مین ضرورت پڑتی ہے، ان کو حکومت کی قوت کا امتیاز حاصل ہے۔ اس کے مقابلہ مین ملکیون مین یہ اوصاف بہت کم ہوتے ہین، کیونکہ جدید تہذیب کی سحرکاریون کے اثر اور زندگی کے معاملات و مسائل مین دوسری قومون کی نقل و تقلید سے وہ حرارت کمزور پڑجاتی ہے جو مقابلہ کے لیے ضروری ہے، اور وہ ایسے ایک دوراہے مین پڑجاتا ہے جس سے نکلنے کا تیسرا راستہ نہین ہوتا یا وہ مغربی تہذیب کو اس کے مفید اور مضر اجزا سمیت قبول کرے یا اس سے بغاوت اور جنگ کرے، ان دونون صورتون مین ہلاکت و بربادی ہے۔

استعمار کی راہ مین صنعتی ملکون کے بڑے بڑے خطرات مول لینے کا سبب اپنے ملک کے لیے غذا، اپنے کارخانون کے لیے خام مواد اور تجارتی چیزون کے لیے منڈی کا حصول ہے۔ یورپ کی سرزمین ان کے باشندون کے لیے خصوصاً انیسوین صدی کے نصف اول کے بعد سے بہت تنگ ہوگئی ہے، ان کی تہذیب کی یہ تعلیم ہے کہ فائدہ کی تلاش مین قناعت سے کام نہ لینا چاہیے، بلکہ جہانتک ممکن ہو حرص و طمع کو وسعت دیجائے، مشرق کا وسیع ملک اور اس کی مادی دولت بے کار پڑی ہوئی ہے، اگر اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جائے، تو وہ نہ صرف اپنے اہل ملک بلکہ ان سے کئی گنی زیادہ تعداد کی کفالت کرسکتی ہے، جدید تہذیب اپنے اندر ایسی حرص و طمع اور تفوق و برتری کا جذبہ پنہاں رکھتی ہے، جس کو اس کی نرمی و ملاطفت کے ظاہری دعوی سے کوئی نسبت نہین، اور وہ اکثر بڑی سختی و درشتی اور ظلم و جور کا مظاہرہ کرتی ہے، اس کے مبلغون کے

دل اتنے سخت ہو گئے ہین کہ وہ کسی معاملہ مین بھی نرمی کا ثبوت نہین دیتے، اگر یورپ اس معنی مین عیسائی ہوتا جو معنی ہم اس مذہب کے سمجھتے ہین تو وہ اپنی حکومت کا قدم اپنے دائرہ سے باہر نہ بڑھاتا اور نہ اسکے سارے مظاہر دولت پر مشتمل ہوتے، جو شخص خود اپنے نفس اور اپنے قریب ترین لوگون پر رحم نہین کرتا، اس سے ہم اپنے لیے رحم کی توقع کس طرح کر سکتے ہین، یورپ کی قومون مین باہم گوناگون رشتے ہین وہ سب ایک ہی جنس سی تعلق رکھتی ہین، ایک دوسرے سے بہت قریب ہین، انکے طور طریقے اور وضع و اطوار اپنی اصل اور روح کے لحاظ سے ایک ہی جڑ کی شاخین ہین، اس کے باوجود گذشتہ جنگ عظیم مین انکا طرز عمل آپس مین ایک دوسرے کے ساتھ جیسا تھا وہ ہم سب کو معلوم ہے اور انھون نے جس سنگدلی کا برتاؤ کیا وہ انسانون نے اپنے دور وحشت مین بھی نہین کیا تھا،

ایسے شخص سے جس کو اپنی طاقت پر گھمنڈ ہو، دوسرون کے حقوق کی ادائیگی کا مطالبہ فعل عبث ہے، خصوصاً جب اس نے اپنے غلبہ و اقتدار کے لیے جانی و مالی قربانی بھی کی ہو اور ایسی سرزمین مین حکومت قائم کی ہو جس کو اپنے فائدہ کے لیے ترقی بھی دی ہو، آجکل کی فتوحات کا سب سے پہلا اور اصلی مقصد یہ ہوتا ہے کہ کمزور سے پہلے طاقتور فائدہ اٹھائے بلکہ قدرت کا یہ قانون ابتداے آفرینش سے جاری ہے، اس کے علاوہ بڑی قومین بھی فوجی اور سرمایہ دار طبقون کے زیر اقتدار ہوتی ہین، ان دونون کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نئی نئی فتوحات حاصل کرکے ان سے مسلسل فائدہ اٹھایا جائے اور اشخاص و افراد و جماعتون کی دولت پر قبضہ جماتے رہین، کہا جاتا ہے کہ بعض نوآبادیات کی آمدنی ان کے مصارف کے لیے کافی نہین ہوتی، یا کم از کم اس مشقت کا بدل نہین ہوتی، جو اس کے تحفظ کے لیے اٹھانا پڑتی ہے، اس کے باوجود یہ حکومتین اپنے با اقتدار فوجی سرمایہ دار طبقہ کے خوف سے نوآبادیون مین جمی رہتی ہین، اور ان مین اپنے حقوق کو مضبوطی سے قائم رکھتی ہین، اگرچہ سوشلسٹ

اور کمیونسٹ وغیرہ تخریبی سیاسی جماعتین جمہوری نظام کی دشمن ہین، اور ان کو درہم برہم کر دینا چاہتی ہین، لیکن ان کی اصل روح بھی رفتہ رفتہ استبداد کی شکل اختیار کرتی جاتی ہے، اور اگرچہ بظاہر ان مین دستوری نظام، پارلیمنٹ اور عوام کے سامنے جوابدہ وزارتین وغیرہ سارا تماشا ہوتا ہے، لیکن عام خیال ہے کہ حکومت کی یہ قسم سب سے زیادہ بے مایہ اور ناکام رہے گی،

مشرقی ملکون مین قدم جمانے کے جواز کے لیے بعض حکومتون کا یہ دعویٰ کہ "اس سے ان کا مقصد اقلیت کو اکثریت کے ظلم سے بچانا ہے"، اس زمانہ کی ایجاد ہے، جب نوآبادی نظام کا آوازہ پوری طرح بلند ہو چکا تھا، اور نوآبادکار اس کو قائم اور برقرار رکھنے کے لیے نوآبادیات مین مذہبی تعصب کی آگ اس لیے بھڑکاتے تھے کہ ایک فریق دوسرے کے مقابلہ مین ان کا معاون و مددگار بن جائے، وہ اپنے مبلغین کے ذریعہ ایک ہی ملک کے فرزندون مین اس لیے بغض و عداوت پیدا کرتے تھے کہ ان کے حسب منشا مختلف مذاہب کے ماننے والون مین توازن قائم رہے، اب یہ اصول مان لیا گیا ہے کہ کسی ملک پر اس کے سواد اعظم کی رائے کے بغیر حکومت نہین کی جا سکتی، لیکن اس کے باوجود رومانیا اور یوگوسلاویا مین جن کی آبادی ایک ہی قوم اور ایک مذہب کے لاکھون انسانون پر مشتمل ہے، اور جن مین ہزارون مسلمان بھی ہین، مگر ان کے ساتھ ان کے ہم وطنون کے سواد اعظم کی مرضی کے خلاف معاملہ کیا جاتا ہے،

استعمار نے ایک ہی قوم کے دل کے ٹکڑون مین اختلاف پیدا کر دیا ہے، بربر اور عربون مین جن کا مذہب اور جن کی زبان ایک ہے، اختلاف پیدا کیا، ایک ہی ملک کے مسلمانون اور عیسائیون مین پھوٹ ڈلوائی، مسلمانون، بت پرستون اور

برہمیون مین تفریق پیدا کی، بھائی کو بھائی سے اور بیٹے کو باپ سے لڑایا، سرخ، سیاہ اور سپید قومون مین جدائی پیدا کی۔ مگر اس کے باوجود بعض ملکون کو استعمار کے اس قسم کے اثرات سے نجات مل گئی، چنانچہ جمہوریہ لیبریا کے بارہ لاکھ مسلمان، تین لاکھ عیسائی اور پانسو یورپین ایک خاندان کے ارکان کی طرح اتحاد و اتفاق کے ساتھ رہتے ہین اور مذہب کا اختلاف وطنی معاملات مین ان مین کوئی اختلاف نہ پیدا کرسکا۔

جب کوئی مقصد ان استعماری حکومتون کے پیش نظر ہوتا ہے، تو اس کے حصول کے لیے وہ ہزارون دلیلین پیدا کرلیتی ہین، اس کے ثبوت مین دو متمدن ترین حکومتون برطانیہ اور فرانس کی مثالین ہمارے سامنے ہین، جن کا دوسری حکومتون کے مقابلہ مین اسلام اور مشرق سے بہت زیادہ علاقہ رہا ہے۔ فرانس نے جب گذشتہ صدی مین اپنے پڑوسی انگلستان پر برٹش انڈیا مین زد لگانا چاہی تو اس مقصد کے حصول کی خاطر مصر کے لیے بہت کچھ کیا مگر شمالی افریقہ والون کے لیے کچھ نہین کیا اور اپنے مصالح کے پیش نظر ان کو ایک دائرے مین محدود رکھا، اس سے آگے بڑھنے نہین دیا، اسی طریقہ سے انگلستان نے بھی اسی صدی کے شروع مین مصر کی دستگیری کی جس سے اس کا نظام درست ہوگیا، اس کی زراعت مین ترقی ہوئی، اس کا مالی نظام بھی مرتب ہوگیا اور جب اس کی برتری کے سارے سامان فراہم ہوگئے۔ اس وقت برطانیہ نے اسکی مکمل آزادی مین یہ عذر کیا کہ اگر اس کو آزاد کردیا گیا، تو اس کو دوسری قومون کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ آزادی کے خلاف اس قسم کے اور دلائل بھی دیے اور واقعہ صرف یہ تھا کہ مصر ہندوستان کا راستہ ہے، اس لیے وہ اس کو کسی دوسرے کے ہاتھ مین دینا نہ چاہتا تھا۔

فرانس، اور انگلستان نے جن ملکون کو نوآبادی بنایا، ان مین سیاسی اور تعلیمی پالیسی

تقریباً دونوں کی یکساں تھی، جن کے ذریعہ بڑے طویل تجربوں کے بعد ان کو بہت سے فوائد حاصل ہوئے، اور جو اس محنت و مشقت کا بدل تھے، جو انھوں نے نوآبادی بنانے مین صرف کی تھین، ان منصف مزاج فرانسیسی اور انگریز مصنفین نے بھی جو فرقہ پروری اور مذہب کے اثرات سے متاثر نہیں ہین، اپنی کتابون اور اخبارات مین ان استعماری طریقون پر سخت تنقید کی ہے، مثلاً الجزائر مین فرانسیسیون کی سیاست دو محورون پر گردش کرتی ہے، ایک یہ کہ ملک کی زمینین ان کے اصل مالکون کے ہاتھ سے چھین کر نوآبادکارون کو دیدیجائین تاکہ اصل باشندے ملک چھوڑ کر صحرائی علاقون مین نکل جائین دوسرے عربون کو فرانسیسی طرز کی تعلیم دیجائے جس سے وہ ظاہر و باطن دونون پہلوؤن سے فرانسیسی بن جائین، مگر یہ دونون طریقے ناکام رہے، اس لیے کہ جو زمین ملک کے باشندون سے چھین کر نوآبادکارون کو دیگئیں[۱]، وہ ایسے آفاقیون کے ہاتھون مین چلی گئین، جو زراعت سے اتنی ہی واقفیت رکھتے تھے جتنی ہم لوگ سنسکرت زبان سے رکھتے ہین، اور جب اہل ملک نے دیکھا کہ ان کی املاک ان کے قبضہ مین نہین رہنے پاتی تو انھون نے اس کی نگہداشت مین بھی بے توجہی شروع کردی، اس لیے حکومت اور ملک کو دو حیثیتون سے نقصان پہنچا، ایک زمینون کے نئے مالکون کی ناتجربہ کاری اور دوسرے ملکیون کی بے توجہی جس سے دونون مین عداوت کی آگ بھڑک اٹھی، اور ایسے غیر منصفانہ واقعات و حوادث پیش آئے جن سے جبین حیا عرق آلود ہوجاتی ہے اہل ملک کے ہاتھون سے ان کی ملکیت نکل جانے کی وجہ سے نہایت سخت فقر و افلاس پھیل گیا، جس سے ملک مین ایک عام اضطراب پیدا ہوگیا[۲]، کیونکہ

---

[۱] نفسیات سیاسی لیبان [۲] عرب اور اسلام کی بیداری اجین یونگ۔

ملک کے اصلی باشندون کی تعداد فرانسیسی، اٹالین اور اسپینی نوآباد یورپینون کے مقابلہ مین چھ گنی تھی[1]، اور ملک کی مجموعی زمینون کا صرف نصف رقبہ ملکیون کے پاس رہ گیا تھا، اور نصف جو زیادہ آباد اور سرسبز و شاداب تھا نوآباد کارون کے قبضہ مین چلا گیا، تین مشہور مورخ جبل، مارسیہ اور ایفر اپنی کتاب تاریخ الجزائر مین لکھتے ہین کہ "الجزائر مین زمین کا جس قدر حصہ ملکیون کے ہاتھ سے نکل کر نوآباد کارون کے قبضہ مین گیا ہے، اس کا مجموعی رقبہ (۱۶۰۰۰) ایکڑ ہے، یعنی قابل زراعت پانچ حصون مین سے دو حصے نوآباد کارون کے قبضہ مین چلے گئے، یہ نہ صرف عقل و دانش کے خلاف ہے بلکہ انسانیت کی کمی کا ثبوت ہے کہ ملکیون کی مملوکہ زمینون کا رقبہ گھٹا کر اس کو نوآباد کارون کی ملک بنا دیا جائے،

تعلیم و تدریس وغیرہ کے ذریعہ بھی فرانس کو کوئی خاص فائدہ حاصل نہین ہوا، اس لیے کہ جن ملکیون نے خالص فرانسیسی طرز کی تعلیم حاصل کی وہ ان کے دل و دماغ سے میل نہین کھاتی تھی، اس سے نہ ان کی ذات کو کوئی فائدہ پہنچا اور نہ دوسرون کو، زیادہ سے زیادہ اس تعلیم و تربیت کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ اپنے قومی عادات و خصائل اور مقدس چیزون کو چھوڑ کر اس مثل کی مصداق بن گئے کہ کوا ہنس کی چال چلکر اپنی چال بھی بھول گیا، جزائریون کے معاملات و مسائل پر بحث و تحقیق کرنے والے یورپین علماء نے بڑے وثوق کیساتھ اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ ان مین سے جن لوگون نے اس تہذیب کو اختیار کیا ہے، ان کے حصہ مین صرف نفاق، چالاکی اور قدیم چیزون کا تمسخر و استہزا آیا، اور اس جدید

[1] الجزائر مین نوآباد یورپینون کی تعداد ۹ لاکھ ۲۵ ہزار، اور مسلمانون کی ۶۰ لاکھ سے اوپر تھی، تونس مین یورپینون کی تعداد ایک لاکھ اسی ہزار اور مسلمانون کی بیس لاکھ سے اوپر ہے،

تہذیب نے ان کو صرف اپنی بدترین چیزین سے نوشی وغیرہ دین، کسی قوم کا اپنی عقلی و فطری ترکیب کو بدل کر دوسری قوم کی ترکیب کو اختیار کر لینا بہت دشوار امر ہے، یہ مسلّم ہے کہ جب دو مختلف و متضاد تہذیبون کو ایک ساتھ چلانے کی کوشش کیجائے گی، تو دونون مین تعارض پیدا ہو جائے گا، اور وہ آپس مین کبھی نہ مل سکین گی، جن فاتح قومون نے دوسری قومون کو اپنی تہذیب سے متاثر کیا ہے، ان کے بہت سے جذبات و تصورات اور عقائد و خیالات آپس مین ملتے جلتے ہوئے تھے، مثلاً مشرقی قومین اپنی ہم جنس دوسری مشرقی قومون کو جس قدر متاثر کر سکتی ہین، اتنا مغربی اقوام متاثر نہین کر سکتین، مشرق مین عربون کے غیر معمولی اثر و نفوذ کا راز یہی تھا، افریقہ اور چین مین بھی ہمیشہ ان کے اثرات رہے ہین، اور وہ جہان جہان گئے ہر مقام پر اپنی تہذیب کے اہم عناصر یعنی مذہب، زبان اور عادات و خصائل کی اشاعت مین آسانی سے کامیاب ہو گئے، افریقہ مین بغیر کسی خاص کوشش کے اسلام روز بروز پھیلتا جاتا ہے، ان کے مقابلہ مین یورپین مبلغین اپنے مذہب کی تبلیغ مین بڑی سختی اور سنگدلی سے کام لیتے ہین" یہ لیبان کی رائے ہے اس کے بعد وہ لکھتا ہے کہ "فرانس نے اخلاقی حیثیت سے مسلمانون کو اپنا پیرو بنانے کی جو پالیسی اختیار کی ہے، وہ سختی مین ان طریقون کے مشابہ ہے، جو امریکنون نے اپنے ملک کے نگیون کے ساتھ اختیار کیے ہین، جنھون نے ان کی وہ شکارگاہین تک چھین لی ہین، جن سے وہ اپنا پیٹ پالتے ہین، اس طرح انھون نے ان کو بھوکون مرنے کی پوری آزادی دیدی ہے،

فرانس نے اس طمع مین کہ اس کے محکوم اپنی زبان اور اپنے عادات و خصائل چھوڑ کر فرانسیسی بن جائین، انھین اپنی زبان کی تعلیم دینے مین بڑی زیادتی سے کام لیا ہے،

چنانچہ جن لوگون نے اس قسم کے مدارس و اساتذہ سے تعلیم پائی ہے، وہ مخلوط تعلیم کی وجہ سے نہ عرب رہ گئے اور نہ فرانسیسی بن سکے۔ کسی قوم کی ترقی اس کی زبان کے بغیر تصور ہی مین نہین آسکتی۔ اس لیے جو لوگ کسی قوم کی بھلائی چاہتے ہین ان کو اس کی قومی عقلیات کے حدود کے اندر ترقی دینے کی کوشش کرنا چاہیے، اس پر ایسی تعلیم و تربیت مسلط نہ کرنا چاہیے جو اس کے قومی عادات و خصائل اور مزاج کے خلاف ہو، جب کسی قوم کو ان چیزون کے چھوڑنے پر جو اس کے مناسب حال ہین اور ان چیزون کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا، جو اس کے مزاج سے موافقت نہین کر سکتین تو یہ سخت بد دیانتی ہوگی"۔ ایفر لکھتا ہے کہ "۱۸۳۰ء مین جزائریون کو فرانس کے قالب مین ڈھالنے کی جو کوشش کیگئی تھی وہ ناکامیاب ہو چکی ہے۔ اس لیے اب ان کی ملکی ذہنیت مین بنیادی تبدیلی پیدا کرنے کا خیال بدل دینا چاہیے، اور مسلمانون کو ان کی تہذیب کے دامن مین نشو و نما اور ترقی دینے کے مسئلہ پر غور کرنا چاہیے، لیکن اس کام کے لیے صبر و استقلال کی ضرورت ہے اور اس کے نتائج ایک مدت کے بعد ظاہر ہون گے"[1]، اور عام فرانسیسی اور عرب متکلمین کی رائے یہ ہے کہ شمالی افریقہ مین عربی اور فرانسیسی زبان کی تعلیم کو ایک درجہ مین رکھنا چاہیے۔

ہندوستان مین انگریزون کی تعلیمی پالیسی بھی فرانسیسیون کی پالیسی کے مطابق ہے ان کے حکام ہندوستانیون کے دلون مین اپنی تہذیب کی عظمت کا سکہ بٹھانے کے لیے ان کو یورپی زبانون اور مغربی افکار و تصورات کی تعلیم و تربیت دیتے تھے، اور ۱۸۳۶ء مین یعنی جب انگریزون نے ہندوستان مین اسکول، کالج، اور یونیورسٹیان، کلب اور سوسائیٹیان قائم کرنا شروع کین تو ان مین ہندوستانیون کو اپنی زبان اور اپنی تاریخ پڑھانے

---

[1] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام الجزائر۔

اپنے طریقۂ فکر کی تعلیم اور مغربی تربیت کے طریقون کی تلقین کے لیے جن کی مطابقت ہندوستانیون کے مذاق و مزاج سے بہت دشوار ہے، ہندوستانیون کی بڑی دولت صرف کی، اور جن لوگون نے ان تعلیم گاہون سے فائدہ اٹھایا ان کی بہت سی قابل احترام چیزون اور قومی عادات و خصائل کو انگریزون نے ان کے دلون سے مٹا دیا، اور ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا، ان کو حکومت کے دفترون، ریلوے کارخانون اور بجلی وغیرہ کے محکمون کے لیے ہزارون کلرک مل گئے، جن کو جزائر برطانیہ سے لانے مین اس کی بیس گنی مشقت اٹھانا پڑتی، ہندوستانیون کے اس طبقہ نے انگریزی تربیت کے اثر سے اپنے وہ عقائد تک چھوڑ دیے جو ان کے گوشت پوست مین سرایت کیے ہوئے تھے، اس طبقہ کو اس کے اہل وطن ہمیشہ نفرت و کراہت کی نظر سے دیکھتے ہین، کیونکہ یہ ریا اور مکر و فریب کا مجسمہ ہے، اپنے ہم قومون کے خلاف جھوٹے مقدمات کھڑے کرتا اور ان پر زیادتی کرتا رہتا ہے، بے حیائی، بخل اور بد اخلاقی مین مشہور ہے، اور اپنے ارباب اقتدار آقاؤن کے علاوہ اور کسی کو خاطر مین نہین لاتا، مگر جب انکو کمزور پاتا ہے تو ان کے ساتھ بھی بدل جاتا ہے،

ان تمام کوششون کے باوجود جو انگریز ایک صدی تک اپنی تہذیب پھیلانے کے لیے ہندوستان مین کرتے رہے، کرورون ہندوستانیون مین چند لاکھ سے زیادہ انگریزی بولنے والے نہین ہین، انگریز ہندوستانیون کو اپنے رنگ مین رنگنے کی جتنی زیادہ کوشش کرتے ہین اتنی ہی ان کی سختی اور زیادہ بڑھتی ہے، اور وہ ان سے گلوخلاصی کے لیے کوشش کرتے ہین، مشہور انگریزی شاعر کپلنگ نے کہا ہے کہ "مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب، دونون مین کوئی چیز مشترک نہین ہے، وہ دونون ایک دوسرے کی

مذہب ہیں۔ اور کبھی آپس میں نہیں مل سکتے" مشرق اور مغرب کے فرزندوں میں حقیقی الفت ومحبت استوار دوستی اور کامل اعتماد کا پیدا ہونا بہت دشوار ہے، کیونکہ دونوں مختلف زبانیں بولتے ہیں اور ایک کی زبان دوسرا نہیں سمجھ سکتا، مشرقیوں اور مغربیوں کے درمیان ہمیشہ تعلقات کی بنیادی کمزوری کا سبب ان دونوں میں الفت ومحبت کا فقدان اور اتحاد واتفاق کی کمی رہی ہے،

ایک سیاست دان انگریز مفکر کا خیال ہے کہ" ہندوستانی قوم ہمیشہ اپنے ماضی سے وابستہ اور اس کا نمونہ رہے گی، مغرب کے اثرات اس پر بہت کم پڑیں گے" ایک فرانسیسی محقق لکھتا ہے کہ" ہندوستان میں برطانوی حکومت کی قوت کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ہندوستان میں سکھ، مسلمان، مرہٹہ، ہندو اور برہمی[1] وغیرہ مختلف فرقے آباد ہیں، جو قومیت، مذہب اور عادات وخصائل میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اس لیے ان میں ہمیشہ رشک ورقابت رہتی ہے،

ہندوستان میں مختلف زبانوں میں جو شورشیں اور بغاوتیں انگریزوں کے خلاف ہوتی رہیں، خصوصاً ترک موالات کی گذشتہ تحریک جس میں انگریزوں کو بڑا مادی اور روحانی نقصان اٹھانا پڑا وہ اس کا ثبوت ہیں کہ انگریزوں نے ہندوستانیوں کو ترقی دینے اور ان سے فائدہ اٹھانے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ غلط ہے، انھوں نے ہندوستان کو اپنی کھیتی، گودام، دوکان، اور گھر سمجھ رکھا ہے، مگر وہ ہندوستانیوں کے دلوں کو مسخر کر سکے اور نہ ان کو ان پر اخلاص وصداقت کا یقین دلا سکے۔ اور ہندوستانیوں کو

[1] اس فرانسیسی مصنف کو ہندوستان کی قوموں اور فرقوں کا پورا علم نہیں ہوا اس نے برہمیوں کو بھی ہندوستانیوں میں شامل کر لیا ہو اور مرہٹوں اور ہندوؤں کو دو جدا فرقے قرار دیا ہے۔ م

اس کا یقین ہے کہ انگریزون کی ساری کوششون اور مشقت کا مقصد ہندوستانی طبقون کو محتاج بناکر اپنی قوم کے افراد کو دولت بنانا ہے، اور ایک ہندوستانی کتنا ہی مہذب اور ترقی یافتہ کیون نہ ہو جائے، انگریزون کی نگاہ میں ہمیشہ ذلیل وپست رہے گا، وہ اسکو نہ اپنے ساتھ کھلائے گا نہ بٹھائے گا اور نہ دوست بنائے گا، نہ اس کے ساتھ زندگی بسر کرے گا اور کلبون، ہوٹلون اور ریلون وغیرہ میں بھی ان کے ساتھ بیٹھنا پسند نہ کریگا۔

ہندوستان مین جو دولت وثروت، فقر وافلاس اور علم وجہالت کے اعتبار سے متضاد، اور آبادی کے طبقات، فرقون، مذاہب اور زبان کے لحاظ سے بڑا متنوع ملک ہے، انگریزون کی یہ پالیسی ہے، گو بعض لوگون کا خیال ہے کہ اس کے مقابلہ مین جاویون کے ساتھ ہالینڈ کی پالیسی نرم ہے، اور وہان حاکم ومحکوم میں وہ نفرت انگیز فرق وامتیاز نہیں ہے، جو انگریزون اور ہندوستانیون کے درمیان ہے، وہ ایک دوسرے کے ساتھ شادی بیاہ کرنے مین بھی تامل نہیں کرتے، اس کا یہ طرز عمل منصفانہ اور بہتر ہے جب سے ڈچون کے علاوہ دوسری نوآباد کار قومیں خالی ہیں، ڈچون نے جزائر شرق الہند کے باشندون سے زیادہ قریب ہونے کے لیے تنہا ازدواجی تعلقات کے قیام پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اور بہت سے معاملات مین ان کا طرز عمل انگریزون اور امریکیون سے مختلف ہے، جو یہ نہین سمجھتے کہ دراصل یہی طرز عمل، حسن سلوک اور دل کی صفائی کا سب سے بڑا ثبوت ہے، جاوی کلبون اور دوسرے اجتماعون مین بے تکلف ڈچون سے ملتے جلتے ہیں، اور اس میل جول مین ان کا اعزاز واحترام ڈچون سے کم نہین ہوتا، اور وہ سب بھائی بھائی کی طرح مساوات کے ساتھ رہتے ہین،

اس لحاظ سے ہالینڈ کے استعمار کا یہ پہلو بہت نرم ہے، اس کے علاوہ ڈچون نے

اگرچہ جاوا اور سماٹرا میں زراعت کو بڑی ترقی دی، اور اس کی آبادی کی کثرت کے باوجود اس کی صحت و آرام و آسایش کے سامان فراہم کئے، تاہم اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ ملک کا سارا نظام ڈچون کے ہاتھون مین ہے، اور ملکی باشندون کی حیثیت ایک کم اجرت کے مزدور کی ہے، اور دولت و ثروت کے سارے وسائل و ذرائع ڈچون کے خزانہ اور ان کی جیبون مین جاتے ہین، اور اس حیثیت سے ڈچ بھی جاوا کو اس نظر سے دیکھتے ہین، جس نظر سے انگریز ہندوستان کو دیکھتے ہین، یعنی ان کا دولت مند طبقہ اس کی پیداوار سے دولت حاصل کرتا رہے، اس لیے انھون نے جاوا کو ایک ایسا سرچشمہ اور خزانہ بنا دیا ہے جس کی پیداوار کبھی کم نہین ہو سکتی، ڈچون نے جاوا کے مسلمانون کے ساتھ جن کی بہت بڑی اکثریت ہے، اس خطرہ سے بہت معقول ومناسب برتاؤ رکھا ہے، کہ وہ ان سے بگڑ کر ان کو نکالنے پہ آمادہ نہ ہو جائین، چنانچہ وہ زندگی کے تمام شعبون مین بڑی نرمی کے ساتھ ان کو قریب لانے کی کوشش کرتے ہین اور ان پر تعلیم کے دروازے نہ بالکل بند کیے ہین اور نہ اس کو عام رکھا ہے۔

یورپ کی دوسری نوآبادیاتی حکومتون جرمنی، پرتگال، روس، بلجیم اور اٹلی وغیرہ کی پالیسی ان کی نوآبادیات کے ساتھ آپس مین ملتی جلتی ہوئی ہے، مگر روس کا طرزعمل مسلمانون کے ساتھ اتنا ہی سخت ہے، جتنا قرون وسطی مین تاتاریون کا روسیون کے ساتھ ان پر غلبہ کے زمانہ مین تھا کاسٹلنو اپنی تاریخ مین جو اس نے قیصر الگزنڈر اول کے سامنے پیش کی تھی، اور جس مین ان واقعات کو بیان کیا گیا تھا، جو کریمیا پر روسیون کے قبضہ کے زمانہ مین پیش آئے، لکھتا ہے کہ "اس حملہ مین روسیون نے شرافت کا مطلق ثبوت نہین دیا، انھون نے کریمیا کو جلا کر خاکستر کر دیا، اس قسم کے واقعات انسانون کے دور وحشت مین تو معاف

کیے جا سکتے ہین کیونکہ انھون نے ایک جہالت کا ارتکاب کیا تھا، لیکن اٹھارہوین صدی مین شہرون کو جلانے کارخانون اور عمارتون کو برباد کرنے، عبادت گاہون کو ڈھانے اور ان کتابون کو جن سے ایک قوم فائدہ اٹھاکر اپنا دل و دماغ روشن کرتی ہو، تلف کر کے اس کو جہالت کی تاریکی مین مبتلا کرنے، بوڑھون، بچون اور عورتون کو آگ مین جلانے کا مقصد محض جنگ نہین، بلکہ ایک پوری قوم کو تباہ و برباد کرنا ہے۔"

آج موجودہ سویٹ حکومت بھی یہ چاہتی ہے کہ مسلمان اپنے اوضاع و اطوار اور عادات و خصائل بدل کر اپنے دوسرے ہم وطن روسیون مین ضم ہو جائین۔

جرمنی کی سیاست بھی اس بارہ مین سخت ہے، اس نے گورے چمڑے والون کو آباد کرنے کیلئے ہر ورو س کے قبائل کو بالکل مٹا دیا، زنگیون کو مٹانا تو مغربی تمدن کے قواعد مین ہے، ٹرنسوال مین کالے مزدورون کی موت کا اوسط فی صدی ۲۸ ہے، ان مین آدھے جگر اور نیند کی بیماری مین مرتے ہین، بلجیم کا استعمار بہت زیادہ سخت اور ظالمانہ ہے، مگر امریکن استعماری سیاست مین جزائر فلپائن وغیرہ مین ملک کے باشندون کے مصالح کا بھی لحاظ رکھتے ہین، انھون نے اس جزیرہ کے مسلمانون کی ترقی مین بھی جنکی تعداد بیس لاکھ ہے مدد کی اور ان کو جہالت سے نکال کر تعلیم و تمدن سے آشنا کیا حالانکہ ان ہی جزائر مین اسپین اپنے طویل دور حکومت مین سخت زیادتیان اور انکے باشندون کو ذلیل کرتا رہا، ان کو رومن کیتھلک مذہب اختیار کرنے پر مجبور کیا اور جب انھون نے انکار کیا تو ان کی مسجدین اور مکانات مسمار کر دیے اور امریکیون کے زمانہ مین ان کی ایک تہائی تعداد تعلیم یافتہ ہوگئی انھون نے مدرسے قائم کیے اور ہر طرح کی آزادی سے پورا فائدہ اٹھایا، ولایات متحدہ شمالی امریکہ کے امریکہ غیر متمدن

ملکون کے عیسائی مبلغین پر کچھ صرف نہین کرتے، اس کے مقابلہ مین دوسری استعماری قومین، اپنی نوآبادیات مین استعماری اغراض کے حصول کے لیے مقدمۃ الجیش کے طور پر سب سے پہلے مذہبی تبلیغ کا کام شروع کرتی ہین، اور مبلغین کو اپنے اغراض کے حصول کا ذریعہ بناتی ہین، بعض لوگون کا قول ہے کہ تبلیغ کے مال کی کھپت خود ان کی سرزمین مین نہین ہے، اس لیے وہ صرف دوسرے ملکون مین دساور کیا جاتا ہے،

اجتماعیات، سیاسیات اور فن تعلیم کے یورپین فضلا نے اس تعلیم کے نتائج پر جو یورپ اہل مشرق کو دینا چاہتا ہے تفصیلی بحث کی ہے، جن علما نے اس کی جانب یادہ توجہ کی ہے، اور اس کے اسباب و نتائج کے مطالعہ کے لیے مشرقی ملکون کا سفر کیا ہی اور اہل یورپ اور عربون کے کامون کا موازنہ کیا ہے، ان مین ایک لیبان بھی ہے، وہ لکھتا ہے کہ "یورپی تہذیب سے غیر یورپینون کی نفرت کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ جدید تہذیب ایک طویل ماضی کے نشو و ارتقا کا نتیجہ ہے، اور اہل یورپ بتدریج اس درجہ تک پہنچے ہین، اور اس کے لیے ان کو بہت سی درمیانی منزلین طے کرنا پڑی ہین، اس لیے جو شخص کسی قوم کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ یہ ساری منزلین اکبارگی طے کرلے وہ بندۂ اوہام ہے، اور اس کی مثال اس شخص کی جیسی ہے جو یہ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد شباب کا زمانہ پورا کرنے سے پہلے ہی کمال تک پہنچ جائے، اس کے مقابلہ مین عربی تہذیب مین ایسی چیزین ہین جن کا اختیار کرنا مشرقیون کے لیے آسان تھا، مشرقی اہل یورپ کی بہت سی ضرورتون سے بے نیاز ہین، وہ تھوڑے پر قناعت کرتے ہین، سادہ لباس پہنتے ہین، اس کے مقابلہ مین مغربی تہذیب کی ضروریات مصنوعی ہین جنھون نے اہل یورپ کو ایک اضطراب اور بےچینی مین مبتلا اور غیر معمولی

جد و جد کرنے پر مجبور کر دیا ہے، جس کو اہل مشرق ناپسند کرتے ہیں، چنانچہ ایک یورپین کاریگر کے مقابلہ مین ایک چینی کاریگر کی فوقیت کا سبب یہ ہے کہ اس کی ضروریات زندگی بہت کم ہوتی ہیں اور صنعت و کاریگری اس کی فطرت مین داخل ہوتی ہی، اسی لیے امریکہ اور اسٹریلیا اپنے ملکون مین ان کا داخلہ بند کرنے پر مجبور ہو گئے، چونکہ اہل مشرق و اہل مغرب کی ضروریات زندگی مین بڑا اختلاف ہے اس لیے دونون کے احساسات میں بھی بڑا فرق اور ہمارے ان کے سوچنے کے طریقون مین بڑا بعد ہو گیا ہے، ایشیائی مغربی تہذیب کی وجہ سے اہل یورپ پر کوئی رشک و حسد نہیں کرتے، خصوصاً جن لوگون نے یورپ کو دیکھا ہے وہ مشرق مین مغربی تہذیب کی اشاعت مصیبت عظمیٰ سمجھتے ہین، اور اس پر ان کا اتفاق ہے کہ جب تک اہل مشرق کا اہل مغرب سے اختلاط نہیں ہوا تھا اس وقت تک ان کی حالت زیادہ بہتر رہی اور وہ رکھ رکھاؤ اور وقار اور ادب و تہذیب میں اہل مغرب سے زیادہ بہتر تھے، اس کے بعد وہ لکھتا ہے کہ "آج مغربی تہذیب کی خوبیون سے اہل مشرق کی نفرت کا سبب متمدن قومون کا مکر و فریب اور ان کے وہ مکروہ و ناپسندیدہ اعمال ہین جو تہذیب کے معیار سے بہت گرے ہوئے ہین، اور غیر متمدن لوگون کے ساتھ نام نہاد مہذب لوگون کا طرز عمل ہے جنھون نے ان کو بالکل مٹا دیا اور ان کی نسل اور قوم کا خاتمہ کر دیا، چنانچہ متمدن ہی قومون نے امریکہ اور اوقیانوس کی غیر متمدن قومون کو مٹایا اور امریکہ کے انڈین بالکل برباد کر دیے اور تسمانی قبائل کا نام و نشان باقی نہیں رہا، اہل یورپ کا وحشی قومون کے ساتھ جو طرز عمل ہے اس مین لطف و مدارات کا کہیں گذر نہیں، مشرق کی مہذب قومون چینیون اور ہندوستانیون کے ساتھ بھی ان کا طرز عمل اچھا نہین ہے، جو شخص بھی مشرق مین جائے گا وہ دیکھے گا کہ کمزور سے کمزور یورپین بھی اپنے

متعلق یقین رکھتا ہے کہ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے وہ بالکل جائز اور صحیح ہے. ایک طرف تو اہل مشرق مثلاً ہندوستان اپنی دولت سے براہ راست خود فائدہ نہیں اٹھا سکتا. دوسری طرف یورپ ٹیکسوں کے ذریعہ ان کے ہاتھوں سے روٹی کا آخری ٹکڑا بھی چھین لیتا ہے اور تجارت مین ایسے پر فریب طریقے اختیار کرتا ہے جسمیں حیا و غیرت کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا جس سے تمدن کے دعویداروں کے چہرہ کا ملمع بالکل جلد اڑ جاتا ہے، اور اہل یورپ مشرقی ملکون مین اپنے تمام اوصاف حسنہ کھو دیتے ہین اور اخلاقی پستی مین ان لوگون کے معیار سے بھی نیچے اتر آتے ہیں جن سے وہ فائدہ اٹھانا چاہتے ہین، اگر مشرق کے ساتھ تعلقات مین بھی یورپین تاجرون کے ملکی قوانین نافذ کیے جائین تو ان سے بہت کم سخت سزاؤن سے بچ سکیں گے۔"

لیبان نے اہل مغرب کے ساتھ اہل مشرق کی نفرت اور جدید تہذیب سے انکی بدگمانی کی جو توجیہ کی ہے اس کی مثالین بھی دی ہین، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "انیسوین صدی مین مشرق کے ساتھ مغرب کے تعلقات کے سلسلہ مین جو حوادث پیش آئے وہ تاریخ کے بدنما ترین صفحات ہین، زمانۂ مستقبل کے لوگ ان تباہ کن لڑائیون کے بارہ مین کیا کہیں گے جو انگریزون نے چین مین محض اس لیے برپا کین کہ چینیون کو افیون کے استعمال پر مجبور کیا جائے، ان لڑائیون مین چھ لاکھ چینی سالانہ محض اس لیے ہلاک کیے جاتے تھے کہ انگریزون کو اس ذلیل اور نفرت انگیز تجارت کے ذریعہ ڈیڑھ سو ملین سالانہ آمدنی ہوتی تھی، لطف یہ ہے کہ دوسری طرف انگریز ہی چینیون مین اخلاقی فضائل پیدا کرنے کے لیے مبلغین بھیجتے تھے، چینی ان سے کہتے تھے کہ تم ہی ہم کو تکلیف دیتے اور ہلاک کرتے ہو اور پھر تم ہی فضائل اخلاق کی تعلیم دینے کے لیے آتے ہو"۔ اسلیے مشرقی ایسی تہذیب قبول کرنے سے اعراض کرتے ہین جو ان کے افکار و احساسات اور ضروریات سے مطابقت نہیں کرتی، اس کے بعد کون شخص ان کو ایسی تہذیب کے قبول

کرنے پر مجبور کر سکتا ہے، جس مین ان کے لیے بہت بھلائی ہے"۔ اس کے بعد لکھتا ہے کہ
"اس کے مقابلہ مین جب عربون نے مشرق کو فتح کیا تو ان کی فتوحات مین اس قسم کی برائیان
نہ تھین اس لیے کہ وہ خود مشرقی تھے، اور ان کے اور ان کے مفتوح و محکوم مشرقیون کے
جذبات و رجحانات اور ضروریات آپس مین ملتی جلتی ہوئی تھین، پہلے عربون نے ہندوستان،
ایران اور مصر پر قبضہ کیا، ان کے بعد مغل اور ترک ان ملکون پر قابض ہوئے، مگر ان کے
باشندون کو اپنی تمام خصوصیات بدل دینے کی ضرورت نہین پیش آئی، اس کے برخلاف
جب اہل یورپ سے ان قومون کا تصادم ہوا تو وہ اپنے عادات و خصائل بدلنے پر
مجبور ہو گئین، ان مین سے جو قومین بہت کمزور تھین، مثلاً ہندوستانی، ان کے حصہ مین بدبختی
اور بغاوت آگئی، جو یاس و ناامیدی کا لازمی نتیجہ ہے، طاقتور قومون کا کمزورون کے ساتھ
یہ حال رہا ہے، دوسری قومون کو متمدن بنانے کے دعوی کے علاوہ نئی قومین اور بھی بڑے
بڑے حوصلے رکھتی ہین، اور آجکل مختلف قومون کے درمیان تعلقات کے جو الفاظ استعمال
کیے جاتے ہین، وہ عدل و انصاف کے معنون سے بالکل خالی ہین، اور ان کی کوئی قیمت
نہیں ہوتی، وہ محض پر فریب الفاظ ہین جن کا استعمال ہی کسی انسان کے لیے جائز نہین شعرا
ایک ایسے عہد سعادت کی بشارت دیتے ہین جس کو وہ عہد زرین سے تعبیر کرتے ہین، اور جس کے
متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ساری دنیا کو اخوت عام کے رشتہ مین منسلک کر دے گا لیکن حقیقت
یہ ہے کہ ایسا زمانہ نہ کبھی موجود تھا اور نہ آیندہ آئے گا، اور اب انسانیت ایک ایسے آہنی عہد
مین داخل ہو گئی ہے جس مین ہر کمزور طبعی قانون کے مطابق ہلاک ہو جاتا ہے"۔

لیبان کا یہ بھی بیان ہے کہ "مشرق، ایرانی اور یونانی وغیرہ بہت سی قومون کا محکوم ہوا،
جن کے اگرچہ مشرق پر بڑے بڑے سیاسی اثرات پڑے مگر ان کے تمدنی کارنامے بہت کم ہین،

لیے جن ملکون پر ان کا براہ راست قبضہ نہین ہوا، ان مین وہ اپنے مذہب، زبان اور صنعت وحرفت کی اشاعت مین کامیاب نہ ہوسکین، چنانچہ مصر نے ان کا تمدن نہین قبول کیا، اور بطالسہ اور یونان کی حکومت کے زمانہ مین بھی اہل مصر نے اپنے قومی عادات وخصائل نہیں بدلے اور اپنے ماضی کو پوری طرح محفوظ رکھا، حالانکہ فاتح قومین مفتوح کے مذہب، زبان اور علم وفن کو بھی ان سے چھین لیتی ہین، مگر مصر مین بطالسہ نے جو عمارتین بنائین اور قیصران روم نے ان مین جو ترمیم کی اس مین فرعونی طرز کا لحاظ رکھا، مگر مشرق مین یونانیون ایرانیون اور رومیون کے لیے جو کام دشوار ثابت ہوا اس کو عربون نے کسی سختی اور ظلم وزیادتی کے بغیر آسانی کے ساتھ کرلیا، مثلاً مصر ہی نے کسی اجنبی قوم کا اثر قبول نہین کیا، مگر عمرو بن العاص کی فتح مصر پر ایک صدی بھی گذرنے نہین پائی تھی کہ اس نے اپنی چھ سات ہزار سال پرانی تہذیب کو بھلا کر ایک نیا مذہب اور ایک نئی زبان قبول کرلی، جس مین بڑے نادر علوم وفنون تھے اور اس قدر مضبوط ومستحکم ہوچکے تھے کہ برابر اسلاف سے اخلاف مین منتقل ہوتے چلے آرہے تھے، عربون کے دور سے پہلے مصریون نے تاریخ مین صرف ایک مرتبہ قسطنطنیہ کی حکومت کے زمانہ مین اس وقت اپنا مذہب بدلا تھا، جب رومیون نے مصر کو تاراج کرکے اس کی عمارتین تک مسمار کردی تھین، اور ان پر بڑی سختیان کی تھین، اور ان کو اپنا مذہب تک چھوڑنے پر مجبور کردیا تھا، اور اس کی خلاف ورزی کی سزا قتل مقرر کی تھی، اس جبر واکراہ سے مجبور ہوکر اہل مصر نے اپنا مذہب بدل دیا تھا، مگر وہ ان کے دل مین نہ اتر سکا اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب مسلمانون کی حکومت قائم ہوئی تو انھون نے عیسوی مذہب چھوڑ کر فوراً اسلام قبول کرلیا، عربون کے جو اثرات مصر پر پڑے وہی شمالی افریقہ اور شام وغیرہ ان تمام ملکون میں ظاہر ہوئے جہان جہان ان کی حکومت قائم ہوئی، ہندوستان مین اگرچہ

وہ سرسری آئے اور نکل گئے، اس کے باوجود وہاں ان کے اثرات پڑے، اس سے بھی بڑھکر
عرب تاجروں کے ذریعہ ان کے اثرات چین تک پہنچ گئے، جہاں ان کی حکومت کبھی قائم نہیں
ہوئی، تاریخ میں عربوں کے جیسے محسوس اور نمایاں کارناموں کی مثال کسی قوم میں نہیں ملتی،
جن قوموں سے تھوڑے دن کیلیے بھی ان کا سابقہ رہا ان کے تمدن کی انھوں نے کایا
پلٹ دی اور جب ان کا زوال شروع ہوا تو ترک اور مغل وغیرہ جنھوں نے ان کو مغلوب
کیا تھا، خود ان کے افکار و تصورات قبول کرلیے اور دنیا میں ان کی دعوت پھیلانے لگے،
اگرچہ عربی تہذیب کو مٹے ہوئے صدیاں گذر چکی ہیں، لیکن آج بھی دنیا میں بحر اٹلانٹک سے
لیکر دریائے سندھ تک اور بحر روم سے لیکر افریقہ کے صحرا تک ایک مذہب رائج ہے اور
ایک زبان بولی جاتی ہے، جو پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب اور ان کی زبان ہے،
مشرق میں صرف مذاہب، زبانوں اور تعمیرات ہی میں عربوں کے اثرات نمایاں نہیں
ہوئے بلکہ علم و فن میں بھی ظاہر ہوئے، ہندوستان اور چین سے مسلمانوں کا علاقہ بہت
قدیم زمانے سے تھا، اس لیے انھوں نے ان ملکوں میں اپنے علوم و فنون کا بڑا حصہ منتقل
کر دیا، جن کی اصل کو یورپین علما غلطی سے ہندی اور چینی قرار دیتے ہیں، چنانچہ ہندوستان
نے عربوں سے اس سے زیادہ فائدہ اٹھایا جتنا عربوں نے ہندوستانیوں سے اٹھایا تھا،
اسی طریقہ سے عربوں نے مغلوں کے زمانہ میں فلکیات اور طب کے فنون چین پہنچائے، اور ایران
میں تو ان کے اثرات آج تک پوری طرح قائم ہیں، ایرانی علوم و فنون کی تعلیم عرب مصنفین
کی کتابوں کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں، ایران میں عربی زبان کی تقریباً وہی حیثیت ہے
جو قرون وسطیٰ میں لاطینی زبان کی یورپ میں تھی، دسویں صدی میں اسپین کی عربی حکومت
کے اثرات سے یورپ کے بعض حصوں میں بھی علوم و فنون کا ذوق شوق پیدا ہوا، حالانکہ

اس زمانہ مین سارے یورپ حتی کہ قسطنطنیہ تک مین علم وفن نفرت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

عربون کے زوال کے بعد تیرہوین صدی مین جب انکی حکومت کی باگ جیساکہ رینان کا بیان ہے، ترک وبربر وغیرہ جیسی جابر، سخت گیر، وحشی اور کم عقل قومون کے ہاتھون مین آئی، اس وقت سے مسلمانون مین کمزوری کے آثار شروع ہوگئے، درحقیقت کوئی تعلیم متعصب نہین ہوتی بلکہ لوگ متعصب ہوتے ہین۔ اسلام کی تعلیم کے سب سے بڑے حامل عرب تھے، لیکن اس کے باوجود وہ نہایت نرم خو اور بڑے روادار تھے، وہ نرمی اور آشتی کے دائرہ سے باہر قدم نہین نکالتے تھے، جس کا ثبوت ان کے اعمال وافعال ہین اور ان کی فتوحات کے ابتدائی زمانہ ہی سے ان مین یہ وصف نمایان تھا، اور پورے یقین کیساتھ کہاجاسکتا ہے کہ عربی تہذیب کی ترقی اور فروغ کے زمانہ مین عربون مین مذہبی رواداری بدرجۂ اتم موجود تھی، یورپ کے جن حصون پر وہ قابض ہوئے ان مین صرف ان کے علم وعمل کی وجہ سے ان کے اثرات پڑے اور یہ اثرات ان ملکون مین زیادہ نمایان ہوئے جن مین براہ راست اس کی حکومت تھی مثلاً اسپین مین ان کے اثرات کا صحیح اندازہ لگانے کا بہتر ذریعہ ہے کہ اسپین کی پرانی تاریخ پر ایک نظر ڈال لیجائے کہ عربون سے پہلے اس کا کیا حال تھا، اور ان کی حکومت کی زمانہ مین کیا ہوگیا۔ اور پھر ان کے نکلنے کے بعد وہ کس نوبت کو پہنچ گیا، اسپین سے عربون کی جلاوطنی کے بعد اس مین جو ضعف اور کمزوری پیدا ہوگئی تھی اس کے پیداکردہ امراض سے آج تک اس کو نجات نہ ملنا ایک قوم پر دوسرے قوم کے اچھے اثرات کی ایسی نمایان مثال ہے جو تاریخ مین نہین مل سکتی۔

ان تفصیلات کے بعد یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے کہ عربی تہذیب مین انسانون کے لیے بڑی بھلائی اور خوشبختی تھی، اس کے مقابلہ مین مشرق کے مزاج کے لحاظ سے جدید تہذیب

مین اچھی وبری دونون باتین مخلوط ہین اس مین ایک ایسی کجی ہے جس کی بنا پر لوگون کا اس کے
قالب مین ڈھلنا بہت دشوار ہے، مغربی استعمار نے دانستہ یا نادانستہ اپنے محکومون کی
امتیازی خصوصیات کا استخفاف کیا، اور ان کو ایسی تہذیب کی تعلیم دینی چاہی جو ان کی
عقل وفہم کے لحاظ سے بہت وسیع تھی، اس لیے ان اقوام کے لیے ان کی تقلید نہ مفید
ہی تھی اور نہ صحیح ومناسب، جن ملکون مین مغرب کا اقتدار محدود رہا ہے، مثلاً شام مصر،
شام اور عراق وغیرہ انھون نے ان ملکون کے مقابلہ مین جہان ان کا غلبہ واقتدار
زیادہ سخت تھا ترقی وصلاحیت کی استعداد کا زیادہ ثبوت دیا ہے، چنانچہ ان تینون ملکون نے
اپنی عربی تہذیب کو محفوظ رکھتے ہوئے مغربی تہذیب کے اچھے اثرات کو قبول کرنے مین تامل نہیں کیا
اگر تمام عربی ممالک وحدت کے رشتہ مین منسلک ہوجائین تو ممکن ہے آیندہ کسی زمانہ مین وہ
ایک متمدن وترقی یافتہ سلطنت کی شکل اختیار کرلین اور دوسری متمدن حکومتون کے ساتھ ملکر
دنیا کو تہذیب کا سبق دے سکین اور چند برسون کے بعد وہ مادی تہذیب مین کسی متمدن حکومت سے کم نہ
رہین، مغربی جذبات ورجحانات رکھنے والے عربون اور ان کی حکومت کے بارہ مین جو فیصلہ کرتے ہین
وہ سراسر ظلم اور زیادتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ دنیاوی سعادت وکامرانی کسی قوم کا ساتھ دیتی ہے
تو اس مین دوسری قومون کی خوبیان بھی پیدا ہوجاتی ہین اور جب یہ چیزین کسی قوم کا ساتھ
چھوڑتی ہین تو اس کے ذاتی محاسن وخوبیان بھی چھین لیتی ہین۔

مصنف کی دوسری تصنیفات

سلسلۂ تاریخ اسلام

تاریخ اسلام حصہ اوّل: (عہدِ رسالت و خلافتِ راشدہ)
۳۹۵ صفحے، قیمت: ہے ر (طبع سوم)

تاریخ اسلام حصہ دوم: (بنو امیہ)
۳۶۳ صفحے، قیمت: ے ر (طبع دوم)

تاریخ اسلام حصہ سوم: (بنی عباس اوّل)
قیمت: عہ ر (طبع دوم)

تاریخ اسلام حصہ چہارم: (بنی عباس دوم)
قیمت: - چہ ر (زیر طبع)

عرب کی موجودہ حکومتیں: اس میں عرب کا تفصیلی جغرافیہ اور تمام قابلِ ذکر حکومتوں نجد و حجاز، عسیر و یمن، لحج، نواحی تسعہ، بحرین، کویت، اور فلسطین و شام کے مختصر حالات جمع کر دیئے گئے ہیں، ضخامت :- ۱۷۰ صفحے قیمت: ۱۲ عہ ر

سلسلۂ سیر الصحابہؓ

مہاجرین جلد دوم: سیر الصحابہ کے سلسلہ کی تیسری جلد جس میں اُن صحابہ کے حالات و سوانح اور اخلاق و فضائل کی تفصیل بیان کی گئی ہی، جو فتح سے پہلے اسلام لائے، اور ہجرت کی، (زیر طبع)

سیر الصحابہ جلد ششم: اس میں عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی چار اہم ہستیوں، حضرت حسنینؓ، امیر معاویہؓ، اور ابن زبیرؓ کے سوانح اور اُن کے مذہبی، اخلاقی اور سیاسی مجاہدات اور کارناموں کی تفصیل ہے، قیمت: للعہ ر

سیر الصحابہ جلد ہفتم: اس میں اُن ۲۵۰ صحابہ کے حالات ہیں، جو فتحِ مکہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے، یا شرفِ ہجرت سے محروم رہے، یا سنہ ہجرت کے کچھ قبل یا بعد پیدا ہوئے، (زیر طبع)

تابعین: چھیانوے اکابر تابعین کی سوانح، قیمت چہ ر

مرتبہ :- شاہ معین الدین احمد ندوی اڈیٹر معارف

(طابع و ناشر صدیق احمد)